نصابِ تعلیم درجہ حفظِ قرآن

جماعت ہائے مکتب، ابتدائی اول، دوم، سوم تک حفظ کرنے والے طلبہ کو صرف اردو اور حساب عام طلبا رکے نصاب کے مطابق ان کے ساتھ مل کر پڑھنا ہوگا۔ باقی جملہ مضامین سے وہ مستثنیٰ سمجھے جائیں گے اور ان کے بجائے قرآن شریف حفظ کرینگے۔

جماعت ہائے چہارم و پنجم میں وہ صرف قرآن شریف پڑھیں گے اور ایک گھنٹے کے لئے آسان رسالے اور اخبارات پڑھیں گے تاکہ اردو لکھنے پڑھنے کی مشق جاری رہے۔

جماعت ہائے سوم تک میں قدر اردو اور حساب وہ پڑھیں گے وہ جبریہ تعلیم کے قانون کے مطابق جتنا جاننا ضروری ہے اسیر جاوی ہے۔ اس لئے اگلی دو جماعتوں میں صرف حفظ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس اصول کو مدنظر رکھکر حفظ قرآن کی تقسیم حسب ذیل ہوگی۔

مکتب۔ قاعدہ یسرنا القرآن مطبوعہ قادیان۔ سورہ فاتحہ اور الکٰفرون سے الناس تک۔

ابتدائی اول۔ پارہ عم۔

ابتدائی دوم۔ پہلا تین پارے یا آخری منزل ق

ابتدائی سوم۔ پہلی دو منزلیں یا آخری تین منزلیں۔

ابتدائی چہارم۔ پہلی چار منزلیں یا آخری پانچ منزلیں۔

ابتدائی پنجم۔ ختم قرآن شریف۔

بعض جگہ شروع کی طرف سے حفظ کرایا جاتا ہے اور بعض جگہ اخیر کی طرف سے۔ چونکہ اخیر کی طرف سے چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں بتدریج بڑی ہوتی جاتی ہیں اسلئے پانی پت و ٹونک وغیرہ میں جو حفظ قرآن کے خاص مرکز ہیں، بچوں کی سہولت کے خیال سے اخیر کی طرف سے حفظ کراتے ہیں۔ آسانی بھی عام طور سے اخیر کی طرف سے خیال کیجاتی ہے۔

امید ہے کہ اس نصاب تعلیم سے فائدہ اٹھایا جائے گا اور جبریہ تعلیم کی مخالفت کے بجائے آسانی سے اس کو حل کیا جائیگا اور پوری قوت کے ساتھ جبریہ تعلیم کی حمایت کیجائے گی بلکہ جہاں یہ قانون نافذ نہیں ہے وہاں نافذ کرایا جائے گا۔ اس کے متعلق مفصل معلومات اور دیگر ہدایات رسالہ "پیام تعلیم" سے معلوم ہونگی جس میں وقتاً فوقتاً اس کے متعلق مفید اور ضروری تجاویز درج ہوتی رہتی ہیں۔

ثانوی اوّل

۱۔ اسلامیات۔ (الف) پارہ الٓمّ کا ترجمہ

(ب) محاسن اسلام یا ارشاد ارکان اسلام (از منشی سراج الدین) سے ضروری باتیں انتخاب کرکے طلبا کو مختصر نوٹ لکھائے۔

(ج) قراۃ الرشید جزو اول۔

(د) اردو کے چھوٹے چھوٹے جملوں کا عربی میں ترجمہ۔

(ہ) ضروری قواعد صرف و نحو (استاد رشید شرطونی کی مبادی العربیہ کو پیش نظر رکھے)

۲۔ اردو۔ (الف) گلدستۂ ادب (مشکل حصے چھوڑ دئے جائیں)

(ب) فارسی کی پہلی کتاب مع ضروری قواعد شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی،

(ج) انشا۔

۳۔ انگریزی۔ (الف) Oxford Reading Books - III

(ب) قواعد میں اجزاء کلام اور اسم (مع ضمیر و صفت) کی تفصیلی بحث۔

(ج) املا و انشا (مدد کے لئے Wren's Progressive English Composition Stage I

۴۔ ریاضی۔ (حساب) سود مرکب کام وقت و فاصلے کے سوالات۔ فیصدی کے متعلق، نسبت و تناسب اربعہ و مستمرہ۔

(جبر و مقابلہ) ضروری تعریفات۔ چار سادہ قاعدے۔ خطوط وحدانی کا استعمال، قیمت معلوم کرنا۔ دو رقموں کے مجموعے یا فرق کا مربع، یا دو رقموں کے مربع کا فرق کا حساب میں استعمال کرنا اور اس کا فائدہ۔ ضرب یا تقسیم میں قوت نماؤں کا صحیح استعمال اچھی طرح ذہن نشین کرایا جائے۔ مساوات سادہ (صرف صحیح عددوں کے ساتھ) اور اس کے متعلق آسان عبارتی سوالات۔

(علم الہندسہ) گوری شنکر ڈے مسئلہ اثباتی ۱-۲۴ مقالہ اول مسئلہ عملی ۱-۱۰ مقالہ اول مع آسان سوالات متعلق مسائل۔

۵۔ تاریخ و جغرافیہ۔ (۱) تاریخ (الف) ہندوستان کی مکمل تاریخ، اہم واقعات اور بڑی بڑی شخصیتوں کے جماعت کی حالت کو بھی مدنظر رکھا جائے (مطالعہ کے لئے ہندوستان کی مختصر تاریخ از سید ہاشمی فریدآبادی)

(ب) سیرۃ مبارکۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح حیات سے سیرت و اخلاق، نبوت و تبلیغ اسلام۔ اسلام۔ اکابر صحابہ اور عربوں کے

جامعی انقلاب پر خاص زور دیا جائے ۔ (مطالعہ کے لئے) تاریخ الامت حصہ اول از مولینا اسلم ۔ سیرۃ خیر البشرؐ از مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ ۔

(ج) جغرافیہ (الف) (۱) کرۂ ارضی کی وسعت و ضخامت، شکل محور، قطب، خط استوا جہتین اور ان کا تعین، نوعیت ۔ قطب نما ۔ استعمال و فوائد ۔

(۲) نظام کواکب ۔ کواکب کا مطالعہ، دوربین اور رصدگاہیں، کواکب کی صورتیں، کواکب کا جذب باہمی، حرکات، اقسام ثوابت سیارے، توابع، شہاب، دمدار ستارے اور سطح جحم روشنی اور فاصلے ۔

(۳) نظام شمسی ۔ نظام شمسی کا مختصر خاکہ، زمین آسمان اور چاند کا مطالعہ، کسوف و خسوف

(۴) زمین اور چاند ۔ چاند کا گھٹنا اور بڑھنا ۔ چاند کی حرکت ۔

(۵) زمین اور آفتاب :۔ زمین کی گردش، دن رات، زمین کی حرکت، دن رات کا گھٹنا بڑھنا، فصلوں کا تغیر و تبدیل ۔ طلوع و غروب کی نوعیت، طلوع و غروب کا نقشہ، مدار سرطان، مدار جدی، منطقۃ البروج ۔ آب و ہوا کے منطقے ۔

(۶) کرۂ ارضی کی ریاضیاتی تقسیم ۔ خط نصف النہار، متوازی دائرے، طول البلد، عرض البلد، مقامات کا تعین اور مساحت طول البلد اور وقت، عرض البلد اور حرارت، وقت کا بیان اور تقسیم ۔ اصطلاحات ذہن نشین کرائی جائیں، اشکال تیار کرائی جائیں ۔

(ب) (۱) کرۂ ارضی اور خشکی اور تری کی تقسیم، براعظم اور سمندر، خشکی اور تری کے متعلق اسعد میں، کرۂ ارضی کا اختلاف، کیفیت ساخت، آب و ہوا، بارش، پیداوار، اقوام و ملل، آبادی ۔ نقشوں، تصاویر اور کتابوں کی مدد سے یہ تمام اختلافات (خصائص) ذہن نشین کرائے جائیں ۔ مدرسہ کے گرد و پیش کا مطالعہ کیا جائے اور دوران مطالعہ میں مختصر مضامین لکھوائے جائیں ۔ نقشے بنوائے جائیں نمونے تیار کرائے جائیں ۔

(۲) ممالک کی تقسیم کے ماتحت وہاں کے باشندوں کی عام حالت، بڑے بڑے شہروں اور مشہور باتوں کا حال بیان کیا جائے ۔ تجارت صنعت و حرفت اور حکومت کی مدد سے دنیا کا باہمی تعلق سمجھایا جائے، نقشے تیار کرائے جائیں ۔

بارش اور پیداوار کے ضمن میں فضا اور تری کے ضمن میں سمندر کے متعلق عملی باتیں بتائی جائیں (یعنی ہواؤں اور موج کا حال بیان کیا جائے)۔

(ج) فطرت کا مطالعہ کرایا جائے ۔ فاصلے ناپوائے جائیں ۔ نقشہ کشی، پیمانہ اور خاکہ سازی کی ابتدا کی جائے ۔

ہدایات ۔ استاد مختلف کتابوں سے مدد لے ۔ بہترین طریقۂ درس یہ ہوگا کہ تینوں حصوں کی تعلیم ایک ساتھ دیجائے ۔

۷۔ طبیعیات و کیمیا ۔ (الف) مادہ اور اسکی مختلف حالتیں ۔ اس کے اوزان میں سے ہر ایک کے معروف خواص ۔ لمبائی، رقبہ اور حجم کی پیمائش، کمیت مادہ، وزن، کثافت، ترازو ۔

(ب) خوراک ۔ خوراک کے اعتبار سے کارآمد پودے، اناج، ترکاریاں، پھل، گوشت شکر، پانی، ہوا ۔

(ج) بیج، جڑ، تنا، پھول ۔

(د) مخراج الہوا، فورس پمپ، پن چکی، سفراس، فوارہ ۔

(ہ) گرم اور سرد اجسام، ٹھوس اور مائعات پر گرمی کے اثرات، موصل و غیر موصل تھرماسکوپ، مقیاس الحرارت کی (۱) ساخت (۲) اقسام (۳) پڑھنے کے طریقے (۴) تحویل کے قاعدے، عمل تبخیر و بستگی، اوس، کہر، برف، بادل، بارش ۔

(س) آواز ۔ اس کے پیدا ہونے کی وجہ ۔ اقسام، رفتار، گونج، کان، گراموفون، ٹیلیفون ۔

(ش) منحل، محلل، عمل تحلیل، محلول، طاقت محلول ۔ مختلف طاقتوں کے محلول تیار کرنے کے طریقے ۔ مختلف اشیا کے قلم (Crystal) بنانا، عمل تبخیر، تقطیر، کشید، تیزاب، الکلی اور نمک کے چند معروف خواص، گندھک، شورے اور نمک کے تیزابوں کی پہچان، صابون بنانا، سرکہ بنانا، عرق کھینچنا ۔

(ص) مندرجہ ذیل گیسوں کا طریقۂ تیاری اور اُن کے معروف خواص کی جانچ، ہائیڈروجن، امونیا ۔

(ض) بعض حکمائے اسلام، گیلیلیو، ڈارون، پرکلی، سر ہمفری ڈیوی، پریسٹلے، کے مختصر حالات زندگی ۔

ثانوی دوم وسوم

۱ ۔ اسلامیات ۔ (الف) سورۂ بقرہ کا باقی حصہ اور سورۂ آل عمران مع ترجمہ

(ب) محاسن اسلام کی حسب ہدایات سابقہ تحریر و تقریر کے ذریعہ تعلیم دیجائے ۔ (استاد ارکان اسلام از منشی سراج الدین اور موعظۃ المؤمنین خلاصہ احیاء العلوم کو پیش نظر رکھے ۔

(ج) قرأۃ الرشیدہ جزو ثانی و ثالث

(د) ترجمہ اردو سے عربی ۔

(ہ) قواعد صرف و نحو (استاد مبادی العربیہ جزو دوم کو مد نظر رکھے ۔

(د) تعلیم الانشاء العربی جزو اول کی ضروری مشقیں۔

۲۔ اردو ۔ (الف) ابن الوقت۔ مجموعۂ نظم حالی، مقدمۂ شعر و شاعری۔

(ب) مصباح القواعد

(ج) انشاء

(د) فارسی کی دوسری اور تیسری کتاب شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی

(ذاتی مطالعہ کے لئے) زوال بغداد (شرر) لطائف الادب (ظفر علیخاں)۔

۳۔ انگریزی:۔ (الف) Lamb's Tales from Shakespeare - six tales:-

(Tempest, As you like it, Hamlet, King Lear, Merchant of Venice, Macbeth)

2. Nagnathan at School by Glyn Barlow

3. S. G. Dunn. Indian Treasury of English Verse Parts II & III.

(ب) قواعد میں بقیہ صرف و نحو کے منتخب اصول۔ مدد کیلئے نیسفیلڈ گرامر حصہ چہارم

(ج) انشاء۔ مدد کے لئے Wren's Progressive English Composition.

ذاتی مطالعہ کیلئے:۔

1. The Pilgrim's Progress.

2. Gulliver's Travels

3. The Cloister and the Hearth.

۴۔ ریاضی:۔ حساب، نفع و نقصان، دستور، دلالی، فیس، بیمہ، شراکت، حصص کاری، قیمت حال، دستی کاٹا، راس المال، آمیزش۔

(جبر و مقابلہ) مساوات سادہ (کسور عام و اعشاریہ کے ساتھ)۔ مساوات مرکب، مساوات کے عبارتی سوالات، عاد اعظم، ذو اضعاف اقل، جذر، اجزاء ضربی، النسبت و تناسب کسور، گراف سادہ۔

(علم الہندسہ) ثانوی دوم: گوری شنکر ڈبے مقالہ اول مسئلہ اثباتی ۲۵ ۔ ۴۸

" " " عملی ۱۶ ۔ ۲۶ معہ سوالات متعلق مسائل

ثانوی سوم: گوری شنکر ڈبے مقالہ دوم اثباتی ہندسہ شکل ۱ ۔ ۲۲

" " " عملی ہندسہ " ۱ ۔ ۱۵ معہ سوالات متعلق مسائل

۵۔ تاریخ و جغرافیہ ۔ تاریخ: (الف) ہندوستان کی مکمل تاریخ۔ حالات میں تفصیل سے کام لیا جائے۔ اہم واقعات اور مشہور شخصیتوں کے علاوہ اب تحریکات اور تمدنی حالت پر زور دیا جائے۔

ب ۔ ہندوستان کی موجودہ حکومت، سیاسیات، اور مدنیات کے متعلق ابتدائی باتیں سمجھائی جائیں۔

ج ۔ خلافت راشدہ اور دولت امویہ و عباسیہ کا ایک اجمالی خاکہ جماعت اسلامی کی اخلاقی اور تمدنی ترقی پر زیادہ زور دیا جائے۔

مطالعہ کے لئے:۔ تاریخ ہند از سید ہاشمی فریدآبادی (سیکنڈری ایجوکیشن کے لئے)۔ تاریخ ملت حصہ دوم سوم و چہارم۔

خلفائے راشدین (مطبوعہ دار المصنفین)۔ خلافت راشدہ از مولوی محمد علی۔ کبھی کبھی اخباروں کا مطالعہ کرایا جائے۔ مضامین کے علاوہ معیاری واقعات کو تاریخی انداز میں لکھنے کی مشق کرائی جائے۔

(جغرافیہ) (الف) (۱) ماسبق کا اعادہ۔

(۲) اصلی و طبعی جغرافیہ:۔ کرۂ ارضی کی ارضیاتی تشریح، قشر زمین، چٹانیں اور انکی اقسام، قشر زمین کی داخلی اور خارجی قوتیں، زلزلے، آتش فشاں، پہاڑ، گرم چشمے، عمل تکسیر اور عمل انتقال، فضائے کرۂ ہوائی، ہوا اور اس کی رو، ہواؤں اور بارش کی تقسیم، آب و ہوا کی بحث، سمندر کا تفصیلی بیان، مد و جزر، رو۔

ب ۔ اشکال، نقشے، نمونے اور عملی جغرافیہ کے متعلق تمام کام کرایا جائے۔ شمادیر اور اخباروں کے ذریعہ سے معلومات بڑھائی جائیں، فطرت اور حالات کے مطالعہ سے جغرافی مضامین لکھوائے جائیں۔

ج ۔ حالات طبعی، آب و ہوا، پیداوار، پیشوں، زراعت، دستکاری، صنعت و حرفت، وسائل آمد و رفت، اور تجارت، آبادی، نسل، مذہب، زبان، اقوام و ملل اور حضارت و تمدن کے ماتحت ساری دنیا کا جغرافیہ پڑھایا جائے، ہندوستان، بلاد اسلامیہ، مغربی یورپ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ پر خاص زور دیا جائے۔

ہدایات:۔ استاد مختلف کتابوں سے مدد لے۔ بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ (الف) اور (ب) کو ایک ساتھ اور (ج) کو آخر میں شروع کیا جائے۔

۶۔ طبیعات و کیمیا:۔ ثانوی دوم (الف) ہوا، کرۂ ہوائی، شکل، اونچائی، ہوا کا دباؤ، barometer، گونج، کرۂ ہوائی کے طبقات بالا کے درجہائے حرارت، آب و ہوا، ہوا کی رویں، رطوبت کرۂ ہوائی، موسم، خاک اور کرۂ ہوائی۔ کرۂ ہوائی میں سفر۔

(ب) زمین کی ساخت اور شکل، زمین کی گردش، نظام شمسی۔

(ت) گوشت خور نباتات۔

(ج) ہوا، پانی، روشنی، درشنی کے متعلق نتائج بتلادیے جائیں جو حفظان صحت سے متعلق ہے۔

(د) انسانی جسم، ہڈیاں، ہاضمہ، دوران خون۔

(س) خون اور اس کا دورہ، جسم کے اعضائے خون اور پھیپھڑے، معدہ۔

(ش) حیوانی اور غذائی مادے۔

(ص) مقناطیس، اقسام اشکال، خواص، مقناطیسی نباتات اور اس کی قوت، قطب نما، مقناطیس کے نو عدد، زمین کی مقناطیسی قوت، مقناطیسی ہیر پھیر، نیوٹرل لائن۔

(ض) ذیل کی گیسوں کے تیار کرنے کے طریقے اور ان کے معروف خواص کی جانچ۔

(۱) ہائیڈروکلورک ایسڈ گیس (۲) کاربن (۳) ہائیڈروجن سلفائڈ (۴) سلفر ڈائی آکسائڈ (۵) ایسٹیلین

(ط) عنصر و مرکب، منجمد اشیاء، تیزاب، القلی اور نمک کے لفظی اور اصطلاحی معنی۔

(ظ) کالی ٹیسٹ، القلی، ایسڈ۔

(ع) قانون اجتماع، بجلی، پانی سے نکالا جانا۔ معروف خواص۔ ان کے تجزیہ، مسطح اور کثیر رنگ نما۔

(غ) الوئی پاسچر، جوزف لسٹر، ولیم رانٹ جن۔ ڈاکٹر رابرٹ کاش، ڈاکٹر الیگزینڈر گراہم بیل کے مختصر حالات زندگی۔

ثانوی سوم (الف) میکانکس، تیمن الیور (۱) قسم اول (۲) قسم دوم (۳) قسم سوم (۴) چرخی و متحرک چرخی (۵) ڈھلواں سطح (۶) فانا

(ب) علم المنوّر، نظریہ روشنی، انعکاس وانحراف روشنی۔ مسطح اور کروی سطحات کر روشنی کا انعکاس و انحراف۔ مقعر، محدب مجوف کی بابتہ ابتدائی معلومات، مختلف آلات بصری مثلاً آلہ تصویر کشی، آلات عکس پیمائی، خردبین، دوربین، انسانی آنکھ، عینک، منشور کی بابتہ محض ابتدائی معلومات۔ رنگوں کے متعلق نظریہ، قوس و قزح، تجلی فوٹو گرافی۔

(ج) مسلہ اتفاق۔ محض ابتدائی معلومات

(د) بجلی، (۱) رگڑ سے پیدا ہونا (۲) رَو

(ر) مندرجہ ذیل مورچوں کا تیار کرنا:۔

(۱) سادہ سل (۲) دانیال کا سل (۳) بائیکرومیٹ سل (۴) خشک سل۔

(س) بجلی کی روشنی، الیکٹرک موٹر۔ ڈائنامو، لاسلکی، ایکسریز، ٹرام، بجلی کے ذریعے چلنے والی ریل گاڑی۔ ریڈیم محض ابتدائی معلومات۔

(ش) ذیل کی گیسوں کا طریقہ تیاری اور انکے معروف خواص کی جانچ۔

(۱) نائٹرک آکسائڈ (۲) مارش گیس (۳) سلفر ڈائی آکسائڈ (۴) فاسفین۔

(ص) گندھک، اُسکی مختلف حالتیں۔ بجی دہات سے نکالا جانا اس کا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کیا جانا۔ اس کی طبعی اور کیمیاوی خصوصیات استعمال

(۲) کاربن، آکسیجن، اور فاسفورس اور اس کی مختلف شکلیں، ایک حالت سے دوسری میں تبدیل کیا جانا، طبعی اور کیمیاوی خصوصیات۔

(ض) نیوٹن، بجمیں، فرینکلن، کیلون، واٹسن، کیوری، کیپلر، گلوانی، لینٹن، ہائل کے مختصر حالات زندگی۔

نوٹ:۔ ثانوی سوم کا امتحان جامعہ (یونیورسٹی) کی طرف سے ہوگا جو "جامعہ جونیر" کہا جائیگا، اور دیگر ہندوستانی یونیورسٹیوں کی تعلیم میٹرکیولیشن کے معیار سے قدرے زائد ہوگا۔

(باقی آئندہ)

نتائج امتحانات جامعہ (یونیورسٹی)

رول نمبر	نام طالب علم	
	بی۔ اے امتیازی عربیات	
۳	غلام سرور	کامیاب درجہ اول (پرچہ چہارم پنجم ہشتم و نہم میں امتیاز حاصل کیا، پرچہ خاص میں بھی امتیازی کامیابی حاصل کی)
	جامعہ سینیر (انٹرمیڈیٹ)	
۱	عبد الستار	کامیاب درجہ دوم
۲	فضل الرحیم	عربی اختیاری میں ضمنی امتحان دینا ہوگا۔
۴	فیروز الدین	کامیاب درجہ دوم (اول نمبر)
	جامعہ جونیر (میٹرک)	
۲	مرزا عزیز اللہ بیگ	کامیاب درجہ دوم (اول نمبر)
۳	محمد شعیب انصاری	انگریزی میں ضمنی امتحان دینا ہوگا
۶	عبد الستار	ریاضی " " " "
۸	عبد الغنی	ریاضی " " " "
۹	میر حسن	کامیاب درجہ سوم

سید عابد حسین
(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی (برلن)
مسجل

۱۰ جون ۲۸ء

مکتوب امریکہ

جزیرۂ ٹرینیڈاڈ کے دلچسپ حالات

(گزشتہ سے پیوستہ)

مچھلی | پورٹ اسپین (Port of Spain) اور سین فرنینڈو (San Fernando) دونوں سمندر کے کنارے پر آباد ہیں۔ مچھلی بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ پچھلی دفعہ میں نے لکھا ہوگا، میں نے انگلستان میں مچھلی کبھی رغبت سے نہیں کھائی۔ مگر یہاں بعض قسم مچھلی کی بہت عمدہ ہوتی ہیں۔ بہترین قسم جو مجھے پسند ہے، وہ سرمپ (Shrimp) ہے۔ اس کو شاید ہمارے یہاں جھینگا کہتے ہیں۔ یہ مچھلی نہایت لذیذ، نہایت خوش ذائقہ ایک کرکھوے جھوٹے گول دائرے بن جاتے ہیں۔ دو قسمیں ہیں۔ بڑا۔ چھوٹا۔ میں یہاں ان لوگوں سے کہا کرتا ہوں۔ کہ دو نعمتیں اللہ نے تم لوگوں کو دی ہیں۔ سپوڈیلا اور جھینگا (Shrimp)۔ صبح شام کھاتا ہوں، جب بھی نہیں اکتاتا۔

دوسری قسم (Cascadoo) ہے۔ یہ دریائی مچھلی ہے۔ جسامت بہت بڑی نہیں ہوتی۔ باہر کی کھال، کھال نہیں۔ بلکہ ہڈیوں کا ایک مسلسل جال ہوتا ہے۔ مچھلی پن اس میں بالکل نہیں ہوتا۔ ہڈی سمیت پکاتے ہیں۔ اور کھاتے وقت ہڈی سے صاف کردیتے ہیں۔ یہ بہت لذیذ ہوتی ہے۔ مگر جھینگے (Shrimp) کی طرح عام نہیں۔ کبھی کبھی ملتی ہے۔

تیسری قسم کنگ فش (King Fish) اور چوتھی ریڈ فش (Red Fish) ہے۔ یہ دونوں عمدہ کھانے کی مچھلی ہیں۔ بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ مگر یہ اصل مچھلی ہے اور اس میں مچھلی کا ذائقہ ہوتا ہے۔

شکار کے جانوروں میں ہرن ملتا ہے۔ شوقین اچھے اچھے کتے پالتے ہیں۔ اور بندوق سے شکار کرتے ہیں۔ ایک صاحب شاہ محمد خاں خسرو ہیں۔ بہت شائق ہیں۔ مجھے دو تین دفعہ دعوت دی۔ مگر شکار کے دوران میں وہ اپنے نظریے "Determination of sex in womb" پر لیے امہات لکھ بلاتے ہیں۔ اور داد چاہتے ہیں۔ کہ میں نے عذر کیا۔ پچھلے مہینے ان کے لڑکے کی شادی پر گیا تھا۔ اس کی تفصیل موقعہ پر لکھونگا۔

آوارہ جانور (Wild Animal) ہرن کے علاوہ اور بہت کم ہیں۔ اور جو ہیں وہ خطرناک نہیں ہیں۔ شکار کے لئے اور پرندے وغیرہ جنگل میں کثرت سے ملتے ہیں۔

قدرتی مناظر | ٹرینیڈاڈ میں خوبصورتی کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی چیزیں بہت ہیں۔ جو میں نے دیکھیں وہ تمہیں بتلاتا ہوں۔

خلیج میروگاد (Maraga Bay)۔ ونیز ویلا سے ملتا ہوا ایک کونا سا ہے۔ اور اس کے پہلو میں یہ خلیج ہے۔ عین سمندر کے کنارے کی گھاٹی پر یورپین کے مکانات ہیں۔ صحت کے متلاشی پہلے یہاں کثرت سے آیا کرتے تھے۔ مگر اب اس سے اور اچھی جگہیں میسر ہوسکتی ہیں۔ منظر خوبصورت ہے۔ عین سمندر کے کنارے دو تین سو اونچے درختوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔

نہانے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ مجھے مد اور جزر دونوں دفعہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور بہت خوشگوار لطف حاصل ہوا۔

ساحل میارو (Mayaro Beach) یہ جگہ ہے دیکھنے کے قابل۔ ساحل کی ریت نرم ہے۔ مگر ایسی سخت جمی ہے جیسے لاہور کی مال روڈ۔ یہ ساحل ۲۸ میل لمبا ہے۔ منظر سبحان اللہ! یہاں سے چالیس میل ہے۔ ہم لوگ موٹر میں پہنچ گئے تھے۔ سارے ساحل کو سمندر کے کنارے کنارے چکر لگایا۔ اتنا قریب کہ بعض دفعہ لہر موٹر کے پہیے میں آلگتی تھی۔ خوب نہاتے رہے۔ ریت پر بہت خوبصورت چھوٹی سیپیاں ہوتی ہیں۔ ہر رنگ اور ہر قسم کی ملتی ہے۔ میں بھی دیکھ کر لایا تھا۔ بکس کے اندر ایک کونے میں یادگار کے طور پر رکھ دی ہیں۔

آبشار مراکس (Maracas Fall) ۳۱۲ فٹ کی بلندی سے گرتا ہے۔ پانی کی دھار بہت بڑی نہیں۔ درمیان میں پانی روئی کا گالا معلوم ہوتا ہے۔ مگر نیچے والے پتھروں پر بہت زور سے گرتا ہے۔ یہ پانی خوب ٹھنڈا ہوتا ہے۔

یہ جگہ پورٹ اسپین (Port of Spain) سے آٹھ میل ہے۔ موٹر کا راستہ پیچ در پیچ پہاڑیوں کے اندر سے ہوکر گیا ہے۔ دامن میں پہنچ کر موٹر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر پہاڑیوں کی اونچ نیچ میں دو ڈھائی میل چلنا پڑتا ہے۔ اس میں یہ تکلیف ساری اتنے دلی خوشی کا پیش خیمہ ہے۔ آبشار کی ندی پہاڑیوں کے ہر نکڑ پر ٹکر لگاتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ ہانپتے۔ دم لیتے۔ ایک اونچی پہاڑی کے کنج میں پہنچتے ہیں۔ یہ آبشار ہے۔ فوراً سردی محسوس

ہو گئی ہے۔ چاروں طرف پہاڑیاں ہیں اور علاوہ ۲۲۰ درجہ گرمی سے زیادہ ہیں۔ صرف ایک طرف سے جہاں سے ندی نکل جاتی ہے، خالی ہے۔ نہانے کا سارا لطف اس آبشار کے نیچے کھڑے ہونے میں ہے۔ مگر اس کے لئے قوت اور حوصلہ کی ضرورت ہے۔ پتھر گرم ہیں۔ نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پتھر پر ہاتھ پیر دونوں پھسلتے ہیں۔ اور اوپر سے پانی ایسے گرتا ہے۔ جسم سرخ ہو جاتا ہے۔ دانت بجنے لگتے ہیں۔ بھوک خوب لگتی ہے۔ لوگ یہاں آنے سے قبل اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے کھانے کا انتظام کر لیتے ہیں۔ تعریف سنی ہے۔ تجربے کا اتفاق نہیں ہوا۔

بلو بیسن (Blue Basin) یہ آبشار پورٹ آف اسپین (Port of Spain) سے چھ میل ہے۔ راستہ سارا مراکس کی طرح پہاڑی ہے۔ مگر یہ اتنا لمبا نہیں ہے۔ کوئی میل ڈیڑھ میل کا لمبا ہو گا۔ خوبصورتی میں یہ کم نہیں ہے۔ اس کی مثال مراکس کے مقابلے میں ایسی ہے جیسی تاج کے مقابلے میں اعتماد الدولہ کی۔ آبشار اونچا نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بیس پچیس فٹ ہو گا۔ پانی ایک ساتھ گرتا ہے۔ نیچے والے پتھر کٹ کٹ کر ایک حوض کی شکل بن گئے ہیں۔ یہ حوض مراکس جیسا نہیں ہے۔ بہت خوبصورت صاف اور شفاف نیچے کے کنکر اور پتھر نظر آتے ہیں۔ یہ مقابلے کم سے کم بڑا ہے۔ مگر بہت گہرا۔ آبشار کے نیچے جانے کے لئے یا تیریئے یا پہاڑی کے ساتھ ہوتے ہوئے اس کے پیچھے سے کودئے۔ اچھی خاصی ورزش ہوتی ہے۔ غوطے کھاتے ہیں۔ ہم اور یوسف موٹر پر گئے تھے۔ بہت سے پاپائی (Papaie) اسپوڈلا (Spodella) اور کیسے لے گئے تھے۔

پیچ لیک (Pitch Lake) کے متعلق غالباً اس سے پہلے والے خط میں لکھ چکا ہوں۔ اس کا فوٹو بھیج رہا ہوں۔

یہاں کے عجائبات میں اگر گرم چشمے کا ذکر نہ کیا۔ تو کچھ نہ کیا۔ سان فرنانڈو اور پورٹ آف اسپین کی درمیانی سڑک پر سان فرنانڈو سے چار پانچ میل کے فاصلے ایک اونچی پہاڑی سمندر کے کنارے پر ہے۔ اس میں سے گرم پانی کا چشمہ نکلتا ہے۔ (Point - a - Pierre) سان فرنانڈو میونسپلٹی کا اس پر قبضہ ہے۔ اس پانی کو مختلف ترکیبوں سے صاف کر کے اسی پہاڑی کے نیچے جمع کیا گیا ہے۔ پانی صاف ہونے پر بھی اس میں گرمی باقی رہتی ہے۔ پانی کو ٹھنڈا کرنے کی ترکیب یہ کی گئی ہے۔ کہ فواروں کی طرح سے نل لگا دیے گئے ہیں۔ مصفا پانی ان نلوں میں زور سے جا کر فوارہ بن کر نیچے گرتا ہے۔ نیچے کھلے کھلے لمبے حوض ہیں۔ پانی اس میں گزر کر ٹھنڈا ہونے کے بعد (Reservoir) میں چلا جاتا ہے۔

چشمے کا خالص پانی غسل کرنے کے لئے بہت اچھا ہے۔ بہت سی بیماریوں کے لئے مفید ہے۔ اس کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ کہ تازہ پانی لانے والے نلوں کا تعلق ایک حوض سے کر دیا گیا ہے۔ اور حوض کے گرد چار دیواری بنا کر چھت ڈال دی گئی ہے۔ حوض کے باہر مکان کے اندر ایک ٹھنڈے پانی کا نل (Shower Bath) لگا دیا ہے۔ غسل نگراں کی اجازت سے ہوتا ہے۔ حوض کا مخرج بند کر کے نل کھول دیا جاتا ہے۔ گرم پانی زور سے گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور حوض بھرنے پر بند کر دیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ عرصہ نہاتے ہیں۔ نہانے کے بعد تھوڑی دیر انتظار کر کے (Shower bath) لیتے ہیں۔ پھر پسینہ شروع ہوتا ہے۔ اللہ اللہ! نکلتے ہوئے آنتیں قل ہو اللہ پڑھتی ہیں۔ اگر کھانے کے لئے کچھ نہ ہو۔ تو بار پیٹ کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ ہفتہ میں دو دفعہ ورنہ ایک دفعہ تو ضرور جاتے ہیں۔

طریقہ حکومت

ایک برطانوی گورنر اور کمانڈر انچیف ہوتا ہے (Both rolled into one) اور یہ دونوں عہدے ایک ہی شخص میں مدغم ہیں ایک وزیر نوآبادیات (Colonial Secretary) اور ایک افسر پولیس (Police Officer) یہ تو بڑے عہدہ دار ہیں۔ گورنر کے مشورہ کے لئے ایک نام نہاد کونسل۔ اس میں چار ممبر منتخب اور چند نامزد ہوتے ہیں۔ پچھلے سال ایک صاحب تلک سنگھ نامی ہندوستانی ممبر تھے۔ امسال مسٹر ٹموتھی روڈل (Mr. Timothy Roodal) ہیں۔ تمہیں ان کے نام سے کچھ تعجب ہو گا۔ مگر یہ بھی ہندوستانی ہیں۔ عیسائی ہیں۔ انگریزیت نے ہیئت بدل دی ہے۔ ہندوستانیوں کی کوشش یہ تھی۔ کہ ان کی آبادی کی نمائندگی کے لئے ایک ہندوستانی ممبران کی مرضی سے منتخب کیا جایا کرے۔ مگر اس کو منظور نہیں کیا، تس پر بھی ایک آدھ ہندوستانی ممبر ہو ہی جاتا ہے۔ یہ ایم۔ ایل۔ سی (M.L.C.) کہلاتے ہیں۔ اور اسے ایک طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ ہاں یاد آ گیا ایف۔ ای۔ ایم ہوزائن (F. E. M. Hosein) بھی ممبر ہیں۔ میرے ذہن سے اتر گیا تھا۔

جزیرہ کے سارے جج بالعموم وکلاء کے طبقہ سے لئے جاتے ہیں۔

ہندوستانی کوئی جج ابھی تک نہیں ہوا۔ بیرسٹر تھے ہی صرف دو۔ الاہار اور حسین۔ حسین کرٹ۔ الاہار احمق۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ جج یا انگریز ہیں۔ یا مخلوط النسل اور کچھ حبشی۔ یہاں کے کورٹ ہاؤس میں الاہار مجھے کبھی کبھی لیجایا کرتا تھا۔ جج حبشی تھا۔ طرح طرح کے سوانگ بھرتا تھا۔ اچھا قوی ہیکل۔ مگر اس پر جج کی وِگ اور گاؤن، نہایت مضحکہ خیز معلوم ہوتی تھی۔

پولیس۔ ہندوستانی جسمانی کمزوری کی وجہ سے اس میں بار نہیں پاتا۔ اس لئے اس میں تقریباً کل حبشی ہیں۔ لمبے، تڑنگے، بھرے ہوئے جسم، نہ بہت موٹے نہ پتلے۔ حبشی کی یہ خصوصیت ہے کہ موٹا بہت کم ہوتا ہے اور لاغر تو میں نے ابھی تک دیکھا ہی نہیں۔ جسمانی حالت بہت اچھی ہے۔

پولیس کا انتظام ہندوستان سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ پولیس افسر انگریز ہیں۔ رشوت کا نام و نشان نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے، کہ پولیس میں انگلستان کی طرح خوش خلق (Gentleman) نہیں۔ بلکہ کرخت اور سخت (Rude) ہے۔ یہ بات بالعموم سب حبشیوں میں پائی جاتی ہے۔ اچھی حالت میں ہو کر بھی ان میں خوش خلقی نہیں آتی۔ تیل کی کانیں (Oil fields) یہاں بہت ہیں۔ پہلے امریکن مراعات تھیں، مگر اب بہت کم کمپنیاں امریکہ کی ہیں۔ سارے تیل کا ۱۴ فیصدی صرف امریکیوں کے پاس ہے۔ باقی سب انگریز کمپنیاں ہیں۔ ہاں خلیج پچ (Pitch lake) کا ٹھیکہ بھی امریکہ کے پاس ہے۔ اور اس کی میعاد ۱۹۵۰ء میں جاکر پوری ہوگی۔

ٹرینیڈاڈ کے پاس ہی ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، ٹوبیاگو (Tobago) جو اسی کے ساتھ ملحق ہے۔ یہ وہ جزیرہ ہے۔ جہاں ڈیفو (Defoe) نے رابنسن کروسو (Robinson Crusoe)[1] کا پلاٹ لیا تھا۔ ہر ہفتہ جہاز (Coastal Steamer) جاتا ہے۔ میں ابھی تک نہیں گیا۔ لوگوں کا ارادہ ہو رہا ہے۔ شاید میں بھی چلا جاؤں۔

لندن سے آتے ہوئے راستہ میں ایک چھوٹا سا جزیرہ پڑتا ہے، بارابیڈوس (Barbados) ٹرینیڈاڈ سے ۲۴ گھنٹے کا راستہ ہے۔ ہمارا جہاز یہاں ۱۴ گھنٹے ٹھیرا تھا۔ بہت بڑی تجارت کی منڈی۔ اور کل جہازوں کا مقام اتصال ہے۔ میں جمی اور الاہار بہت گھومتے رہے۔ وہاں کے فوٹو تمھیں بھجوا رہا ہوں۔ ساحل جسے باتھ شیبا (Bath Sheba) کہتے ہیں، بہت خوبصورت ہے۔ اور نہانے کے لئے بہت موزوں۔ ہوا شب و روز بہت مفرح۔ بیمار صحت کے لئے یہاں آتے ہیں۔ ہندوستانی بہت کم ہیں۔ میں نے تو سارے شہر برج ٹاؤن (Bridgetown) میں صرف ایک ہندوستانی کی ایک تانبے پیتل کے برتنوں (Hardware) کی دکان دیکھی۔ اور ایک حجام کی جس سے ہم نے بال کٹوائے۔ یہاں کے غواص مشہور ہیں۔ ان کے جسم گٹھے ہوئے، ایک ایک بوٹی نکلی ہوئی۔ یہ بالعموم آدھے حبشی اور آدھے کسی اور نسل کے ہوتے ہیں، مگر حبشیت کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

تین آنے کے انعام پر ایک غوطہ خور نے جہاز کے اس طرف سے غوطہ لگایا۔ اور نیچے سے ہوتا ہوا دوسری طرف نکل آیا۔ اندازہ کرو۔ ۱۵ و ۲۰ ہزار ٹن کا جہاز اور یہ ہمت۔ دوسرا صرف دو آنے کے وعدہ پر جہاز کی سب سے اوپر والی چھت پر سے اڑا کودا، الاماں!

اب صرف ایک باب رہ گیا ہے۔ میرے یہاں کے تجربات۔ اور یہاں کے ہندوستانیوں کی طرز معاشرت۔ مکانوں کی وضع۔ اخلاقی حالت۔ میں نے یہاں کے خوشحال لوگوں میں حاجی گوکل سیاہ کا ذکر کیا تھا۔ یہ بزرگ تفصیل طلب ہیں۔

ان کی کوئی تجارت نہیں۔ مگر تجارت کی سب سے بڑی دکانیں ان کی ملکیت ہیں۔ آمدنی کا کوئی اندازہ نہیں۔ لاکھ پتی ہیں۔

یہ پہلے نوکریاں بنا کر بیچا کرتے تھے۔ حد درجے کے بخیل اور کنجوس ہیں۔ ذرا وضع شریف ملاحظہ ہو۔ گہرا سانولا رنگ۔ سفید چھدری داڑھی۔ پست قامتی سے کچھ یونہی ذرا سا باہر نکلتا ہوا قد۔ ٹھگنا۔ مگر ذرا درمیانہ ٹھگنا جسم فربہی لئے ہوئے۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ بند بٹن کا کرتہ جو لمبائی میں انگریزی کوٹ جتنا ہے۔ اس کے نیچے سفید پتلون۔ معمولی جوتا۔ اور سر پر ہیٹ۔ جس کو بقول مولوی ظفر علی "مرور دہور" نے اور برش کی بے نیازی نے وہ رنگت عنایت کی ہے۔ کہ اس کے لئے ہماری لغت میں کوئی لفظ نہیں۔ یہ ہیں ہمارے گوکل میاں صاحب۔ روپیہ اتنا جمع کیا ہے، اور اس کے سمیٹنے میں اتنا انہماک ہے۔ کہ اور کسی چیز کی خبر نہیں۔ (باقی آئندہ)

[1] یہ انگریزی زبان میں ایک کتاب ہے جس میں رابنسن کروسو نامی ایک فرضی شخص کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جو یکبارگی ایک غیر آباد جزیرہ میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں ہو کر وہ قدرت کی چیزوں سے رفتہ رفتہ کام لینا سیکھتا ہے اور بالآخر اس جزیرہ کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہاں انسانی آبادی رہ سکے۔ ڈینیل ڈیفو اس کتاب کے مصنف کا نام ہے۔ (ایڈیٹر)

رفتار تعلیم

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی تعلیم

افریقہ کی صوبجاتی کونسل نے ہندوستانیوں کی تعلیم کے متعلق جو تحقیقاتی کمیٹی بنائی تھی اُس نے شہروں اور دیہات میں ہندوستانیوں کے لئے موجودہ تعلیمی انتظامات ناکافی تبلائے ہیں اور سفارش کی ہے کہ یونین گورنمنٹ سے جو امداد ہندوستانیو کے لئے ملتی ہے وہ آئندہ تمام انکی تعلیم پر صرف کیجائے۔ موجودہ مدارس کی گرانٹ میں توسیع کیجائے۔ اگر ممکن ہو تو نئے مدرسے کھولے جائیں اور کمیٹی نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ ہندوستانیوں پر اسپیشل ٹیکس نہ لگایا جائے۔

برطانوی ہند کا تعلیمی ارتقا

ہندوستانی آئینی کمیشن نے ایک امدادی کمیٹی کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے جو برطانوی ہند میں تعلیمی ارتقاء کے متعلق رپورٹ پیش کریگی۔ کمیٹی کا نام "ارتقاء تعلیم کی امدادی کمیٹی" ہوگا۔ یہ اپنی روئداد مکمل کرکے کمیٹی کے روبرو پیش کریگی۔ مندرجہ ذیل حضرات کمیٹی کے ارکان ہیں

سر فلپ ہرٹاگ کے۔ بی۔ سی۔ آئی۔ ای　　صدر

سر جوزف ایمبرسٹ ہیلی بگ بارٹ کے۔ سی جی سابق مستقل معتمد تعلیمی بورڈ۔ سر سید سلطان احمد کے۔ ٹی۔ وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی۔ سر جارج اینڈرسن کے ٹی۔ آئی۔ ای ڈائرکٹر پنجاب۔ دیوان بہادر راجہ نرنیدرناتھ رکن مجلس قوانین پنجاب۔ مسز متھو لکشمی ریڈی نائب صدر مجلس وضع قوانین مدراس۔ مسٹر آر۔ ایم سٹیتھم انڈین ایجوکیشن سروس معتمد کمیٹی۔

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کو عطیہ

ہز ہائنس نواب بالسیہ کو ٹلہ نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کو پانچ سو روپے کانفرنس کے اس اجلاس کے لئے عنایت فرمائے ہیں جو ۲۰ نومبر سے ۲۲ نومبر سنہ ۲۸ء تک لاہور میں منعقد ہوگا۔

لاہور میں ہندو گرلز ہائی اسکول کا افتتاح

ماتما ہنسراج کی اسکیم کے مطابق لاہور میں عورتوں کی تعلیم کی اشاعت کے لئے ایک ہندو گرلز ہائی اسکول قائم کیا گیا ہے جسکی افتتاحی رسم یکم جون کو ہو چکی۔ اس اسکول کی انچارج پریم وتی تھاپر ایم۔ اے ہوں گی۔

ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور

مجلس انتظامیہ ڈی۔ اے وی کالج لاہور نے اپنے ایک جلسہ میں یہ تجویز پاس کی ہے کہ آئندہ ڈی۔ اے وی کالج میں کوئی شادی شدہ لڑکا داخل نہ کیا جائے۔

ہندوستان میں مسیحی مشنریوں کا تعلیمی سلسلہ

ٹریننگ کالج برائے تبلیغ	۶۱
سنڈے اسکول	۸۲۰
ہائی اسکولز	۶۱۰
کالج	۵۰
زراعتی اسکول	۹۸
صنعتی اسکول	۱۵۰
تعداد طلباء	۱۰۶۰۰۰۰
تعداد معلمین	۴۸۰۴۴
مذہبی اخبارات (مختلف زبانوں میں)	۹۹
پریس	۴۲

میسور میں جبری تعلیم کی توسیع

ساڑھے دس لاکھ روپے کی منظوری

میسور اسمبلی نے بہت بڑی کثرت رائے سے مسٹر سوساکو پاکرشنا راؤ کی یہ تجویز منظور کی کہ حکومت میسور سے سفارش کیجائے کہ ریاست اب چونکہ حکومت ہند کو ساڑھے دس لاکھ روپے نہیں دیا کریگی لہذا یہ رقم جبری تعلیم کی توسیع پر خرچ کیجائے۔

بچوں کے صفحے

ایک نہ ختم ہونے والا قصہ

(از محمد حسین صاحب حیدرآبادی متعلم جامعہ)

کسی بادشاہ کو کہانیاں سننے کا بڑا شوق تھا۔ اس تفریح میں وہ اپنا تمام وقت ضائع کرتا تھا۔ اور ہمیشہ کہانیاں سنتا رہتا تھا لیکن کبھی اس سے سیر نہ ہوتا تھا۔ درباریوں کی تمام کوششیں (جو قصے سنایا کرتے تھے) بے سود ہوتیں۔ جس قدر سنتا اسی قدر اور زیادہ سننے کی خواہش کرتا آخرکار ایک دن اس نے منادی کرا دی کہ "جو شخص بادشاہ کو ایسا قصہ سنائے گا جس کی انتہا نہ ہو تو بادشاہ اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دے گا اور اپنے تخت کا وارث بنا دے گا" جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا کہ وہ ایسا قصہ سنائے گا تو وہ ناکام رہتا اور جب وہ کہانی ختم کرتا تو اس کی گردن اڑا دی جاتی لیکن پھر بھی ایسا بیش قیمت انعام حاصل کرنے کے لئے بہت سے امیدوار پیدا ہو گئے۔ ان میں سے اکثر نے بڑی بڑی کہانیاں کہیں، کسی نے ایک ہفتہ تک، کسی نے ایک مہینے تک اور کسی نے چھ مہینے تک سنائیں اور جتنا ان سے ہو سکتا تھا کہانیوں کو طول دیتے تھے، لیکن یہ تمام کوششیں بے سود تھیں کیونکہ جلد یا بدیر وہ کہانی ختم ہو ہی جاتی تھی اس طرح یکے بعد دیگرے تمام داستان گوؤں نے اپنی گردنیں کٹوا دیں۔

ایک دن ایک شخص دربار میں حاضر ہوا اور کہا کہ "مجھے ایک ایسا قصہ یاد ہے۔ جس کا اختتام ہی نہیں اگر بادشاہ اجازت دیں تو میں سناؤں" بہت سے لوگوں نے اس کو اس کام سے روکا اور اس خطرہ سے مطلع کیا جو پہلے داستان گوؤں کو پیش آیا۔ لیکن اس نے کہا کہ "میں اس خطرہ سے نہیں ڈرتا" چنانچہ وہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ شخص نہایت سنجیدہ اور ذہین تھا۔ ضروری عہد و پیمان کے بعد اس شخص نے اپنا قصہ شروع کیا۔

اے بادشاہ سلامت! کسی زمانہ میں ایک ظالم بادشاہ تھا اس کی خواہش تھی کہ بہت بڑا دولت مند بنے، اس نے اپنے ملک کا تمام غلہ اکٹھا کیا اور اس کو ایک گودام میں رکھا جو صرف اس غرض سے ایک اونچے پہاڑ کی برابر بنایا گیا تھا، اس طرح کئی سال تک جمع کرتا رہا، آخر اس گودام کی چوٹی تک بھر گیا، اور پھر اس نے اس گودام کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کروا دیں، مگر چھت کے بناتے وقت معمار سے ایک سوراخ رہ گیا تھا۔ ایک دن ایک ٹڈی دل اس پر سے گزرا اور اس سوراخ سے انہیں غلہ بھی دکھائی دیا۔ انھوں نے چاہا کہ اس غلہ کو ہضم کر جائیں مگر وہ سوراخ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ایک وقت میں صرف ایک ہی ٹڈی جا سکتی تھی۔ تب ایک ٹڈی گئی اور ایک دانہ لائی، پھر دوسری گئی اور ایک دانہ لائی، پھر تیسری گئی اور ایک دانہ لائی پھر چوتھی گئی اور ایک دانہ لائی، پھر پانچویں گئی اور ایک دانہ لائی پھر چھٹی گئی اور ایک دانہ لائی . . . . . . اسی طرح وہ ایک مہینے تک سوائے کھانے کے وقت کے رات دن کہتا رہا۔ اگرچہ بادشاہ بڑا صابر تھا لیکن وہ تھک گیا اور قصہ کہنے سے روک دیا اور کہا، اچھا مان لو کہ تمام ٹڈیوں نے تمام غلہ کھا لیا پھر اس کے بعد کیا ہوا، داستان گو نے کہا اگر آپ ناراض نہ ہوں تو یہ کہوں کہ یہ ناممکن ہے کہ میں اس کے بعد قصہ کہوں قبل اس کے کہ پہلا قصہ ختم کر دوں۔

بادشاہ بڑے صبر کے ساتھ چھ مہینے تک سنتا رہا اور پھر یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ "اے میرے دوست میں تمھاری ٹڈیوں سے تھک گیا ہوں، اب بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ ٹڈیاں کب تک ختم ہو جائیں گی" داستان گو نے جواب دیا کہ "کون بتا سکتا ہے کہ کب تک ختم ہوں گی، کیونکہ ان ٹڈیوں میں ابھی صرف اتنی ٹڈیوں نے اتنا غلہ کھایا ہے کہ گودام میں صرف ایک ہاتھ جگہ خالی ہوئی ہے، اور گودام کے باہر ابھی ان گنت ٹڈیاں موجود ہیں، لیکن بادشاہ سلامت کو صبر کرنا چاہیے ہم ضرور ایک دن قصہ ختم کر دیں گے۔ اس طرح داستان گو نے بادشاہ کی ہمت بڑھائی اور بادشاہ بھی پورے ایک سال تک سنتا رہا، اور وہ بھی پہلے ہی کی طرح لگاتار کہتا ہی رہا۔

آخرکار بادشاہ اس طوالت کو برداشت نہ کر سکا اور گھبرا کر کہا کہ بھئی اب اس کو ختم کرو۔ میری لڑکی سے شادی کر لو، میری سلطنت لے لو اور تمام چیزیں لیو جو کچھ تم چاہو، مگر ان مکروہ ٹڈیوں کا ذکر نہ کرو۔

اس طرح داستان گو نے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کی اور تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد کسی نے بھی باقی ماندہ قصہ سننے کی خواہش ظاہر نہ کی، کیونکہ اس نے کہا تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں قصہ کے دوسرے حصہ کو کہوں جب تک کہ ان تمام ٹڈیوں کا ذکر نہ کر دوں جو اس وقت موجود تھیں۔

ہ اس طرح ایک عقلمند داستان گو کے اس عمدہ طریقے سے بادشاہ اپنے اس برے شوق سے باز آیا۔

نواں انعامی معمہ

ذیل کا معمہ ایک شعر ہے جس کے الفاظ اشیاء کی تصویروں میں ظاہر کئے گئے ہیں اور زائد حروف کو اصل حالت میں دکھا کر قلمزد کر دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ بالکل اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور جن حروف کے اضافے مقصود ہیں وہ بھی درج کر دئے گئے ہیں۔ ہر مصرع ایک سطر میں ختم ہوتا ہے اور ہر لفظ ایک خانہ میں۔ بتاؤ کہ پورا شعر کیا ہے اور یہ کہ اس شعر کا شاعر کون ہے۔

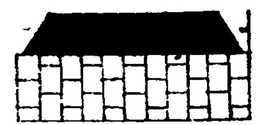
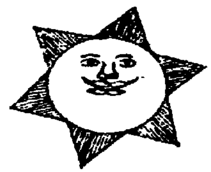
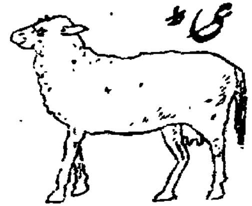
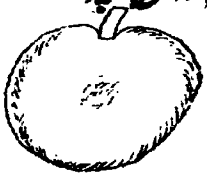
ہدایات:- (۱) اس معمہ کا حل ۱۰ جولائی ۱۹۲۸ء تک پتہ ذیل پر وصول ہو جانا چاہئے:- معمہ حسرت حمید الحق ناتی نگرامی محلہ بالائے قلعہ متصل کوتوالی علیگڈھ۔

(۲) ہر جواب کے ہمراہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے (۳) ایک سے زائد حل آنے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔

انعام:- اس معمہ کے حل پر دو انعام دئے جائیں گے۔

اوّل انعام:- ایک سال کے لئے رسالہ "پیام تعلیم" جاری کیا جائے گا۔ دویم انعام:- چھ مہینے کے لئے رسالہ "پیام تعلیم" جاری کیا جائے گا۔

نوٹ:- جو صاحب جواب کے ہمراہ ایک آنہ کا ٹکٹ نہ روانہ فرمائیں گے اُن کا نام قرعہ اندازی میں شمار نہ کیا جائے گا۔

		ا		معیّن	
م+ی مانند	کیوں			نہیں	

چھٹے معمّہ کا نتیجہ

اس معمّہ کا حل حضرت غالب مرحوم کا مشہور و بلند معنی شعر

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنج قفس
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

ہے۔ اس کے ۲۰ حل تو ۲۷ رمئی کی شام تک وصول ہو چکے تھے لیکن ۶ حل بعد کو دوسرے دن تاریخ معینہ گزر جانے پہلے ان بدیر وصول ہونے والے جوابات کو بھی اس بار شمار میں شامل کر لیا گیا ہے لیکن اس تاخیر کی بنا پر ان میں سے کسی کو موعودہ تحفہ مبارک باد عید نہیں بھیجا جا سکا جس کا مجھے افسوس ہے۔

کُل ۳۱ جوابات میں سے ۲۲ جوابات صحیح آئے ہیں اور صحیح حل بھیجنے والوں کے نام حسب وعدہ ۲۸ رمئی کو مبارک باد عید کا تحفہ بھیج دیا گیا ہے جن کے نام و پتے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ آخری چھ اصحاب کے جوابات بدیر وصول ہوئے ہیں۔

(۱) محبوب علی صاحب بنگالی کوٹھی۔ علیگڑھ۔ (۲) مسز بھگنا تھ صاحب کھنہ شکن نگر ... سنٹشن۔ لاہور (۳) قاضی مطیع الرحمان صدیقی۔ ڈاکخانہ جوگن ... بانگڑہ۔ (۴) اشفاق حسین صاحب طالب علم ثانوی اول جامعہ۔ دہلی۔ (۵) نذیر حسین احمد طالب علم جامعہ لندھور بازار منصوری (۶) محی عبدالسلام صاحب متعلم انٹر کلاس وارہ سیونی ضلع بالا گھاٹ (۷) حسن اشفاق طالب علم معرفت جناب ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب موسیٰ خیل بلوچستان۔ (۸) عبدالرحمان طالب علم جامعہ معرفت محمد الدین صاحب ... روڈ لاہور (۹) و۔ ب صاحبہ بنت حکیم محمد صدیق صاحب۔ ڈھونی واڑہ۔ برہانپور۔ (۱۰) ز۔ بیگم صاحبہ معرفت قاضی عبدالغفار صاحب چیرمین میونسپل بورڈ۔ مرادآباد (۱۱) ز۔ خاتون صاحبہ۔ بنت منشی نعمت الٰہی صاحب تحصیلدار امباور۔ بھوپال (۱۲) ہمشیرہ سید احسن حسین صاحب قرق امین تحصیل مدرسہ۔ بلند شہر (۱۳) ن۔ فاطمہ صاحبہ۔ معرفت مولوی محمد سمیع صاحب صدیقی بی۔ اے محلہ ترپ بازار حیدرآباد دکن) (۱۴) ش۔ بیگم۔ معرفت عبدالرحمٰن صاحب۔ کوچہ رحمانیہ دہلی۔ (۱۵) ز۔ بیگم معرفت عبدالواحد صاحب کوچۂ رحمانیہ۔ دہلی۔ (۱۶) اہلیہ منظور حسن صاحب۔ غنی منزل۔ ہیوٹ روڈ۔ لکھنؤ۔ (۱۷) ش۔ ب۔ قریشی معرفت خانصاحب حافظ محمد ابراہیم صاحب جیلر۔ پنشنر۔ نینی تال روڈ۔ بریلی۔ (۱۸) ارتضیٰ حسین صاحب طالب علم درجہ ۶ محلہ کٹرہ قصبہ ردولی۔ (۱۹) حکیم محمد توحید صاحب موضع فیروزی ڈاک خانہ کاکودگیا) (۲۰) احمد اویس صاحب قرنی متعلم درجہ ہفتم بی۔ مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ۔ (۲۱) ابو یوسف عبدالقدوس محلہ نولیا۔ بہار شریف (۲۲) مسٹر ممتاز احمد زبیری۔ عشرت منزل۔ الہ آباد۔ (۲۳) ارجمند بانو بنت جناب عبدالوہاب صاحب زبیری بی۔ اے۔ نمبرہ ہردوار روڈ۔ دیرہ دون۔

اس معمہ کے انعام کا قرعہ ش۔ بیگم معرفت عبدالرحمٰن صاحب کوچۂ رحمانیہ دہلی کے نام پڑتا ہے۔ انعام موعودہ اس ہفتہ کے اندر موصوف کی خدمت میں موصول ہو جائے گا۔ فقط۔

(م۔ ب)

ساتویں معمّہ کا نتیجہ

ہمارا ساتواں معمہ جو ۷ رمئی ۱۹۲۸ء کے پرچہ میں نکلا تھا وہ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں کسی قدر مشکل اور غیر دلچسپ نظر آ رہا تھا لیکن درحقیقت حل کرنے میں بہت آسان اور نہایت دلچسپ تھا۔ اس سے بچوں کی قوت فکر کے بڑھنے میں اور زیادہ مدد ملتی ہے اور اس کے ذریعہ انہیں عمداً ایسے الفاظ سے آشنا کرانا بھی منظور تھا جن سے واقف ہونا ان کے لئے بہت ضروری ہے مثلاً حب الوطن، سوراج، غلامی، کھدی وغیرہ۔ باوجود بظاہر دشواری اور غیر دلچسپی کے اس معمہ کے کل ۸ حل موصول ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ا۔ خ ہمشیرہ م۔ اب ممتاز صاحبہ (بھوپال) (۲) بنت عبدالجلیل صاحب تحصیلدار (گلبرگہ) (۳) ح۔ خ صاحبہ بنت مولوی شاہ محی الدین احمد صاحب (آرہ) (۴) محمد عبدالسلام صاحب (بالاگھاٹ) (۵) و۔ ب صاحبہ بنت حکیم محمد صدیق صاحب (برہانپور) (۶) ج۔ خ صاحبہ اہلیہ منشی حمیداللہ خاں صاحب (آنولہ) (۷) حامد علی صاحب (علی گڑھ) (۸) اشفاق حسین صاحب (جلیسر)

ان میں سے پہلے ۲ صحیح ہیں جو قرعہ اندازی میں شریک کئے گئے۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ہماری عزیز بہنوں کی دلچسپی پرچہ کے ساتھ روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ اکثریت انھی کی ہے یعنی ۶ حل جو ہم کو ہماری بہنوں نے بھیجے ہیں۔ بہرحال قرعہ میں نمبر ۲ نکلا ہے اور جس نے اول انعام کا مستحق بنت عبدالجلیل صاحب تحصیلدار (گلبرگہ) کو قرار دیا ہے۔ جو عنقریب انشاءاللہ ان کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا ... [illegible]

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب باہتمام ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر بحسن انتظام مسٹر محمد مجیب صاحب بی۔ اے آکسن اجامعہ ملیہ پریس دہلی میں طبع ہو کر دفتر پیام تعلیم سے شائع ہوا

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ عا

ششماہی عہ

فی پرچہ ۸ر

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ ؎

نصف صفحہ ؎

چوتھائی صفحہ ؎

ایڈیٹر: سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۵ | ۱ر جولائی سنہ ۱۹۲۸ء | نمبر ۵

شذرات

خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

اس وقت تک جامعہ کے متعلق بفضلہ تعالیٰ ملک میں نہایت اچھی رائے ہے اور اس کی تعلیم کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے اساتذہ بھی قابل اور قوم پرست جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن خوف ہے کہ موجودہ حالات میں ہم جامعہ کا معیار تعلیم اتنا اچھا نہ رکھ سکیں گے جتنا کہ اب تک رہا ہے یا جتنا آئندہ اور زیادہ کرنے کی آرزو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جامعہ کی انتظامی جماعت میں سے اب تک کوئی سرسید پیدا نہیں ہوا جو بالکل جامعہ کا ہی ہو کر رہے اور اس کے لئے سرمایہ کی فراہمی کا انتظام کرے۔ بیچارے اساتذہ دن بھر پڑھاتے ہیں، دارالاقامہ میں لڑکوں کی نگرانی کرتے ہیں، ان کی تعلیم وغیرہ کی دیکھ بھال اور انتظام کرتے ہیں اور جو وقت ملتا ہے اسمیں چندہ کی فراہمی کرتے ہیں۔ اب جامعہ بند ہے لیکن سوائے ان اساتذہ کے جن کے ہاں کوئی عزیز سخت بیمار ہے یا جو خود علیل ہیں اور کسی حکیم کے زیر علاج ہیں باقی تمام اساتذہ فراہمی سرمایہ کے لئے اطراف ملک میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ شیخ الجامعہ صاحب اور دیگر حضرات اپنی دھن میں سرگرداں ہیں۔ جب یہ تمام آفتیں معلموں کے ذمہ ہی رہیں گی تو تعلیم کی نگرانی اور خاطر خواہ انتظام کیسے ممکن ہوگا، اور آخر میں کولھو کے بیل کی طرح لگے رہنے سے قویٰ جواب دیدینگے اور یکاری اس حالت میں قائم نہ رہ سکیگی۔ اندیشہ ہے کہ جس قومی امانت کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس کو مشکل سے قائم رکھا جا سکے گا۔ لیکن نہیں، جامعہ چلیگی اور ضرور چلیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ اس جماعت نے کیا رنگ اختیار کیا ہے اور آیا زمانہ سلف کی یاد اس سے تازہ ہوتی ہے یا نہیں۔ ہم اگلے پرچے میں ان واقعات کا ذکر کریں گے جنسے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوگی کہ ہم یا ٹوٹ جائیں گے یا جامعہ کو چلا کر دکھائیں گے۔ وہ وقت دور نہیں جب یہ ثابت ہوگا کہ جس وقت مسلمانوں کی ایک قابل رشک جماعت اپنی قوم کی تعلیم کے لئے اپنی زندگی وقف کر کے انتہائی مصیبت میں مبتلا تھی اس وقت زبردست تھرڈ دلے مسلمان ان کی طرف سے منہ موڑے ہوئے تھے اور بعض مضحکہ انگیز انداز میں اس کی انتہائی بے بسی سے لطف اٹھا رہے تھے۔

کوائفِ جامعہ

پچھلے مہینہ جناب شیخ الجامعہ صاحب مدظلہ جامعہ کے چندہ کے لئے یو۔پی کے مشرقی اضلاع میں تشریف لیگئے تھے اور مولینا مسعود علی صاحب ندوی کی معیت میں اعظم گڈھ جونپور۔ الہ آباد۔ بنارس کا دورہ کیا تھا۔ مقام مسرت ہے کہ ان مقامات کے شرفاء و معززین نے ان معزز مہمانوں کی بہت اچھی طرح پذیرائی فرمائی۔ چندہ کی بھی معقول تعداد جمع ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات دوسرے اضلاع کا بھی دورہ کرنیوالے تھے لیکن وقت کی تنگی اور دیگر اہم اور ضروری کاموں کی وجہ سے اسکو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلسل اور لگاتار جدوجہد کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو، مگر مشکل یہ ہے کہ تمام کاموں کا بار صرف ایک ہی شخص کے کاندھوں پر ہے۔ جناب شیخ الجامعہ کی ایک ہستی ہے جن کے ذمہ اگر ایک طرف تعلیمی و انتظامی امور کا انصرام ہے جو معمولی کام نہیں تو دوسری طرف ہر وقت اُن کو یہ فکر لگی رہتی ہے کہ کس طرح جامعہ کی حالت کو درست کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بیک وقت کئی کام نہیں انجام دیئے جاسکتے۔ اس لئے قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے دیگر محترم رہنمایان قوم بھی اس طرف توجہ فرمائیں، خوشگوار وعدوں کے ساتھ ساتھ کچھ عملی اقدام بھی ضروری ہے۔

ڈیڑھ دو مہینہ ہو گئے مولینا شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی بمبئی تشریف لیگئے تھے تاکہ جامعہ کے چندہ کے لئے سندھ کے اضلاع کا دورہ کریں لیکن مولینا شوکت علی صاحب اپنی ضروری مشغولیتوں کی وجہ سے اس درجہ منہمک تھے کہ اتنے عرصہ تک یہ دورہ ملتوی رہا۔ اب خبر آئی ہے کہ عنقریب یہ وفد سندھ کے ارادہ سے بمبئی سے روانہ ہونے والا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ معزز برادران سندھ اپنے معزز مہمانوں کی بیش از بیش حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور جس مقصد سے وفد اُن کی خدمت میں روانہ ہو رہا ہے اُسے کامیاب بنانے کی انتہائی جدوجہد کریں گے۔

جامعہ خواتین ہند

(یعنی ہندوستان کی زنانہ یونیورسٹی)

سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر نواب مسعود یار جنگ بہادر کی تقریر

شریمتی تھی بائی دامودر ٹھاکرسے جامعہ خواتین ہند پونہ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر جو ۸ر جون کو منعقد ہوا تھا نواب مسعود یار جنگ سید راس مسعود صاحب نے مندرجہ ذیل افتتاحی تقریر فرمائی تھی۔

امیر جامعہ، ارکان مجلس جامعہ، طالبات، خواتین اور حاضرین کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا کہ میں آپ کا تہ دل سے شکرگزار ہوں کہ اس سال کے جلسہ تقسیم اسناد میں افتتاحی تقریر کرنے کے لئے آپ نے مجھے مدعو فرما کر عزت بخشی۔ آپ کی جامعہ میں تین بڑی خصوصیات ہیں جن کے جمع ہو جانے سے یہ جامعہ ہندوستان کی تعلیمی ادارت میں عدیم المثال ہو جاتی ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مقصد اہل ملک کی اُس صنف کو تعلیم دینا ہے جس کی قدرت نے اور صرف اُسی کی قدرت میں یہ امر ودلیعت ہوا ہے کہ ہماری آئندہ نسلوں میں خصائل نیک کی افتاد ڈالے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جامعہ ہمارے اہل وطن کی اُس مخصوص جانفشانی کا ایک مادی نتیجہ ہے کہ تعلیم کو قومی بنیاد پر قائم کیا جائے اور اسی بنیاد کو واقعی ایک عاقلانہ بنیاد کہہ سکتے ہیں۔

حیدرآباد میں بھی جہاں سے میں حاضر ہوا ہوں اسی قسم کی کوشش کیگئی ہے یعنی تعلیم کو مستحکم بنیاد پر قائم کرنے کے لئے ایک جامعہ قائم ہوئی ہے جسمیں تمام علمی مضامین ہندوستان کی نہایت باوقعت زبانوں میں سے ایک زبان میں سکھائے جاتے ہیں اور میں اس امر کو محسوس کرتا ہوں کہ آج آپ سے خطاب کرنے میں میں ایک ایسی جامعہ سے خطاب کرتا ہوں جو ہر اعتبار سے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی حقیقی بہن ہے۔

خواتین اور صاحبان! شاید آپ اس بات کو دلچسپی سے سنیں گے کہ میری زندگی میں ایک وقت ایسا تھا کہ آج کل کے ہم وطنوں کی طرح مجھ میں بھی اس بات کو باور کرنیکی حماقت موجود تھی کہ ہمارے ملک کی کسی زبان میں زمانۂ حال کے علمی خیالات کو صفائی و سلاست سے ادا کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔ اور اس بنا پر انگریزی زبان کو ذریعۂ

تعلیم بنائے رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ یہی زمانہ تھا کہ مجھکو نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر یعنی موجودہ صدر المہام فینانس ریاست حیدرآباد دکن کی خدمت میں جو اُس وقت معتمد تعلیمات تھے نیاز حاصل ہوا۔ نواب صاحب موصوف بھی اس جامعہ کے لائق بانی کی طرح اس امر کا یقین رکھتے تھے کہ صرف ایسی تعلیم جو ملک کی دیسی زبانوں میں سے کسی زبان میں دی جائے اُن لوگوں کا جزو دماغ ہو سکتی ہے جو اس ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔

اس مضمون پر اکثر بحث و مباحثہ کے بعد آخر کار مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ میں تو اندھیرے میں رستہ ٹٹولتا ہی رہا مگر میرے کرمفرما کو اُس راہ کا پتہ مل گیا جو امیدوں کی روشن اور چمکتی دنیا کو پہنچاتی تھی۔ گزشتہ بیس برس کی ترقی تعلیم کی تاریخ جب کبھی لکھی جائے گی تو دو نام ایسے ہوں گے جن کو اس تاریخ میں سب سے زیادہ عزت کا مقام دیا جائیگا۔ ان میں ایک نام اس جامعہ کے بانی پروفیسر کارڈے کا ہوگا اور دوسرا نام نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کا جنہوں نے اعلیحضرت والی حیدرآباد کے حضور میں جامعہ عثمانیہ کے قائم کرنے کی تحریک پیش کی۔

یہ سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ "قومی تعلیم کسے کہتے ہیں"؟ اس سوال کے جس قدر جواب اب تک دئے گئے ہیں ان پر ایک جواب اضافہ کرکے میں بھی آج گنہگار ہوتا ہوں۔ چاہے آپ مجھے دوسروں کے خیالات کا سارق ہی کیوں نہ سمجھیں قومی تعلیم کے کم سے کم ایک پہلو کی تعریف میں ان الفاظ میں کرتا ہوں کہ (وہ ایک ملک کے باشندوں کی ایسی تعلیم ہے جس کے دینے والے بھی اُسی ملک کے باشندے ہوں اور جس زبان میں وہ دی جائے وہ بھی اُسی ملک کی زبان ہو)۔

میری رائے یہ ہے کہ جس وقت انگلستان کے کسی مدرسہ کا معلم اپنے شاگردوں کو حساب کا یہ آسان مسئلہ کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں انگریزی زبان میں سکھاتا ہے اور اسی طرح ایک فرانسیسی معلم بھی یہ بات فرانسیسی زبان میں اپنے طلبہ کو بتاتا ہے۔ تو یہ دونوں معلم اپنے شاگردوں کو اپنی اپنی قومی تعلیم دیتے ہیں۔ باوجودیکہ تعلیم کا مضمون واحد ہے پس جو بات دنیا کے اور حصوں کے لئے مفید ہے وہی ہندوستان کے لئے بھی مفید ہے ایک ایسی زبان میں تعلیم جاری رکھنی جو ہمارے ملک سے چھ ہزار میل دور کے ایک ملک کی متوطن ہے اور اس کے ساتھ یہ خواہش بھی رکھنی کہ اس تعلیم کو قومی تعلیم بنایا جائے سخت نادانی ہے خواہ حالات ہم کو انگلستان سے کیسے ہی خلوص اور قریب کے واسطہ سے وابستہ کرتے ہوں لیکن انگلستان کی زبان ہماری مادری زبان بنانا ناممکن ہے۔ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے ہم اپنی جلد کا رنگ بدل ڈالیں۔ جب کہ ہم کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی چھ سو برس کی حکومت میں خاص مسلمانوں کے دارالحکومت میں عوام الناس کی زبان فارسی نہ ہو سکی تو پھر وہ کونسی دلیل ہے جس سے ہم باور کرلیں کہ اتنی ہی صدیوں کی انگریزی حکومت میں ایک مشتبہ امر ہے عجیب نتیجہ پیدا ہو جائے گا کہ ہندوستان کے باشندے اپنے بزرگوں سے میراث میں ملی ہوئی زبانوں کو ترک کرکے ہندوستان کے موجودہ اتفاقی حکمرانوں کی زبان قبول کرلیں گے۔ میں آپ سے صاف صاف پوچھتا ہوں کہ ان دو زبانوں یعنی ہندوستانی زبان اور انگریزی زبان میں کونسی زبان ہمارے لئے زیادہ مستقل اور دوامی ہے۔ میرے سوال کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ہندوستان کے لئے ہندوستان ہی کی زبانوں کو زیادہ مستقل اور دوامی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر عقل سلیم اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ جو دل سے متمنی ہیں کہ تمدن اور علم کی دنیا میں اپنے ملک کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ اور منزلت پر دیکھیں تا حد امکان اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے طریقہ تعلیم کو اُسی بنیاد پر قائم کریں جس میں دوامی استحکام کا وصف پایا جاتا ہو۔

حال کا ذکر ہے کہ ایک جلسے میں شرکت کے موقع پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں چونکہ تمام مضامین۔۔۔۔ اردو زبان میں پڑھائے جاتے ہیں اس لئے سمجھنا چاہئے کہ یہ کام محض ایک آزمائش کے طور پر ہے۔ یہ سنکر میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ جب خدا نے آپ کو ایک بچہ دیا تھا اور اُس بچہ نے ماں کی چھاتی کی طرف منہ بڑھایا تو کیا آپ نے بچہ کی اس حرکت کو محض ایک آزمائشی فعل سمجھا تھا۔ حاضرین یہ قصہ میں نے آپ سے اس لئے عرض کیا کہ اس سے وہ مغالطہ جس میں اکثر لوگ اب تک مبتلا ہیں بخوبی واضح ہو جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنا ایک آزمائشی کام ہے۔ ہندوستان کی زبانوں کو تعلیم کی غرض سے استعمال کرنا آزمائشی فعل نہیں ہے۔

اب تک ہم نے انگریزی زبان کو اپنے بچوں کی دودھ پلائی بنا رکھا تھا اس غلط یقین کی بنا پر کہ ہماری مادری زبانیں یعنی ہندوستان کی مختلف بانات دیسی زبانیں ایسی بیمار اور حقیر ہیں کہ ہمارے بچے ان کے دودھ پر کافی طور سے پرورش نہیں پا سکتے مگر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اب وقت پر بیدار ہونے شروع ہو گئے اور ہمارے ملک کے بہترین دانشور اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ اگر ہمیں اپنے بچوں کا تندرستی کے ساتھ علمی و اخلاقی نشو و نما پانا منظور خاطر ہے تو اس غیر ملک کی انا کے دودھ کو اپنے بچوں کے لئے تنہا مایہ پرورش سمجھکر جاری رکھنا درست نہیں ہے۔

نصاب تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بابتہ سنہ ۱۹۲۸-۲۹ء

(بسلسلۂ گزشتہ)

ثانوی چہارم و پنجم

لازمی مضامین

۱۔ اسلامیات۔ (الف) پارہ عم نصف اوّل انفال و توبہ، سورۂ یوسف اور سورۂ حجرات کا ترجمہ۔

(ب) بلوغ المرام۔

(ج) قراۃ الرشیدہ جزو رابع۔

(د) ازہار العرب (مؤلفہ مولانا سورتی)

(ہ) ترجمہ اردو سے عربی اور عربی سے اردو۔

(و) قواعد صرف و نحو (استاد مبادی العربیہ جزو سوم کو مد نظر رکھے)

۲۔ اردو (الف) آب حیات

(ب) مصباح القواعد

(ج) انشا

(د) نصاب فارسی مرتبہ پنجاب یونیورسٹی برائے میٹرکیولیشن

ذاتی مطالعہ کے لئے۔ (۱) انشائے رازؔ (مرزا رسوا) (۲) توبۃ النصوح۔ (۳) موازنۂ انیس و دبیر (۴) مضامین تہذیب الاخلاق (سر سید) (۵) بانگ درا (اقبال) (۶) مسدس حالی (نوٹ) ذاتی مطالعہ کے لئے جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن سے متعلق بھی چند سوالات انشا کے پرچہ میں کئے جائیں گے۔

۳۔ انگریزی۔ (الف) 1. Washington Irving:- The sketch Book

2. Carlyle:- Hero as man of Letters, Hero as King.

3. Goldsmith:- The Vicar of Wakefield.

4. Tennysons Poems, selected by Roe & Webb.

5. Shakespear:- As you like it.

(ب) صرف و نحو، ترجمہ انگریزی سے اردو اور تحریر مضامین۔

اختیاری مضامین

۱۔ عربی۔ قرآن مجید جزو ۲۸ و ۲۹۔

مجانی الادب جزو اول تا صفحہ ۸۰۔

قصیدہ بردہ۔

الادب الصغیر لعبد اللہ بن المقفع۔

برائے مطالعہ۔ کلیلہ و دمنہ۔

حجاج بن یوسف (ناول) الجرجی زیدان

صرف و نحو۔ ترجمہ اردو سے عربی اور عربی سے اردو۔

تعلیم انشاء العربی جزو ۲ و ۳ کی ضروری مشقیں۔

۲۔ تاریخ اسلام۔ (۱) عربوں کی تاریخ بعثت نبوی سے زوال سلطنت دولت عثمانیہ تک۔

(۱) سیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) خلافت راشدہ

(۳) دولت امویہ

(۴) دولت عباسیہ

(۵) دولت فاطمیہ

(۶) تاریخ اندلس

(۷) تاریخ شمالی افریقہ

(۸) مشرق اور مغرب کے عرب اور غیر عرب خاندانوں کی اجمالی تاریخ۔

(۲) عربوں کی تمدنی تاریخ اور اسلامی تمدن کا نشو و نما۔

کتب مطالعہ:۔ ۱۔ سیرۃ النبی مولانا شبلی حصہ اول و دوم

۲۔ سلسلۂ تاریخ الامت مولانا اسلم جیراجپوری۔

۳۔ عربوں کا تمدن۔ مترجمہ سید نذیر نیازی۔

4. Ameer Ali:- A short History of the Saracens.

5. Do , Spirit of Islam (منتخب ابواب)

6. Lanepool:- Moors in Spain.

7. Do :- Mohamedan Dynasties.

۳۔ تاریخ ہند:۔ (۱) عہد ہنود۔ عہد اسلامی۔ عہد انگریزی۔

(۲) قدیم ہند و مذہب اور تہذیب و تمدن کی اجمالی تاریخ۔

(۳) ازمنۂ متوسطہ کا ہندی اسلامی تمدن۔

(۴) ہندوستانی قومیت اور سیاست کا نشوونما۔

کتب مطالعہ۔ ۱۔ تاریخ ہند لالہ لاجپت رائے۔

۲۔ تاریخ ہند قدیم۔ پانیکار

۳۔ بدھ مت۔ شیو نراین شمیم۔

۴۔ تاریخ ہند۔ سید ہاشمی فریدآبادی (انٹرمیڈیٹ کے لئے)

۵۔ اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر (مولنا شبلی)

6. V. A. Smith:- Oxford History of India.

7. Rapson:- Ancient India.

8. Lanepool: Medieval India.

9. Ishwari Pd:- Medieval India.

10. Lyall:- British India

11. Fraser: Do Do

12. Roberts. Do Do

نوٹ ۱۔ باقی اختیاری مضامین (جن کا ذکر دستورالعمل میں ہے) کا نصاب تعلیم شیخ الجامعہ صاحب سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ ۲۔ ثانوی پنجم کا امتحان جامعہ (یونیورسٹی) کی طرف سے ہوگا جسے "جامعہ سینیر" کہا جائے گا۔ اس کا معیار دیگر ہندوستانی یونیورسٹیوں کی تعلیم انٹرمیڈیٹ سے قدرے زائد ہوگا۔

ضمیمہ نصاب تعلیم

ہندو طلباء کو بجائے اسلامیات کے ذیل کا نصاب پڑھایا جائے گا۔

منزل ابتدائی

جماعت اول و دوم

धर्म शास्त्र

सनातन धर्म शिक्षा व आर्य धर्म शिक्षा-वली प्रथम भाग, संध्या मे शुद्धि के मंत्र कण्टस्थ कराना व उनके अर्थ बताना।

आसन का अभ्यास और प्रातः काल व सायं काल में संध्या व भजन॥

جماعت سوم

धर्म शास्त्र

आर्य धर्म शिक्षावली द्वितीय भाग आचमन मंत्र। अर्थ सहित संध्या भजन आसन आदि॥

جماعت چہارم

धर्म शास्त्र

आर्य धर्म शिक्षावली ब्रह्म यज्ञ का सिद्धान्त संध्या के शेष मंत्र। संध्या भजन आसन आदि॥

संस्कृत

संस्कृत पाठय पुस्तक पहला भाग (इलाहाबाद यूनीवर्सिटी सिलैक्शन)

جماعت پنجم

धर्म शास्त्र

बाल मनुस्मृति। देव यज्ञ व पितृ यज्ञ के सिद्धान्त। संध्या। भजन। आसन आदि॥

संस्कृत

संस्कृत पाठय पुस्तक द्वितीय भाग॥ (इलाहाबाद यूनीवर्स्टी सिलैक्शन)

جماعت ششم

धर्म शास्त्र

बाल महाभारत । चरित्र गठन व मनोबल भूत यज्ञ व मनुष्य यज्ञ के सिद्धान्त संध्या भजन व आसन आदि ॥

संस्कृत

संस्कृत प्रवेशका (हिन्दी पुस्तक एजेन्सी कलकत्ता)

संस्कृत की प्रथम पुस्तक

(आर० जी० भंडारकर)

منزل ثانوی

ثانوی اول

धर्म शास्त्र

अयोध्या काण्ड (तुलसीकृत रामायण)

सामान्य कर्तव्य । भजन व आसन और नियम व्याख्या सहित ॥

संस्कृत

संस्कृत शिक्षा द्वितीय भाग (ईश्वरचंद्र विद्या सागर)

संस्कृत की पहिली पुस्तक

(आर० जी० भंडारकर)

ثانوی دوم

धर्म शास्त्र

गीता के शेष १० अध्याय । भारत भारती संध्या भजन आसन आदि ध्यान का सिखाना योगशास्त्रानुसार ॥

संस्कृत

संस्कृत प्रवेशका पहिला भाग

(कलकत्ता यूनीवर्सिटी सिलैक्शन)

संस्कृत की दूसरी पुस्तक

(आर० जी० भंडारकर)

ثانوی سوم

धर्म शास्त्र

गीता के शेष अध्याय ।

रमेश चन्द्र दत का "सभ्यता का प्राचीन इतिहास" २ भाग ।

सत्यार्थ प्रकाश पूर्विंधी ॥

संस्कृत

प्रवेशका पहिला और दूसरा भाग ।

(कलकत्ता यूनीवर्सिटी सिलैकशन)

संस्कृत की पहिली और दूसरी पुस्तक

(आर० जी० भंडारकर)

ثانوی چہارم

धर्म शास्त्र

गीता के शेष ६ अध्याय

रमचन्द्र दत का "सभ्यता का प्राचीन इतिहास" २ भाग ॥

सत्यार्थ प्रकाश ॥

संस्कृत

प्रवेशका का पहिला और दूसरा भाग ।

संस्कृत की पहिली और दूसरी पुस्तक

(आर० जी० भंडारकर)

ثانوی پنجم

धर्म शास्त्र

प्रवेशिका

तुलसीदासकृत रामायण (रामेश्वर भट्ट टीका)

बालकांड (दोहा :- "तुम माया भगवान शिव" तक)

An advanced Text Book of Hinduism

(Issued by Central Hindu College Benares)

संस्कृत

हितोपदेश समस्त

शकुन्तला नाटक समस्त

(२) अनुवाद

درجہ ہائے ابتدائی (پرائمری) اور سند معمولی وسند امتیازی کے نصاب علیحدہ درخواست کرنے پر دفتر شیخ الجامعہ صاحب سے مل سکتے ہیں۔

مکتوب امریکہ

جزیرہ ٹرینیڈاڈ کے دلچسپ حالات

(گزشتہ سے پیوستہ)

کا بس ہے۔ چھوٹا نیویارک میں عیاشی کرتا ہے۔ اور ان کے مرنے کا منتظر ہے۔ بڑا لڑکا بہت سمجھدار ہے۔ یورپ امریکہ سب جگہ پھر آیا ہے۔ مگر ان حضرت کو اس کے علاج اور آرام کا کوئی خاص خیال نہیں۔ پورٹ آف اسپین سے چار میل پر آپ کا مکان ہے۔ مگر کار نہیں رکھتے۔ ٹریموے میں سفر کرتے ہیں بڑا لڑکا غنی کا کلاس فیلو ہے۔ ایک دن میں غنی اور افضل گئے۔ بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ آپ نے بڑے زور سے دعوت دی۔ اور وعدہ لیا۔ کہ ضرور آئیں گے۔ مگر مجھے ان کا مکان قبرستان تو خیر کیا بھوت[1] بھٹیاری کا محل معلوم ہوتا ہے۔ چھت میں جالے۔ پرانے دقیانوسی دروازے۔ رہاں یاد آیا۔ سارے مکان میں عورت کوئی نہیں۔ بیوی فوت ہو چکی ہیں۔ لوگ ان کے بخل کے شاکی تھے۔ انھوں نے کفارہ میں حج کا تہیہ کیا۔ مد قوق لڑکے کو ساتھ لیا۔ یہاں سے مکہ مدینہ کا سفر۔ اللہ تیری پناہ۔ اور گرمی۔ سمندر خراب۔ جب واپس آئے۔ تو پہچان نہیں پڑتے تھے۔ رنگ اور بھی شوخ ہو گیا تھا۔ اور حضرت یوں معلوم ہوتے تھے۔ جیسے سیلاب کے دنوں میں جوہڑ کے کنارے چلتے ہیں۔ رنگت تو میں نے بھی دسمبر میں دیکھی تھی۔ ابھی تک تیزی کم نہیں ہوئی تھی مگر دوسری تشبیہ افضل کی ہے۔

مکانات کی وضع قطع غنی کے والد مسٹر عبد الغنی کے اصرار سے سینٹ جیمز میں جو پورٹ آف اسپین کے ساتھ ٹریموے کے ذریعہ ملحق ہے۔ ایک مسجد بنوائی ہے۔ مسجد کا ( ) ایک انگریز انجینیر سے تیار کروایا گیا (نقشہ)

---

[1] "بھوت بھٹیاری" ایک پرانی ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے جو قدیم باغ کے قریب پہاڑی پر واقع ہے۔ اس کی اصلیت لوگ یہ بتاتے ہیں کہ کسی زمانہ میں یہ علی بختیاری کا محل تھا۔ اب بگڑ کر بھوت بھٹیاری کہلاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

جدت ملاحظہ ہو! - اس نے ڈھانچہ اور نمونہ سینٹ پال گرجا ( ) کا رکھا ہے - ایک گنبد ہے ماڈرن وضع میں
سی بناوٹ کا - چاروں کونوں پر چھوٹی چھوٹی تین تین فٹ کی برجیاں مفقود - کل عمارت ایک مربع شکل کی - بنانے والے کے متعلق اصرار تھا - کہ کوئی ہندوستانی کاریگر ہو - وہ کون رام پرشاد - اب اس کے باوا جان نے کبھی مسجد بنوائی ہو - تو اسے معلوم ہو - اچھی خاصی فرخ ہے - اور تعجب ہے کہ انھوں نے اس نخیل کو خوب نوٹا ہے - رسم افتتاح کی دعوت میرے پاس بھی آئی تھی - مگر اس روز بارش اتنی تھی - کہ ہم لوگ نہ جا سکے -

سان فرانسڈو میں دو مسجدیں ہیں اور دونوں احتجاج مجسم ہیں - منیار نصف میں چھوڑ دیے گئے ہیں - جنی کا خیال ہے - کہ یہاں کا طرز تعمیر ہے - منیار کبھی اونچے نہیں بنائے جاتے - اور اگر منیار بڑے میار کی رکھی جائے - تو ختم نہیں کیے جاتے - ادھ منیار - بغیر گولائی کے - لوہے کی لمبی لمبی سلاخیں نکلی ہوئی - اس میں حسن زیادہ ہوتا ہے -

اچھا تو دو مسجدوں میں ایک مسجد آزاد خیالوں کی، اور ایک قدامت پسندوں کی - مجھے تو پہلے مقلد غیر مقلد کا شبہ ہوا تھا - مگر شکر ہے - وہ نہیں ہے -

مسجدیں اور باہر کے قصبوں میں بھی ہیں - ایک بہت بڑی مسجد [illegible]) میں ہے - یہاں عبدالعزیز میاں ایک بہت روشن خیال مسلمان رہتے تھے - انھی کی ہمت ہے - وہ پچھلے سال فوت ہو گئے - یہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ باخبر اور مذہب کا صحیح مفہوم وہ سمجھتے تھے - ان کے ہاں سے مجھے دعوت آئی تھی - ان کے داماد ہی داماد ہیں - ایک داماد صاحب نے موٹر بھجوائی تھی - وہاں کوئی جلسہ بھی تھا - مجھ سے تقریر کی فرمایش ہوئی - مگر میں نے ٹال دیا - اور کہا کہ طالب علم ہوں - مبادا الجھ کہ بیٹھوں اور میری تعلیم میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو - اس سے قبل ایک طالب علم ([illegible]) بمبئی کے آئے تھے - انھوں نے تقریر تو نہیں کی - مگر ارادہ ظاہر کیا - اور چند کلمات غیر محتاط طور پر ان کی زبان سے نکل گئے - دوسرے روز آپ کو لندن کا سکنڈ کلاس کا کرایہ دیدیا گیا -

معاشرتی حالات جب سے آیا ہوں - دو جنازوں اور تین شادیوں میں شریک ہوا ہوں - جنازے کی بدنو ہی نرالی نظر آئی تو - اس میں کوئی جدت نہیں ہوئی - شادیوں کے متعلق تفصیل سے لکھتا ہوں - سب سے پہلے جس شادی میں شریک ہوا - وہ غنی کی بہن کی لڑکی کی تھی - مہمان ۱۰ بجے بلائے گئے تھے - یعنی ناشتہ کرنے کے فوراً بعد - میں، غنی اور افضل پہنچے - اور لوگ بھی کافی آئے ہوئے تھے - متعارف ہوئے - ہمارے ہندوستانی ہونے پر فخر اور اس سرزمین کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف کرنے پر شکریہ - مگر مطلب کی بات غائب - کھانے کے کوئی آثار ہی نظر نہیں آئے - ایک بجگیا - خدا خدا کرکے ۲ بجے - اور ایک صاحب نے اطلاع دی - کہ بس آ رہی رہا ہے - کوئی پانچ منٹ کی دیر ہے - اس دوران میں ایک صاحب زنانے سے برآمد ہوئے اور کہنے لگے کیوں صاحب، کیا خیال ہے - نکاح خوانی کھانے کے بعد ہو یا پہلے - یہ - ان حضرت سے کوئی پوچھے - یہ بیچ سے کیا نکاح کھانے کے وقت پر ہی اٹھا رکھا گیا تھا - مولوی صاحب (جو گجراتی ہیں) نے جرأت سے کام لیا - (غالباً ان کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی) - اور کہا - صاحب "اب کھانا تیار ہے - نکاح بعد میں ہوتے رہیں گے" بہت سے لوگوں نے مولوی صاحب کو بڑے شکریہ کی نظر سے دیکھا - اب کھانا کھانے کی تیاریاں شروع ہوئیں - مولوی صاحب نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا، کھکھار کے - پان کا بقیہ حصہ کھڑکی سے باہر پھینکا - مگر . . . . لاحول ولا قوۃ - معلوم ہوا - ابھی میزیں ٹھیک ہوئی ہیں - دسترخوان بچھے گا - کھانا لگے گا - مگر تیار ہے - بالکل نکل چکا ہے - "مولوی صاحب نے نہایت مایوسانہ انداز میں کہا" تو نکاح ہی پڑھ لیا جاتا" "نہیں صاحب - اب بعد میں سہی" "کوئی آدھ گھنٹہ کی دیر ہوگی؟" "جی ہاں کچھ یوں ہی سی" "تو بس اتنی دیر میں نکاح ہو جائے گا - مجھے پانچ بجے کی گاڑی سے جانا ہے؛"

نکاح کی تیاری ہوئی - زنانے میں خاص مہمانوں کو بلایا گیا - سامنے پلنگ پر دولہا میاں کمبل اوڑھے پڑے ہیں - نہایت بے ساختہ پن سے کانپ رہے ہیں - اور دو آدمی دبائے ہوئے ہیں - یا اللہ - تیرا فضل - معلوم ہوتا ہے اس بیچارے کو ڈر سے بخار آگیا - مولوی صاحب کرسی کھسکا کر قریب ہو بیٹھے - اور نکاح شروع ہوا - اب مولوی صاحب نے کس نئے طریقہ سے نکاح پڑھایا - تفصیل طلب ہے - اور تم پریشان ہو گے - اخیر میں خطبہ ان کا تھا - وہ بہت مختصر - چار سطریں ایک پرانی کتاب سے پڑھیں - دعا مانگی - اور ختم کیا - مگر دولہا والوں میں ایک صاحب عزیز میاں ہیں - وہ اس سے پہلے بھی بہت سی نکاح کی رسمیں بھگت چکے ہیں - ان کو یہ نکاح کچا نظر آیا - اور انھوں نے فرمایا - کہ مولوی صاحب نکاح درست نہیں ہے - میں نے عمر بھر میں اتنا کچا

خطبہ کبھی سنا ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ نکاح کا خطبہ تو اتنا ہی بڑا ہوتا ہے۔ مگر اگر آپ کہیں۔ تو میں لمبا کردوں۔

ہم لوگوں سے مشورہ پوچھا گیا۔ اور نکاح کو کافی سمجھ کر ختم کردیا گیا۔

اب خرمستیاں شروع ہوئے۔ پردہ مسلمانوں میں نہیں ہے۔ بس آپ کے قیاس پر چھوڑتا ہوں۔ کھانے کی تفصیل۔ گانا۔ بجانا۔ یہ سب چھوڑتا ہوں

دوسری شادی مسٹرلکی (Mr. Lucky) کی لڑکی کی تھی۔ انکا اصل نام لکھی یا لکھو ہوگا۔ عیسائی ہوگئے ہیں۔ بہت بڑی جائداد ہے۔ اور شادی بہت اچھے پیمانے پر کی۔ دعوتی رقعے بھیجے۔ مگر یہ سے خود تشریف لائے۔ اور ادھر ادھر سے ملایا ہندوستان کی پیدائش ہے۔ اور اس سے بہت محبت ہے۔ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اپنا موٹر بھجوایا۔ تقریب کے بعد کلیسا سے روانگی کے وقت کوئی پچاس ساٹھ موٹریں نہایت عمدہ قسم کی تھیں کھانا انگریزی اور ہندوستانی ملا جلا۔ اور بہت عمدہ۔ دلہن آدھی انگریزی آدھی ہندی۔ دولہا چھوٹے نائیر[1] کی طرح تھے۔ خوشی سے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ بیگم صاحبہ کا رنگ وہی تھا۔ بال کٹے ہوئے مگر ناک نقشہ اچھا تھا۔

تیسری شادی شاہ محمد خاں خسرو کے لڑکے کی تھی۔ ان کا نام حاکم خاں ہے۔ بہت موٹا تازہ اور لڑائی جھگڑے پر آمادہ۔ چار پانچ بڑی بڑی موٹریں (Buses) ہیں۔ کچھ زمین ہے۔ مکان ہیں۔ یہ پورٹ آف اسپین سے چار میل پر رہتے ہیں۔ ہم لوگوں کو شادی سے ایک دن قبل خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ افضل اور غنی قریب ہی تھے۔ میں۔ اور امجد۔ یوسف اور محسن یہاں سے گئے تھے۔ خوب دلچسپی رہی۔ بہت سے بکرے ذبح کئے تھے۔ کھانے کا کوئی وقت متعین نہیں جب جی چاہتا تھا۔ لوگ آتے تھے اور کھاتے تھے۔ اس میں دو درجے تھے۔ (۱) معزز مہمان اور (۲) عوام۔

سارے جزیرے کے ہندوستانی گوئیے بلائے گئے تھے۔ موسیقی۔ اول تو وہ ٹھمری ہمارے یہاں کی۔ اور پھر وہ یہاں پہنچکر۔ لاحول ولاقوۃ۔ گاتے ہیں اردو کی غزلیں۔ تلفظ گندہ۔ مذاق بدمذاق۔ خود ایک لفظ نہیں سمجھتے۔ خسرو صاحب کا اصرار تھا۔ کہ ہم لوگ قریب بیٹھیں اور توجہ سے سنیں۔ تھوڑی دیر ہم نے یہ عذاب برداشت کیا۔ اور عذر کرکے خوابگاہ پر چلے گئے۔ دوسرے دن بارات میں شامل ہوئے۔ اتنی ہماہمی، شوروغل، بس بس۔ نہ تفصیل نہ اختصار اور کون سی بات رہ گئی ہے۔

ہاں۔ مکان سب لکڑی کے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ موسم ہمیشہ معتدل رہتا ہے۔ اس لئے بہت آرام دہ ہیں۔ وضع بیشتر انگریزی۔

بود وباش اور طرز رہائش سب انگریزی ہوگیا ہے۔ ہندوستان کی چارپائی کہیں نظر نہیں آتی۔ انگریزی وضع کے لوہے یا لکڑی کے پلنگ۔ سارا سال مچھردانی لگا کر سونا پڑتا ہے۔

ایک دن میں اور محسن ٹہلتے ہوئے مچھلی کے بازار میں جانکلے۔ بہت قسم کی مچھلیاں تھیں۔ چھوٹی شارک (Shark) بھی تھی۔ حبشی اس کو رغبت سے کھاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ معلوم نہیں۔ کیسا ذائقہ ہوتا ہے۔ مگر جی چاہتا ہے۔ ایک دفعہ کھا دیکھوں۔ یہ بات آئی گئی ہوگئی۔ محسن نے خاموشی سے نوکر کے ہاتھ گھر بھجوادی۔ شام کو کھانے میں موجود۔

جی نہیں چاہتا تھا۔ مگر چونکہ ہماری فرمائش کی تعمیل کی گئی تھی۔ کھانا پڑی۔ ذائقہ میں کوئی خاص بات نہیں۔ حبشی کہتے ہیں۔ قوت کے لئے بہت اچھی ہے۔

کھانے کی شارک بڑی نہیں ہوتی چھوٹے بچے پکڑتے ہیں۔ ہمارا ارادہ شکار کے لئے جانے کا ہوا تھا۔ مگر روز مقررہ پر سمندر بہت خراب تھا۔ ملتوی ہوگیا۔ اس کے بعد موقع نہیں ملا۔

لکھنے میں میں نے کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ جو ذہن میں آتا گیا۔ لکھتا گیا۔ اگرچہ بہت کچھ اور لکھا جاسکتا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ پہلی قسط کے خیال سے کافی ہے۔

---

[1] یہ جامعہ میں ایک مدراسی طالب علم تھے جن کا رنگ سیاہ اور قد بہت پست تھا۔ دو سال ہوئے جامعہ ہی میں انتقال کرگئے۔ (ایڈیٹر)

معذرت

چند غیرمعمولی وجوہ کی بنا پر رسالہ کی اس اشاعت میں چند روز کی دیر ہوئی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام ازراہ کرم فرمائی معاف کرینگے

منیجر

رفتار تعلیم

مدراس میں ایک اور یونیورسٹی

مزید عطیات

سر اے ایل مدلیار کے ۲۰ لاکھ کے عطیہ کی اطلاع اخبارات میں آچکی ہے جسے حکومت مدراس نے قبول کرلیا ہے۔ بعد کی خبر ہے کہ یہ بیس لاکھ نقد کا عطیہ ۲۵ لاکھ تک پہنچ گیا ہے۔ اناکمنڈ میں ایک دعوت کے دوران میں سرکاری اور غیر سرکاری حاضرین نے سر مدلیار کی درازی عمر اور خوشحالی اور یونیورسٹی کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ مجوزہ یونیورسٹی چدمبارم میں میناکشی کے نام سے موسوم ہوگی۔ کونسل صوبہ کے آئندہ اجلاس میں نئی یونیورسٹی مذکور کے لئے مسودۂ قانون پیش ہوگا۔ سر اے ایل مدلیار کے نئے یونیورسٹی سے دوسرے کالجوں کے الحاق کی غرض سے مزید عطیات دینے کا وعدہ کیا ہے۔ حکومت مدراس کی طرف سے بیس لاکھ نقد مستقل سرمایہ کے لئے، ساٹھ لاکھ تعمیرات کے لئے اور ڈیڑھ لاکھ سالانہ اخراجات کے لئے مستقل امداد دی گئی ہے۔

مذہبی تعلیم کا اجراء

بمبئی یونیورسٹی کا فیصلہ

بمبئی یونیورسٹی کے سینٹ کے جلسہ میں اس مضمون کی ایک قرارداد پیش ہوئی کہ تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر ہوا ہے جو اس امر پر غور کرکے اپنی سفارش پیش کرے گی کہ سرکاری اور نیم سرکاری تعلیمگاہوں کے نصاب میں مذہبی تعلیم کا اجراء کہاں تک ممکن ہے۔ اس کے علاوہ جلسہ میں ایک اور قرارداد بھی منظور ہوئی جس کی رو سے یونیورسٹی کی طرف سے ایک دائرۃ الاشاعت قائم ہوگا جس میں یونیورسٹی کا ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہوا کرے گا۔ نیز پوسٹ گریجویٹ طلبا کی تحقیقات، درسی کتابیں اور لکچر بھی چھپا کرینگے۔ اس شعبہ کے لئے دس ہزار روپئے سالانہ کی امداد منظور کیگئی ہے۔

طلبہ اور سیاسیات

پنجاب کے سرکاری کالجوں کا فیصلہ

"ٹریبون' لاہور رقمطراز ہے کہ پنجاب کے سرکاری کالجوں میں داخل ہونے والے طلبہ سے ایک معاہدہ پر دستخط لئے جائیں گے کہ جب تک وہ کالج میں زیر تعلیم رہیں سیاسیات میں حصہ نہ لیں۔

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس

میسور یونیورسٹی کا عطیہ

میسور یونیورسٹی نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے لئے جس کا اجلاس ۱۹ر نومبر ۳۳ء سے ۲۲ر نومبر ۳۳ء تک لاہور میں منعقد ہوگا پانچسو روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔

ایک ہندو خاتون کی ہمت مردانہ

کنیا مہاودیالہ جالندھر کے لئے ایک لاکھ روپیہ جمع کرنیکا تہیہ

ایک باہمت خاتون وشنو دیوی نے کنیا مہاودیالہ جالندھر کی مالی ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے اس بات کا تہیہ کرلیا ہے کہ وہ اس آشرم کے لئے ایک لاکھ روپیہ جمع کرینگی۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے ایک وفد تیار کیا ہے جو فراہمی چندہ کی کوشش کرے گا۔

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے قواعد وضوابط

مسٹر ولنز کی رپورٹ

مسٹر ولنز جنہیں علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے عارضی قواعد وضوابط تیار کرنیکے لئے لارڈ ریڈنگ وائسرائے نے علیگڈھ بھیجا تھا یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو اپنی رپورٹ پیش کرکے علیگڈھ سے واپس چلے گئے ہیں۔ مسٹر ولنز کی پیش کردہ اسکیم کے مطابق آیندہ سے انٹرمیڈیٹ کالج اور ہائی اسکول کے امتحانات مسلم یونیورسٹی کے زیر انتظام نہ ہونگے بلکہ ان کا انتظام الہ آباد کی ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ بورڈ کے ماتحت ہوگا۔

ترکی طالبات کی اوڑھنی

انقرہ سے استنبول کے اخبار "وقت" کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ وزیر تعلیم اس وقت ایک جدید مسودۂ قانون پر غور کر رہے ہیں جسکی رو سے اعلیٰ اور ثانوی تعلیم حاصل کرنیوالی لڑکیوں کو ایک ایسا یونیفارم پہننا ہوگا جس میں سر پر ایک ریشمی ٹوپی ہوگی جو تمام سر کو چھپائے ہوگی اور جس کا پچھلا حصہ چادر کی شکل میں کمر کے نیچے تک لٹکتا ہوگا۔

بچوں کے صفحے

۱۸۱۲۹

پڑھائی میں باقاعدگی

حمید اور وحید دونوں ایک جگہ کے رہنے والے اور کچھ دور کے عزیز تھے اور کوئی دو مہینے سے میرے کمرے میں آگئے تھے۔ امتحان سے پہلے حمید سارے دن اور ساری رات پڑھا کرتا تھا لیکن وحید چار گھنٹے سے زیادہ کبھی نہ پڑھتا تھا اور جب امتحان شروع ہوگیا تو حمید نے پڑھائی اور زیادہ کردی لیکن وحید نے اب پڑھنا بالکل بند کردیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ حمید وحید سے اچھے نمبروں پر پاس ہوگا۔

امتحان ختم ہوگیا۔ جن لڑکوں نے اچھے پرچے کئے تھے وہ خوش اور جنہوں نے برے کئے تھے وہ رنجیدہ ہوکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ زمانہ بھی خوب تھا ایک دوسرے کے پتے لکھے جارہے تھے، خط لکھنے کے وعدے لئے جارہے تھے، دوست آپس میں گلے ملتے اور باچشم نم ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے۔ چند ہی دن میں پورا بورڈنگ ہاؤس خالی ہوگیا صرف نویں درجے اور فرسٹ ایر کے لڑکے رہ گئے۔ سب سے آخر میں حمید اور وحید رخصت ہوئے۔ میں اُن کو ریل پر سوار کرانے گیا واپسی پر اس زور کی آندھی آئی کہ بڑے بڑے درخت جو ۲۰ آدمی سے بھی ٹس سے مس نہ ہو سکتے تھے، خوب جھوم رہے تھے۔ بڑی مشکل سے میں کمرے پر پہنچا۔ دل تو مجھکو حمید اور وحید کے جانے کا رنج تھا دوسرے یہاں آکر دیکھا تو کمرے کی ہر ایک چیز پر گرد کی تہ جمی ہوئی ہے جس سے طبیعت بہت مکدر ہوئی۔ میں نے نوکر کو آواز دی اور اس سے کہا کہ کمرے کی سب چیزیں نکالکر صاف کردے اور دری اٹھاکر جھاڑ دیدے اور خود میں ایک کرسی نکالکر باہر بیٹھ گیا۔

ابھی مجھکو بیٹھے ہوئے ۱۰ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ نوکر نے دو سرخ رنگ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں لاکر دیں جو اس نے دری کے نیچے پائی تھیں۔ میں نے انہیں کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ حمید اور وحید کی ڈائریاں ہیں۔ میں نے انکو پڑھنا شروع کیا اور مجھکو ان میں اتنی دلچسپی ہوئی کہ جب تک دونوں کو ختم نہ کرلیا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھکو معلوم ہوا کہ باوجود اتنا کم پڑھنے کے وحید کیوں حمید سے زیادہ ہوشیار تھا۔

میں نے ان ڈائریوں کو کئی بار پڑھا اور اس کے بعد ان کی مدد سے ان دونوں کے اس سیشن کے حالات لکھے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

اکتوبر

حمید	وحید
حمید صاحب ۱۲ اکتوبر کو کالج پہنچے۔ ابھی پڑھائی کا تو کیا ذکر آپنے کتابیں بھی نہ خریدیں کیونکہ شروع سال تھا یہ مہینہ انہوں نے اپنے دوستوں سے چھٹیوں کے حالات پوچھنے اور گپ شپ میں کاٹا۔ کالج کے گھنٹے بھی اکثر ہضم کرجایا کرتے تھے۔	وحید صاحب ۳۰ ستمبر ہی کو کالج پہنچ گئے اور سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ شہر جاکر اپنی تمام کتابیں خرید لائے اور باقاعدہ کالج جانا شروع کردیا اور اپنے کورس کے متعلق کتابیں لائبریری سے لیکر پڑھنا شروع کردیں۔

نومبر

حمید	وحید
حمید صاحب کو اب اپنی کتابوں کا خیال آیا لیکن جو روپیہ انکے والد نے کتابیں خریدنے کے لئے دیا تھا وہ سب دوسرے کاموں میں خرچ ہوچکا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ امتحان میں تو ابھی پانچ مہینے باقی ہیں۔ اس خیال سے پڑھائی کی طرف بالکل توجہ نہ کی اور یہ مہینہ بھی یوں ہی ضائع کردیا	وحید صاحب نے پہلی نومبر ہی سے دو گھنٹے راتکو اور ایک گھنٹہ صبح کو پڑھنا شروع کردیا۔ اپنی Non-Detailed کتابوں میں سے ایک ختم کردی۔ کبھی کبھی [illegible] بھی کسی کو دکھا لیتے تھے۔ کھیل سے بھی غافل نہ تھے۔ شام کے دو گھنٹے کھیل میں صرف کرتے تھے۔

دسمبر

حمید	وحید
حمید صاحب نے پچھلے دو مہینے بالکل ضائع کردئے تھے اس لئے آپ ماہانہ امتحان میں فیل ہوگئے۔ جب اُستاد صاحبان نے سرزنش کی تو آپ کو پڑھنے کا خیال آیا لیکن کچھ کتابیں تو آپنے خریدی ہی نہیں تھیں وہ ابتک کھولکر بھی نہیں دیکھی تھیں۔ ایک دن آپکو پڑھنے کا خیال آیا تو آپ نے ایک کتاب کو پڑھنا شروع کیا لیکن وہ آپ کی سمجھ میں نہ آئی اور سمجھ میں تو جب آتی کہ وہ اپنی جماعت میں حاضر ہوتے رہتے۔ آپنے اس دن سے کسی کتاب کو چھونے کی قسم کھائی اور بڑے	وحید صاحب نے دسمبر میں اپنی پڑھائی ۳ گھنٹے سے ۴ گھنٹے کردی۔ علمی مباحثوں میں بھی حصہ لینا شروع کیا اپنی تمام Non-Detailed کتابیں پڑھکر ختم کرڈالیں۔ جو کچھ جماعت میں پڑھایا جاتا یہ کمرے پر آکر فوراً اس کو دہرا لیتے۔ اس طرح ہر مضمون ساتھ یاد ہوجاتا تھا۔ سب استاد ان سے بہت خوش تھے۔ اگرچہ ان کے اس قدر جلد پڑھائی شروع کردینے سے اکثر بیوقوف لڑکے ان کا مذاق اُڑاتے تھے لیکن یہ انکے مذاق کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے اور

حمید

دن کی چھٹیوں میں اپنے گھر چلے گئے اور عقلمندی یہ کی کہ کوئی کتاب ساتھ نہ لے گئے۔

وحید

روزانہ اپنے مقررہ وقت پر پڑھا کرتے۔ جب دسمبر میں گھر گئے تو اپنی کتابیں بھی ساتھ لیتے گئے۔

جنوری

حمید

حمید صاحب ۵ر جنوری کو اپنے گھر سے لوٹے۔ اپنے ساتھ جو روپے لائے تھے ان سے اب کچھ کتابیں خریدیں لیکن بیوقوفی یہ کی کہ ہر کتاب کے ساتھ اس کی شرحیں بھی خریدیں جو انکی حماقت کی انتہا تھی۔ اگرچہ خریدنے کو آپ نے سب کتابیں خریدیں لیکن ان شرحوں کے بل بوتے پر کچھ پڑھا نہیں۔ سوچا کہ اب کیا ہے جب چاہیں گے ان کتابوں کو نوٹوں کی مدد سے یاد کرلیں گے۔

وحید

وحید کالج کھلتے ہی آگئے۔ انہوں نے چھٹیوں میں گھر جاکر بھی پانچ گھنٹے روزانہ پڑھنا نہ چھوڑا۔ یہاں آکر بھی انہوں نے اسی طرح باقاعدہ مطالعہ جاری رکھا۔ کبھی کبھی کسی لائق استاد کے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے لئے ہو آیا کرتے تھے جس سے ان کی قابلیت میں بہت اضافہ ہوا۔ انکو دیکھکر ہوسٹل کے دو تین لڑکوں کو بھی شوق پیدا ہوا جنہیں یہ پڑھا دیا کرتے تھے۔

فروری

حمید

فروری کا مہینہ تو آپ جانتے ہی ہیں کیوں علی گڑھ میں مشہور ہے۔ کیونکہ اس مہینے میں نمائش ہوتی ہے اور کالج کے لڑکوں کو سال بھر میں ان دس دنوں کیلئے تھیٹر سینما وغیرہ سب کچھ دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ حمید صاحب نے جی بھر کر نمائش کی سیر کی۔ رات کو تھیٹر اور سینما دیکھتے صبح کے دس بجے سو کر اٹھتے اور تمام دن ایکٹروں کے کمالات کا تذکرہ کرتے اس مہینے میں آپنے کتابوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھی۔

وحید

نمائش آئی اور چلی گئی لیکن وحید نے اپنا باقاعدہ مطالعہ نہ چھوڑا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ نمائش کبھی نہیں گئے وہ نمائش ہر روز جایا کرتے تھے اور دو ایک عمدہ فلم بھی انہوں نے دیکھے مگر انہیں "ڈرامہ" سے بہت ذوق نہ تھا اور وہ خود بھی نہایت اچھا ایکٹ کرتے تھے لیکن یہ کبھی نیند خراب کرنے والے اور اخلاق بگاڑنے والے تھیٹر میں نہ گئے۔

مارچ

حمید

مارچ کے شروع میں آپ کو کتابوں پر رحم آیا اور آپنے ان کو پڑھنا شروع کیا کیونکہ اب امتحان کے لئے تیاری کی چھٹی ہوگئی تھی اس لئے آپ سارے دن بستر پر اوندھے پڑے کتاب کو اسکے نوٹ کی مدد سے ہضم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ سمجھ میں تو انکی کچھ آتا نہیں تھا البتہ طوطے کی طرح رٹ لیا کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب یہ کہنے میں آئے تھے۔ اس زمانہ میں یہ شب و روز کم سے کم ۱۸ گھنٹے پڑھا بلکہ رٹا کرتے تھے۔

وحید

فروری کے اخیر تک وحید صاحب نے اپنی تمام کتابیں ختم کردی تھیں اسلئے جب مارچ میں امتحان کے لئے چھٹی ہوئی تو انہوں نے پانچ گھنٹے روزانہ کے حساب سے ان کتابوں کو دہرانا شروع کیا۔ انہوں نے کبھی رٹنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہر کتاب کو وہ سمجھ کر پڑھتے تھے اور جو بات انکی سمجھ میں نہ آتی تھی وہ کسی سے پوچھنے میں عار نہ سمجھتے تھے۔ مارچ کے اخیر تک انہوں نے اپنے تمام کورس دہرا لئے اور امتحان کے لئے بالکل تیار ہوگئے۔

اپریل

حمید

اپریل اپنے ساتھ خوشی اور غم لیکر آیا۔ خوشی ان لڑکوں کیلئے جو وحید کیطرح امتحان کے لئے تیار رہتے اور رنج ان کے لئے جو حمید صاحب کیطرح سے تیار نہ تھے اور فیل ہونے کا اندیشہ تھا۔ اب حمید صاحب نے دن رات پڑھنا شروع کردیا اور امتحان کے زمانہ میں اتنا پڑھا کہ لوگوں نے انکا نام "رٹو طوطا" رکھ دیا۔ امتحان کے پرچے غلط کئے اور دیدہ لیسا تھ گھر چلے گئے۔

وحید

انہوں نے اپریل میں دو تین دن تھوڑا تھوڑا پڑھا اس کے بعد دماغ کو آرام دینے کے لئے پڑھنا بالکل ترک کردیا اور کتابیں بند کردیں۔ انہوں نے پرچے سب اچھے کئے لیکن ہر ایک سے اپنی تعریف کرتے نہیں پھرا کرتے تھے۔ امتحان سے فارغ ہوکر اپنے وطن چلے گئے۔

امتحان کا جس دن نتیجہ نکلا ہے میں اسی شام کو ونڈو ریہ گیسٹ گیا۔ نتیجہ سنایا جاچکا تھا اور بورڈ پر لگا دیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وحید نہ صرف فرسٹ ڈویژن میں آئے ہیں بلکہ تمام یونیورسٹی میں اول ہیں اور حمید صاحب تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوئے ہیں۔ میں نے اسی وقت دونوں کو مبارکباد کے تار دئے اور اپنے دل میں عہد کرلیا کہ میں بھی وحید کے نقش قدم پر چلکر اپنی پڑھائی کی طرف باقاعدہ توجہ کروں گا۔ اور میں آپ لوگوں کو بھی صلاح دیتا ہوں کہ آپ بھی حمید کی طرح باقاعدہ پڑھائی نہ کرنیکا نقصان نہ بھگتیں بلکہ وحید کی طرح باقاعدہ مطالعہ کریں تاکہ آپ کا وقت اور روپیہ ضائع نہ ہو۔

(احمد عباس درجہ دہم
انٹرمیڈیٹ کالج۔ علیگڈھ)

چاند کے بچے

گرمیوں کی رات تھی۔ پھولوں نے اپنے منہ چھپائے تھے اور سونے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ چڑیوں نے بھی سروں کو پروں میں ڈھانپ لیا تھا۔ ایک بھیڑ اور اس کا بچہ چراگاہ میں سونے کو لیٹے تھے۔ ماں تو سو گئی تھی لیکن بچہ جاگ رہا تھا۔ اور سوتا بھی کیسے، اوپر سے بڑی سی گول گول چاندنی بی نہایت غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ "اماں، اماں" بھیڑ کا بچہ بولا "وہ دور پیلے پیلے منہ والی کون ہے؟" ماں بولی "بیٹا، چاندنی بی ہے۔ اب سو رہو" لیکن میمنہ کو نیند نہ آئی۔ "اماں، یہ چاندنی بی سوتی کیوں نہیں؟ کیا اسے کوئی دیکھ رہا ہے؟" "ننھے، پیارے، مجھے کیا معلوم۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ رات کا وقت چھوٹے بچوں کے سونے کے لئے ہے" یہ کہکر ماں نے کروٹ لی اور پھر سو گئی۔ لیکن میمنہ نہ سو سکا۔ چاندنی بی کا چہرہ کچھ ایسا اداس اور پیلا تھا اور بیچاری دور بہت ہی اکیلی معلوم ہوتی تھی۔ بچہ پھر ماں کی طرف مڑا: "اماں، پیاری اماں، کیا چاندنی بی کے بچے نہیں ہیں؟ وہ کیوں بیٹے، ایسا کیوں نہیں۔ یہ جو اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اس کے بچے ہی تو ہیں۔ اچھا بیٹا، اب سو رہو" ماں نے پھر کروٹ لی اور سو گئی لیکن میمنہ اب بھی نہ سو سکا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند بی بی اس سے کہہ رہی ہے "چھوٹے میمنے میں اکیلی ہوں، میرے پاس آ جا" اور تارے گویا یہ کہتے تھے "ننھے میمنے، ہم چاندنی بی کے بچے ہیں اور ہم بھی بڑے دکھی اور اداس ہیں" یہ کہکر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں تاکہ آنسو ٹپک پڑیں۔

بھیڑ کا بچہ اٹھا اور اندھیری میں ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ "اچھا" اس نے کہا "اماں تو سو رہی ہے۔ میں ذرا اتنے میں چاندنی بی کے پاس ہو آؤں۔" بیچارے بھولے بھالے میمنہ کو یہ کیا معلوم تھا کہ چاندنی بی تو ہزاروں لاکھوں کوس دور بستی ہیں۔ یہ اٹھکر احاطہ کے دروازہ کی طرف چلا۔ لیکن وہ بند تھا۔ اس نے سوچا کہ باڑہ میں کہیں تو راستہ ہوگا، چلو دیکھیں اور اسی سے نکل چلیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک جگہ ذرا سا راستہ مل ہی گیا اور یہ اس میں سے نکلا۔ لیکن ٹٹی کے کانٹے ایسے تھے کہ سارا منہ لہولہان ہو گیا اور بدن پر ہر جگہ سے اون نچ گیا۔ لیکن نکلنے کی ٹھان چکا تھا نکل ہی گیا۔ اور اب جو چلنا شروع کیا تو وہاں تک چلتا گیا کہ پھر قدم ہی نہ اٹھتے تھے۔ "اب تو معلوم ہوتا ہے کہ چاندنی بی تک کبھی نہ پہونچ پاؤنگا" ننھے میمنہ نے کہا "میرے پاؤں تو ایسے تھکے ہیں کہ اٹھتے ہی نہیں"۔ یہ خیال مشکل ہی سے ختم ہوا تھا کہ یہ سڑک پر گر پڑا اور وہیں سو گیا۔ اور ایسا سویا کہ پھر کچھ خبر نہیں ہوئی۔

آنکھ لگتے ہی اسے ایک عجیب خواب دکھائی دیا۔ پیلے پیلے منہ والی چاندنی بی اپنی جگہ سے اٹھی اور اتر کر اس کے پاس آئی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اس کے بچے ستارے لڑھکتے پڑکتے بھاگتے چلاتے ٹھوکریں کھاتے سیٹیاں بجاتے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ میمنہ سے چاندنی بی نے پوچھا "تم اپنی ماں کو چھوڑ کر یہاں کیسے؟" میمنہ بولا "میں تم سے ملنے آیا تھا۔ تم بہت کچھ اداس دکھائی دیتی تھیں"۔ "اداس!" چاندنی بی نے تعجب سے کہا "اداس! ننھے بچے بھلا مجھے اداسی اور رنج کی کیا ضرورت۔ میں خوش و خرم نہ ہوں تو اسقدر چمکوں کیسے، روشنی کیسے دوں۔ میں تو اللہ میاں کا چراغ ہوں جو رات کو مسافروں کو راستہ دکھاتا ہوں۔ مجھے کام اتنا ہے کہ اداس ہونے کا وقت ہی نہیں"۔ "مگر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمہارے بچے سارے رو رہے تھے"۔ "کیا! میرے پیارے دلارے ستارے اور رونا۔ نہیں۔ انہیں رونے کا موقع کہاں۔ انہیں سونے سے کیا کام۔ ان کے چھوٹے چھوٹے دئے رات کے وقت اکیلے مسافر کو راستہ بتاتے ہیں اور جب بچے سو نہیں سکتے تو ان سے باتیں کرتے ہیں"۔ "مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ رو رہے ہیں"۔ "نہیں نہیں۔ وہ تو بس اپنی آنکھیں ذرا کھولتے موندتے ہوں گے تاکہ پھر زیادہ تیزی سے چمکیں"۔ چاندنی بی تو یہ باتیں کر رہی تھیں اور ان کے بچے ستارے مزے کر رہے تھے۔ یہ جا جا کر پھولوں کو چھیڑتے اور لوٹے ہنستے تھے۔ کبھی گھاس میں جا کر دبک جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کو چاندنی میں ساری گھاس پھولی آتی ہے۔ کبھی پتوں میں چھپکر آنکھ مچولی کھیلتے تھے۔ اتنے میں چاندنی بی کے واپس ہونے کا وقت آ گیا اور اس نے سب بچوں کو پکارا "پیارو۔ چلو۔ چلو بس بہت کھیل چکے۔ بہت دیر ہو گئی" سب ستارے دوڑ دوڑ کر چاندنی بی کے پاس آ گئے اور اس کے ساتھ پھر آسمان کی طرف اڑ گئے۔

صبح ہو گئی تھی۔ گڈریا ہر طرف میمنہ کو ڈھونڈھ آیا تھا۔ اور باڑہ کی ٹٹی کے پاس فکر میں کھڑا تھا کہ ننھا کدھر گیا۔ ایک دفعہ سڑک پر آنکھ پڑی تو دیکھتا کیا ہے کہ میاں میمنہ مزہ سے پڑے سو رہے ہیں۔ "اوہ۔ کمبخت۔ وہاں پہونچا" یہ کہکر گڈریا گیا

اسے گود میں اٹھا لایا۔ مینی کی آنکھ کھل گئی۔ اب نہ چاندی کی تتیں اور نہ انکی بچی مگر خواب دیکھ رہی تھا۔ اس نے اپنی ماں کو سنایا۔ ہم بھی سن رہے تھے۔ ہم نے اسے سنکر تم سب ننھے بچوں کو سنایا۔ خدا حافظ۔

سچّی محبت

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ نہایت نیک نام و ہر دل عزیز۔ ایک دن اسے اپنے بالوں دیکھ کر جو ضعیفی کی وجہ سے سفید ہو چلے تھے، خیال آیا کہ اب میری موت کا زمانہ قریب ہے۔ اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ خدا نے مجھے تین بیٹے دیے ہیں جن میں سے ہر ایک دلاور بادشاہ اور راست باز ہے۔ تاہم ان میں ایسے نقائص بھی ہیں جنھیں کوئی نہیں جانتا۔ بہتر ہے کہ ان کا امتحان لوں۔ اور معلوم کروں کہ میرے بعد کون سب سے اچھی طرح حکومت کر سکے گا۔ پس اس نے غلام کو بھیج کر اپنے تینوں بیٹوں کو حضور میں طلب کیا۔ یہ تینوں شہزادے تندرست اور جوان مرد تھے۔ بادشاہ کا دل انھیں دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ بادشاہ کچھ دیر تک انھیں دیکھتا رہا۔ پھر یوں گویا ہوا "اے میرے عزیز دل اے شہزادگان باتمیز۔ تم جانتے ہو کہ میں چراغ سحری ہو رہا ہوں۔ نہ جانے کب موت کا پیام آ پہونچے لہٰذا میری خواہش ہے کہ تمھاری قابلیت کا امتحان لیکر تم میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کروں۔ اس غرض سے میں سوال کرتا ہوں۔ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔ بتاؤ تم میں سے کس کو میری سب سے زیادہ اور سچّی محبت ہے؟"۔

بڑا لڑکا بولا۔ "قبلہ و کعبہ جو محبت آپ کی میرے دل میں ہے اس کی گہرائی اور وسعت سمندر سے بھی زیادہ ہے۔" منجھلے نے کہا "جہاں پناہ زمین و آسمان کے بسنے والوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو میری محبت کا اندازہ لگا سکے۔" سب سے چھوٹے نے جواب دیا "میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے والد سے اچھی خاصی محبت ہے۔"

بادشاہ نے پیار سے شہزادوں کو رخصت کیا، پھر ان کے جوابوں پر دیر تک غور کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے وزیر کو بلا کر کہا کہ "اے وزیر باتدبیر میری زندگی کا وقت اخیر ہے۔ عزم سفر مکہ رکھتا ہوں کہ فریضہ حج ادا کروں۔ مگر اس مقدس سفر میں تنہا جاؤں گا خدا کی درگاہ میں خدم و حشم کے ساتھ جانا سوء ادبی ہے۔ زندگی نے وفا کی تو لوٹ کر پھر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لوں گا۔ لیکن اگر راستہ ہی میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا تو میری یہ وصیت یاد رکھنا کہ میرے بعد میرے تینوں بیٹے وارث تاج و تخت ہوں" یہ وصیت کر کے بادشاہ نے سفر حج اختیار کیا۔

ایک سال کی مدت گزر گئی۔ بادشاہ کی کوئی خبر نہیں آئی۔ نئے سال کی فصل تیار ہوئی۔ اور کٹ کٹ کر کھلیانوں میں پہنچی۔ خدا نے اس سال ملک پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیے تھے۔ لوگوں کو ہر قسم کی خوشی اور فارغ البالی میسر تھی۔ یکایک ملک میں ہر طرف یہ خبر وحشت اثر مشہور ہوئی کہ بادشاہ نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ اس خبر نے لوگوں کی خوشی کو غم و الم میں تبدیل کر دیا۔ اور انھوں نے اپنے رحم دل، متبرع، اور عادل بادشاہ کا بے انتہا ماتم کیا۔ پھر بادشاہ کی وصیت کے مطابق اس کے تینوں بیٹے وارث تاج و تخت بنائے گئے۔

اس واقعہ کو بھی ایک سال گزر گیا۔ کھیتوں کے اندر پکتے ہوئے ڈنٹھلوں میں آویزاں سنہری بالیاں دوسری فصل کی خبر دینے لگیں۔ لوگ اپنے ہر دل عزیز بادشاہ کی موت کا غم بھول چلے تھے۔ اور پہلے کی طرح اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے تھے کہ ایک دن ایک فقیر سفر کی مصیبتوں سے خستہ حال آہستہ آہستہ شہر پناہ کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچ کر دم لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ دفعتاً اس کی نظر ایک اور شخص پر پڑی۔ اس کا پیراہن چاک چاک تھا۔ وہ کبھی آہ سرد بھرتا کبھی روتا۔ کبھی سینہ پیٹتا۔ اور بار بار کہتا کہ "ہائے مجھی کو اس کی سب سے زیادہ اور سب سے سچّی محبت تھی۔" فقیر نے پوچھا "اے شخص بتا اس گریہ و زاری کا سبب کیا ہے؟ خدا جس نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔ تیرا دکھ بھی دور کرے۔"

وہ شخص ایک لمحہ تک چپ چاپ بیٹھا رہا پھر رو پڑا اور کہنے لگا "میرا نقصان ناقابل تلافی ہے۔ میں شاہ مرحوم کا ماتم کرتا ہوں ہائے دنیا کو پھر ایسا بادشاہ نہیں ملے گا۔ وہ میرا باپ تھا۔ اور میں اس کا سب سے بڑا بیٹا ہوں۔" فقیر نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا "خدا اس محبت کی داد ضرور دے گا۔ تیرے دو سرے بھائی کہاں ہیں؟ کیا وہ بھی اسی طرح ماتم کرتے ہیں؟"

"نہیں" اس آدمی نے جواب دیا۔ "میرے منجھلے بھائی نے دوسرے مشاغل میں مصروف ہو کر اپنے رنج و غم سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ وہ اب ہر وقت سیر و شکار میں مصروف رہتا ہے اور سلطنت کے کاموں کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا۔ اس سے درباری بہت زیادہ ناخوش و رنجیدہ ہیں میرا سب سے چھوٹا بھائی تمام فرائض شاہی کو انجام دے رہا ہے۔ اور جو کام والد مرحوم نے ناتمام چھوڑے ہیں انھیں درجۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہر کہ و مہ کے ساتھ انصاف کرتا ہے اور ملک میں بہت ہر دل عزیز ہے۔"

فقیر نے اس آدمی کو یوں ہی روتا چھوڑ کر دربار شاہی کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر وہ تخت کے قریب گیا اور اپنے فقیرانہ کپڑوں کو اتار کر بہترین لباس میں اہل دربار کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اہل دربار کی حیرت و خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے اپنے اصلی بادشاہ کو اپنے سامنے کھڑا ہوا پایا!

بادشاہ نے پھر سب کی طرف خطاب کر کے کہا "اے اہل دربار میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ مگر آج اپنے تمام اختیارات اور تاج و تخت کا وارث اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو بناتا ہوں"۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے سے کہا "میرے لخت جگر۔ آ میں تجھے سینے سے لگاؤں۔ تجھ ہی کو میری سب سے بڑھ کر اور سب سے سچی محبت تھی کہ تو نے میرے کام سے الفت رکھی"۔

(ماخوذ)

دسواں انعامی معمہ

۱۔ اس معمہ کا جواب ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء تک وصول ہو جانا چاہئے۔

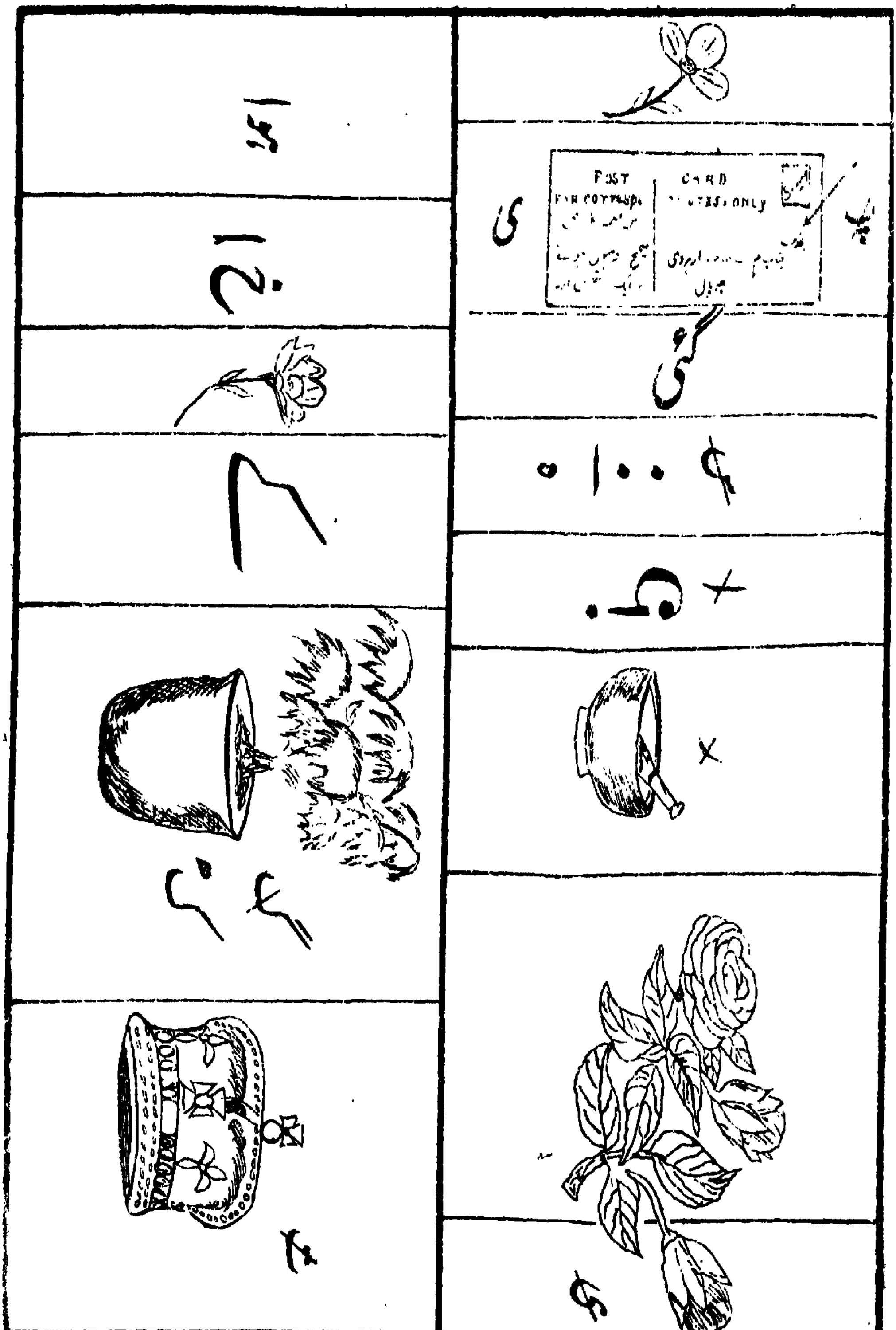
۲۔ جوابات بنام:-

م۔ ب صاحبہ ممتاز مارہروی
اہلیہ محمد فصیح الدین زبیری
معرفت جناب منشی نعمت الٰہی صاحب تحصیلدار
ایچھاور۔ ریاست بھوپال

ارسال کئے جائیں۔

۳۔ دو انعام ایک قیمتی ۴ روپیہ اور دوسرا قیمتی دو ۲ روپیہ دیا جائے گا۔

۴۔ فیصلہ حسب قاعدہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔


POST
CARD
ہوا

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹ — رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا — پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

نرخنامہ چندہ

سالانہ عا

ششماہی ؏

فی پرچہ ۱؎

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ ؎

نصف صفحہ صہ

چوتھائی صفحہ ؎

ایڈیٹر: سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

جلد ۵	۱۲ جولائی سنہ ۱۹۲۸ء	نمبر ۶

شذرات

ہمارا نصب العین

مغربی اور ایشیائی تہذیب میں کس قدر فرق ہے! ایشیائی طرز معاشرت انتہائی کسر نفسی کی تعلیم دیتی ہے اور انسان کو اپنی خوبیوں کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لانے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ اس کا منشا یہ ہے کہ انسان اپنی خوبیوں کے خیال اور تصور سے متکبر اور نمایشی حیثیت اختیار نہ کرے۔ لیکن اس کے برخلاف مغربی تہذیب خود بینی سکھا کر ذرا ذرا سی چیزوں کو بڑی کر کے دکھانے پر مجبور اور ہر جائز و ناجائز طریق سے پروپاغنڈا کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اس کی صدہا مثالیں روزمرہ مختلف اخبارات میں مل سکتی ہیں یا ہر شعبہ میں امیدواروں کی درخواستوں سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اس طرز معاشرت سے عام پبلک اس قدر متاثر نظر آتی ہے کہ نہ صرف کام کرنیوالے اپنی نمود چاہتے ہیں بلکہ کام لینے والے بھی انہی ظاہری باتوں کو سند مانتے ہیں اور اسی نمائش کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اصلی کام کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ ہم مدت سے حیران ہیں کہ جامعہ کے متعلق کس پالیسی کو اختیار کریں۔ ہمارا نصب العین تعلیم کو بڑے پیمانہ پر عوام اور غرباء میں جاری کرنا۔ مغربی علوم کے ساتھ ساتھ اسلامیات کو مسلمانوں کے لئے جزو لاینفک قرار دینا اور صحیح ہندوستانی متحدہ قومیت کا پیدا کرنا ہے۔ اس نصب العین کو رائج کرنے کے لئے اگر خاموشی سے کام کیا جائے جیسا کہ گزشتہ سالوں میں ہمارا شیوہ رہا ہے تو ترقی کی رفتار بہت ہی سست نظر آتی ہے کیونکہ پبلک متوجہ نہیں ہوتی اور اسکو متوجہ کرنے کے ذرائع محدود ہوتے ہیں۔ اور اگر آجکل کا اخباری پروپاغنڈا جاری کیا جائے تو یہ ایشیائی تہذیب کے بالکل منافی اور ہماری غیرت و حمیت کے یقیناً خلاف ہے۔ اور بہت سی طبائع اس نتیجہ پر آسانی سے پہونچ سکتی ہیں کہ "تھوتھا چنا باجے گھنا" اس سے بھی ہمارا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم پبلک کو متوجہ کرنے کیلئے اور اپنے نصب العین کی طرف مائل کرنے کیلئے کونسی راہ اختیار کریں۔ اب تک ہماری کوشش یہی رہی کہ خاموشی سے کام کئے جائیں۔ ہمارا کام خود بخود پایدار اور ثابت ہوگا اور پروپاغنڈا کی جھوٹ اور سچ کی مصیبت کی بجائے برادران ملت و ملک محض ہمارے عملی کاموں کے نتائج سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا خیال غلط نہیں نکلا بلکہ بہترین نتائج مرتب ہوئے اور ہمیں غیر معمولی کامیابی ہوئی لیکن اس کامیابی کی اور عوام کے ہماری طرف متوجہ ہونے کی رفتار اس قدر سست ہے کہ ہم نہایت افسوس اور معذرت کے ساتھ اجازت چاہتے ہیں کہ اپنی داستان غم دوسروں تک پہنچائیں اور آپ سے درخواست کریں کہ آپ نہایت اطمینان سے ہمارے حالات کا مطالعہ کریں اور اگر ان میں کوئی مفید سبق عبرت کا حاصل کرسکیں تو اس سے خود فائدہ اٹھانے یا دوسروں کو پہنچانے کی کوشش کریں۔

ہمارے افکار

ہم نے پچھلے پرچے میں اپنی گوناگوں مصروفیتوں کا ذکر کیا تھا اور صاف صاف لکھدیا تھا کہ جامعہ کو چونکہ کوئی سرسید نصیب نہیں ہوا اس لئے اساتذہ کو ہی سب کچھ کرنا پڑتا ہے، ہماری خواہش یہی رہی ہے کہ اگر قوم جامعہ کے وجود کو غیر ضروری اور غیر مفید سمجھتی ہے تو اسے بند کردے اور اگر اسے کسی مرض کی بھی دوا سمجھتی ہے تو کم از کم ایک سال کے لئے تو اس کے اساتذہ کو بےفکری سے کام کرنے دے اور پھر دیکھیے کہ جامعہ والے جو کہتے ہیں وہ کہاں تک درست ہے۔ اس موقعہ پر ایک واقعہ درج کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔

ایک مرتبہ اخبار ہمدرد نے یہ خبر شائع کردی کہ "جامعہ کے اساتذہ کو چار چار پانچ پانچ ماہ سے تنخواہیں نہیں ملی ہیں ......" اس پر جامعہ کے اساتذہ کو بے حد رنج ہوا اور قبلہ حکیم صاحب مرحوم کو تو انتہائی صدمہ ہوا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ملک و قوم کی حالت اس قدر خراب ہے کہ ان کی ذہنیت پر اس خبر کا الٹا اثر ہوگا اور وہ امداد کرنے کی بجائے یہ سمجھیں گے کہ اب جامعہ ٹوٹ رہی ہے اور والدین اس خبر سے متاثر ہو کر غالباً بچوں کو بلا لینا پسند کریں گے کہ نہ معلوم کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر ہمیں اپنی تنخواہیں نہ ملنے کی تشہیر کرکے عوام کی ہمدردی حاصل کرنی ہوتی تو اس سے بہت پہلے ایسا کر چلے ہوتے لیکن ہم تو توکل علی اللہ پر قائم ہیں اور انشاء اللہ اسی پر قائم رہیں گے۔ سینکڑوں شریف خاندان ایک کمبل میں اور پیوندلگی گدڑی میں گزارہ کرتے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کو پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی لیکن سب اللہ پر خاموشی سے بھروسہ کئے اس کی قدرت کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ ہم اگر کوئی چیز میدان عمل میں لیکر نکلنا چاہتے ہیں تو تمام مصائب و آلام کے خیال کو علیحدہ رکھدینا ضروری ہوگا اور ہر رکاوٹ و ہر بندش کو خندہ پیشانی سے رفع کرنا ہوگا۔ ورنہ پلیٹ فارم پر تقریریں کرنے اور "چوں

سخاوت میرو ند ...." کا مضمون دہرانے کیلئے تو ملک میں ہمارے بھائیوں کی کمی نہیں۔

ہماری جماعت کا ایثار

لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت ایثار کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ہم جو کچھ چاہتے تھے اگر وہ کرکے دکھاتے تو یقیناً کسی تعریف کے مستحق تھے لیکن اب سب ہیچ ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ لوگ ہماری تنخواہوں کے لئے چندہ دیں بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے کتب خانہ کی توسیع کے لئے ہی مدد کریں۔ نقد نہ دیں کتابیں منگوائیں۔ ہمارے غریب نادار بچوں کی امداد کے لئے وظائف مقرر کردیں بعض کی کتابوں وغیرہ کا انتظام کردیں۔ مکتبہ کی کتابیں خریدیں، رسالہ جامعہ، پیام تعلیم کے خریدار بن جائیں۔ اردو اکاڈمی کے ممبر بنجائیں اور جامعہ کی تازہ تصانیف مطالعہ کرتے رہیں۔ مطبع جامعہ میں کام چھپوائیں چھوٹے بچوں کے عجائب خانہ کے لئے اپنے ہاں کی مصنوعات اور خوبصورت اشیاء بطور تحفہ ہی بھیجیں وغیرہ وغیرہ۔ م - ن

نادر موقع

(۱) پیام تعلیم کا ۱ خریدار بنانے کے لئے ایک نہایت خوشنما اور خوشکن ہدیہ:

(۲) " " ۲ " " " " دیوان شیدا یا مطبوعات جامعہ میں سے اس قیمت کی کوئی کتاب:

(۳) " " ۹ " " " " " دیوان غالب یا مطبوعات جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب:

منیجر

بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق ایک جرمن نظریہ

بچہ اپنے نشو و نما کے وقت مختلف دوروں سے گزرتا ہے۔ اُس کی مثال انسان کی سی ہے جو بالکل ابتدائی حالت سے ترقی کرکے اس وقت کمال کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے"۔ یہ نظریہ جرمنی کے ایک پروفیسر زلیر نے پیش کیا ہے۔ آپ جس زمانہ میں لیپیک یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر تھے اُس وقت آپ نے اس مسئلہ پر غور کیا اور محسوس کیا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر اس کا زبردست اور مفید اثر پڑے گا۔

نظریہ جس بنیاد پر قائم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کے نشو و نما کے مختلف دوروں میں اُن کی طبیعت و فطرت کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور اس کو انسانی تاریخ کے مختلف زمانوں سے تطبیق دیا جائے۔ بچہ اپنی ابتدائی زندگی میں کھیل کود اچھل پھاند کی جانب راغب ہوتا ہے، دوسروں کی تقلید کا جذبہ بھی اسی وقت پیدا ہوتا ہے۔ وہ بعض چیزوں پر قبضہ بھی کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اُسے اُن سے انس ہو جاتا ہے اچھے اچھے رنگ اُسے بھلے معلوم ہوتے ہیں، وہ بڑی اور سخت آوازوں سے گھبرا جاتا ہے بادل کی گرج، بجلی کی کڑک اور چمک سے اس کے دل میں دہشت پیدا ہو جاتی ہے خیالی کہانیوں اور جھوٹے سچے قصوں کی صداقت پر اُسے اعتقاد ہو جاتا ہے۔ اُس کا وہم اور تخیل مکان کے ہر گوشہ میں اس کے سامنے رحمت کے فرشتے یا شیطان کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ پھر ایک زمانہ ایا آتا ہے کہ سیر و شکار، نیزہ بازی اور دوڑ دھوپ کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اپنے ہی بھائیوں اور ہمجنسوں سے جنگ و جدل کی ٹھہراتا ہے، رحم و انسانیت کا مفہوم تک سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ضعیف الاحساس، ارادہ کا کمزور، خواہشات کا غلام، جس طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے اُس طرف جھک پڑتا ہے۔ شدید الغضب، ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا ہے۔ وحشی اور غیر متمدن انسان کی طرح بات بات پر آمادہ فساد رہتا ہے۔ پھر ذرا کچھ اور ترقی ہوتی ہے تو سیر و تفریح کی سوجھتی ہے اور بلا کسی مقصد کے جنگلوں میں کھیتوں پر مارا مارا پھرتا ہے۔ درختوں کو دریاؤں کو دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھتا ہے ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے جن سے شجاعت اور تہور کا پتہ چلتا ہے۔ اُس کے دل میں مشاہیر کی عظمت اور احترام کا جذبہ اور اُن کے قدم بقدم چلنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ چیزوں کو جمع کرنے کی رغبت ہوتی ہے اور یہ حالت بالکل اُس نیم متمدن انسان کے مماثل ہے جو کھیتوں کی چراگاہوں کی اور اُن مقامات کی تلاش میں جہاں غلہ پیدا ہوتا ہے بارش ہوتی ہے اور رزق کا سامان مہیا ہو سکتا ہے جس طرف کو منہ اُٹھتا ہے چل دیتا ہے۔

پھر لڑکپن شباب کا زمانہ آتا ہے اُس وقت گویا وہ عملی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ اب وہ ایسے کھیلوں کی جانب مائل ہوتا ہے جنہیں امداد و اعانت کی ضرورت ہوتی ہے، غور و فکر کی عادت میں ترقی ہوتی ہے، دنیا کی بہت سی حقیقتوں سے واقفیت ہو جاتی ہے، مذہبی امور میں غور کرتا ہے دل میں خدا کا خوف اور ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے فرائض کا احساس اور اجتماعی قوانین کا احترام کرنے لگتا ہے۔ سیاسی اجتماعی اور اخلاقی زندگی کا مفہوم سمجھتا ہے۔ اب وہ اُس متمدن انسان کی مثل ہے جس نے بادیہ پیمائی ترک کرکے مکانات میں رہنا اور معاشی امور میں ایک دوسرے کی مدد لینا شروع کر دی ہے اور دوسروں کے مصالح کا لحاظ کرنے لگا ہے غرضکہ بڑی حد تک اسمیں تمدن آگیا ہے۔

علما نے اس نظریہ کو بہت اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ بہت کچھ بحث و تمحیص کی گئی ہے۔ افرادی اور نوعی زندگی کی تطبیق کو بامعان نظر دیکھا گیا ہے بالآخر بحث و تجربہ کے بعد اس کی صحت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مختصر طور پر بچہ کی زندگی کے تین دور قائم کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ جبکہ فطری خواہشات، وجدان اور حیوی قوت کا غلبہ، خرافات اور اوہام پر اعتقاد اور دوسروں کی تقلید کا شوق ہوتا ہے۔

۲۔ اپنے ماحول سے آگاہی۔ خارجی اشیاء کو غور و فکر کی نظر سے دیکھنا طبیعیات اور تکوین کی جانب میلان۔

۳۔ غور و تامل اور مدنیت کا زمانہ اس وقت ایسی باتوں اور ایسی چیزوں کی جانب میلان ہوتا ہے جن کا تعلق عقل سے ہو۔ اجتماعی زندگی سے واقفیت وغیرہ۔

جرمنی اور امریکہ میں اس نظریہ کی عملی تطبیق

پروفیسر موصوف نے خیال کیا کہ بچوں کا نصاب تعلیم اسی نظریہ کی رہنمائی میں بنایا جائے تاکہ انسانی میلانات کے موافق اور طلبہ کی زندگی کے مختلف ادوار کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ افرادی اور نوعی دونوں زندگیوں پر اس کا مفید اثر پڑیگا۔ چنانچہ یہاں پر وہ نصاب تعلیم پیش کیا جاتا ہے جو پروفیسر موصوف نے سکسونیہ کے مدارس کے لئے بنایا ہے اور جس کی بنیاد تاریخ و ادب پر رکھی گئی ہے۔

تعلیمی سال	عمر	مضامین
۱	۶-۷ سال	خیالی قصے

تعلیمی سال	عمر	مضامین
۲	۷ - ۸ سال	رابنسن کروسو - سندباد جہازی
۳	۸ - ۹ "	انجیل کی حکایتیں۔
۴	۹ - ۱۰ "	عبرانی قاضیوں کے قصے
۵	۱۰ - ۱۱ "	شاہان بنی اسرائیل اور شاہان جرمنی کے قصے
۶	۱۱ - ۱۲ "	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت۔ مسیحی جرمنی۔ جرمنی کے اولین قیصر۔
۷	۱۲ - ۱۳ "	حواری اور مارٹن لوتھر اور مذہبی اصلاح
۸	۱۳ - ۱۴ "	لوتھر کے سوالات - موجودہ جرمنی۔

لیکن اس نصاب پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ صرف ادب، تاریخ اور مذہب تک محدود ہے۔ موجودہ زمانہ کو ماضی پر قربان کر دیا گیا ہے۔ طالب علم پہلے مورخ اور قدیم تاریخ پڑھتا ہے۔ جدید علوم و فنون اور جدید تمدن کی جانب بہت کم توجہ ہوتی ہے حالانکہ یہی چیزیں اس وقت تعلیم کا محور ہونا چاہئیں اور یہ بڑی حد تک صحیح ہے لیکن باوجود اس کے اس نظریہ نے نشو و نما کے طبعی قوانین اور اس کے مختلف زمانوں کی جانب رہنمائی کی ہے اور ان لوگوں کے اعتقادات پر زبردست اثر ڈالا ہے جو سمجھتے تھے کہ بچہ اور آدمی کے احساس اور وجدان میں کوئی فرق نہیں اگر فرق ہے تو صرف جسامت میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہمیں اس نظریہ کے صحیح مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور اس کی تشریح میں ہرگز غلطی نہ کرنی چاہئے جس طرح ہربرٹ سپنسر نے کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فرد کا طریقہ تعلیم نوع کے طریقۂ تعلیم کے تابع ہونا چاہئے۔ بلاشبہ یہ قول صداقت سے دور ہے اور عقل سلیم اس کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ معلم کو اُن علمی اور فنی حقائق کی تعلیم سے منع کر دیا جائے جن کا موجودہ زمانہ میں انکشاف ہوا ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ کیمیا اور طب سے متعلق جدید معلومات کی تعلیم کو نظرانداز کر دیا جائے۔

امریکہ کے ماہرین تربیت نے اس نظریہ کی حقیقت کو خوب سمجھا ہے اُنھوں نے اس کی ایسی تشریح کی ہے جو موجودہ زمانہ کے بالکل مطابق ہے۔ انہیں سب سے زیادہ پیش پیش پروفیسر "ڈیوے" ہیں۔ یہ شکاگو یونیورسٹی میں تعلیم و تربیت کے پروفیسر ہیں انہوں نے بچوں کے نظری رجحانات کو بہت غائر نظر سے دیکھا ہے اور بحث و نظر کے بعد مفید نتیجہ تک پہونچے ہیں جس سے مدارس میں بہت کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ زیلر نے اپنی تمامتر توجہ محض تاریخ و ادب تک محدود رکھی ہے لیکن اس کے خلاف پروفیسر ڈیوی نے محسوس کیا کہ بچہ کو دستی صنعتوں سے رغبت اور شوق ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے آیندہ زندگی میں اس کی ضرورت بھی ہے اس لئے انہوں نے تاریخ و ادب کے ساتھ ساتھ دستی صنعتوں کا بھی اضافہ کیا۔ مثلاً پارچہ بافی، نجاری، فن تعمیر، طباعت، تمثیل، تصویرکشی وغیرہ۔ اس نصاب کے ذریعے مدرسہ سے باہر اجتماعی زندگی میں زبردست اور مضبوط تعلق پیدا کر دیا گیا۔ بلاشبہ یہ چیز بچہ کے نشو و نما کے لئے زبردست معاون ہے وہ اُسے موجودہ تمدنی زندگی بسر کرنے کے لائق بنا دیگی نیز خاندانی، قومی، انسانی، وطنی حقوق کی جانب رہنمائی کرے گی۔ بچہ جب کوئی نہ کوئی صنعت حاصل کر لے گا تو نہ صرف یہ کہ وہ خود اپنی روزی آپ کمانے کے لائق ہوگا بلکہ اپنی قوم کی خدمت بھی کر سکے گا۔ اور بلاشبہ یہ بہترین نتیجہ ہے جس کو امریکن ماہرین تعلیم نے اپنا مطمح نظر بنایا ہے۔ ان مضامین کا طریقہ تعلیم بہت تفصیل طلب ہے۔ یہاں اُس کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ مختصر طور پر سمجھ لیجئے کہ ہر مضمون کی اجمالی تاریخ دور شروع سے اس وقت تک اس میں جو تدریجی ترقی ہوئی ہے طالب علم کو اختصار کے ساتھ بتلا دی جاتی ہے۔

اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ پروفیسر زیلر کے نصاب تعلیم میں ساری توجہ ماضی پر لگ گئی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم ماضی کو اسی وقت پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں جبکہ حاضر کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کا مستقبل کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ بہترین صورت یہی ہے کہ ہم طالب علم میں اپنے ماحول سے سبق حاصل کرنے کا شوق اور رغبت پیدا کر دیں ہم اس کی ضرورتوں کو دوگنا کر دیں تاکہ اسمیں خود اپنی مدد سے ان ضروریات کے پورا کرنیکا مادہ پیدا ہو۔ بلاشبہ موجودہ زمانہ ہی ایسی چیز ہے جو اُسے ماضی کی طرف کھینچ کر لے جائیگا اور اُس کے دل میں اسکی عظمت پیدا کر دیگا۔ اسکی نظر کو مستقبل کیطرف پھیر دیگا اور اسکے لئے امیدوں کا دروازہ کھولدیگا۔ تربیت کی بہت سی صورتیں ہیں مگر سب سے بہتر یہی ہے کہ ہر چیز کو اسکی مناسب جگہ پر رکھا جائے۔

یہاں پر پھر دوبارہ یہ گذارش مناسب ہوگی کہ اس نظریہ کا اصلی مقصد معلم کو بتانا ہے کہ انسانی عادات و خصائل ایک ہی زمانہ میں مکمل نہیں ہو جاتے اور یہ کہ ہر طبقہ کا ایک مخصوص زمانہ ہوتا ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ بچہ کے رجحانات معلوم کرے اور ایسے وسائل کی جانب اسکی رہنمائی کرے جو اس کے لئے مفید تر ہوں۔

(ملخص)
(م - ح - ح)

جامعہ خواتین ہند

(یعنی ہندوستان کی زنانہ یونیورسٹی)

سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر نواب مسعود یار جنگ بہادر کی تقریر

(گزشتہ سے پیوستہ)

جو کچھ میں نے عرض کیا اُس سے میرا مطلب اس امر کو ذہن نشین کرانا تھا کہ ایک قوم کی خداداد قابلیتیں صرف اس قوم کی مادری زبان میں پورے طور پر بار آور ہو سکتی ہیں اور اس اعتبار سے ہمارے طلبہ کی علمی ترقی کے تمام مضامین کا ان کو انگریزی میں پڑھایا جانا ایسا ہی نقصان دہ ہے جیسا انگریزی طلبہ کو (مثالاً کہتا ہوں) جرمنی زبان میں پڑھایا جانا مضر ہو سکتا ہے۔ باوجودیکہ جو رشتہ لسانیت کے اعتبار سے جرمنی زبان اور انگریزی زبان میں ہے وہ بہ نسبت اس رشتہ کے جو انگریزی زبان اور ہندوستانی زبان میں ہے کہیں زیادہ قریب کا ہے۔

انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے سے ایک دوسرا نقصان یہ پہونچ رہا ہے کہ ہمارا ملک جو ذاتوں کی کثرت سے پہلے ہی نفاق کی مصیبت میں مبتلا ہو رہا تھا اُس میں ایک نئی ذات اور اضافہ ہوتی جاتی ہے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو ایک طرف تو انگریزوں سے اختلاف نسل اور تمدن کی بنا پر غیر ہیں اور دوسری طرف اپنی قوم اور نسل سے اس بنا پر غیر ہو گئے ہیں کہ اپنے بلند پایہ تخیلات اور نازک خیالات کو اپنی ہی قوم کی زبان میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ افسوس ہے کہ تمام مہذب دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں اس بات کا اعتراف کرنے میں مطلق شرم نہیں آتی کہ وہ ایک غیر ملک کی ادبیات کا علم اس ادبیات سے زیادہ رکھتے ہیں جو ان کے اسلاف کی پیدا کردہ ہے۔ یہ بدقسمت لوگ اس اصول سے واقف نہیں ہیں کہ کوئی قوم جو اپنی ہی تہذیب و تمدن کی عزت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے وہ دنیا کی نظروں میں کسی طرح کی عزت پیدا نہیں کر سکتی۔ اور کوئی قوم اپنی تہذیب و تمدن کی عزت اُس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اس زبان کی عزت نہ کرے جس میں وہ تہذیب و تمدن محفوظ ہے۔

آجکل کا مہذب اور ذی علم ہندوستان جس صورت میں کہ انگریزی زبان کے استعمال کو اس نے تعلیم اور ادائے خیال کا سب سے بڑا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ دنیا کی نظروں میں بالعموم ایک ایسا لنگڑا اپاہج معلوم ہوتا ہے جو خدا کے دئے ہوئے پاؤں کام میں نہیں لا سکتا بلکہ ان لکڑیوں کے سہارے اچھلتا ہوا چلتا ہے جو یہاں سے چھ ہزار میل دور ایک ملک میں تیار ہوئی ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا اس حالت سے ہمارے ملک کی کوئی نیکنامی ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں جو لوگ اس قسم کی کوششوں کی جن کا ثمرہ یہ جامعہ ہے بے قدری کرتے ہیں وہ اپنے لئے اپنے ہی ہاتھوں خفت اور شرمندگی کے موقعے پیدا کرتے ہیں کیونکہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے سے انکار کرنا اس امر کا اعتراف ہے کہ خدائے بزرگ نے بھی جس کا سایہ سب کے سر پر ہے (نعوذ باللہ) یہ ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے کہ ہم کو ایسی زبانیں دیں جن میں ہم اپنے خیالات کافی طور سے ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور اس وجہ سے گویا ہمارا تنزل حیوانات مطلق کے طبقہ میں کر دیا۔

جب ملک کی معاشرتی زندگی پر غور کیا تو ایک اور افسوسناک واقعہ صاف نظر آیا وہ یہ کہ بہت سے ہندوستانی گھروں میں جہاں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے انگریزی زبان میں تعلیم پائی ہے ایک قسم کا واقعی نفاق پھیلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت تو صحیح یا غلط ان طریقوں پر ہوئی ہے جو ہمارے بزرگوں کے پیدا کئے ہوئے تھے اور مرد انگریزی علم کی یونیورسٹیوں اور مدرسوں میں حاصل کر کے ایسے خیالات میں مصروف ہیں جو عورتوں کے خیالات سے جنہیں وہ دل سے یقین کرتی ہیں متضاد ہیں۔ یہ تو آپ پر بھی واضح ہو گا کہ جس گھر میں شوہر تو انگریزی ادبیات کے دور دلفریب جلووں کی طرف نگاہیں جمائے ہے اور بیوی تلسی داس یا غالب کے حسن کلام پر محو ہے تو اس گھر کو حقیقی معنوں میں میل اور ملاپ کا گھر نہیں کہہ سکتے۔ جب تک کہ ہمارے ملک کے مرد مغرب کی طرف اور ہمارے ملک کی عورتیں مشرق کی طرف تکتی رہیں گی اُس وقت تک ہمارے گھروں کا یہ اختلاف تہذیب ایک بڑی حد تک ان قوتوں کو بیکار کرتا رہے گا جن کے پورے اور بے روک عمل سے وہ حالات درستی پر آ سکیں جو اس وقت تک ہندوستان کی بے عزتی کا موجب ہو رہے ہیں۔

ملک کی خانگی زندگی میں اتحاد تہذیب پیدا کرنے کے ملئے جس کے بغیر نہ مجموعی نہ انفرادی خوشی میسر آ سکتی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم و تہذیب کی اختلاف سے جو غار عمیق عورتوں اور مردوں میں حائل ہو گیا ہے اور جس نے بدقسمتی سے اکثر مردوں اور عورتوں کو جدا کر رکھا ہے بالکل پاٹ دیا جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ جس علم نے برائی کے لئے یا بھلائی کے لئے ہمارے مردوں کو تہہ تن اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے اُسے اتنا قریب کر دیا جائے کہ ہمارے ملک کی عورتیں بھی آسانی سے اس تک پہونچ سکیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ نتیجہ اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ جو زبان

عورتوں کو ان کی ماؤں سے ملی ہے اُس کو اُس زبان کی شکل جس میں مردم موجودہ علوم حاصل کر رہے ہیں ایک مستقل اور منضبط ذریعہ تعلیم کا بنا دیا جائے۔

ایک واقعہ عرض کرنے سے ایک اور فائدہ بھی آپ پر واضح ہو جائیگا وہ یہ کہ جاپان کے حالات تعلیمی حالات پر غور کرنے سے مجھے دریافت ہوا کہ اس ملک میں مائیں اپنے بچوں کو عمدہ طریقوں پر تعلیم دینے میں بڑی مدد کرتی ہیں اور اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ جس زبان میں وہاں بچوں کو علم سکھایا جاتا ہے وہ ان بچوں کی ماؤں کی زبان ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں سوائے چند مخصوص گھروں کے اس قسم کا مفید اور مسرت خیز عمل ماؤں کو اس وجہ سے نصیب نہیں ہے کہ زبان جو ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے مستعمل ہے وہ ماؤں کے لئے ایک غیر زبان ہے۔

علاوہ اس کے انگریزی زبان میں تمام مضامین کی تعلیم دینے سے ایک ضروری شرط شروع ہی سے پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے مدارس میں جس قدر طلبہ داخل ہوں وہ لازمی طور پر غیر زبان کو سیکھنے کا خاص ملکہ رکھتے ہوں لیکن سوائے ہمارے دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے اپنے طریقہ تعلیم کی بنا اس قسم کی غلط شرط پر رکھی ہو۔ اگر انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم نہ رکھنے سے یہ معلوم ہو کہ اس زبان کی مہارت میں کسی قدر کمی پیدا ہونے کے ساتھ مختلف مضامین کے متعلق علم میں زیادتی اور اصلیت بڑھ گئی ہے تو کم از کم میں تو اس حالت میں بھی یہی کہوں گا کہ اس سے ہمارے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہونچا۔ اگر ہمارے ملک والے ایسی اچھی انگریزی نہ بول سکیں جیسی کہ چند منتخب لوگ بولتے ہیں تو میں اس کو بہتر سمجھوں گا بہ نسبت اس کے کہ میرے اہل ملک اپنے ہی ملک میں ایک غیر ملک کے آدمی معلوم ہوں اور اس تہذیب سے ناواقف اور اس زبان کو صحیح برتنے سے عاری ہوں جس میں دنیا میں آتے ہی انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔

علاوہ بریں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ جنکی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہوئی ہے کس آسانی و بے پروائی سے بلا ضرورت اپنی زبان کو خراب کر رہے ہیں تو یہ حالت نہایت ہی تکلیف دہ معلوم ہوتی ہے۔ شرمندگیاں تو مجھے زندگی میں بہت اٹھانی پڑی ہیں لیکن یورپ میں ریل کے سفر میں ایک موقع پر جو خفت ہوئی اُس کی تکلیف اب تک دل سے دور نہیں ہوئی ہے۔ میں اُس وقت فرانس کے وسطی حصہ میں کسی مقام پر ایک ہندوستانی دوست کے ساتھ ہمسفر تھا۔ جس گاڑی میں ہم دونوں تھے اسی میں ایک یورپین مسافر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ہمیں معلوم نہ ہوا کہ وہ کس قوم کا آدمی ہے مجھے وقت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی میں نے اپنے ہندوستانی دوست سے بالکل بے خیالی میں یہ جملہ کہا کہ آپ کی واچ میں کیا ٹائم ہے۔ میرے ہندوستانی دوست نے اس سوال کا جواب انگریزی میں دیا۔ یورپین پوچھنے لگا کہ تم دونوں کس ملک کے آدمی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہم ہندوستان کے لوگ ہیں۔ یہ جواب سنکر اُس کے چہرہ پر ایک حیرانی اور پریشانی سی ظاہر ہونے لگی یہ حالت دیکھکر میں نے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے ایسا سوال کیوں کیا تھا۔ اس نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ جناب مجھے اس بات کے معلوم کرنے کا شوق ہوا کہ وہ ملک کونسا ہے جس کی زبان میں بیسویں صدی میں بھی ایک ایسی معمولی شے کے لئے جیسے گھڑی ہوتی ہے اور ایک ایسی روزمرہ کی ضروری چیز کے لئے جیسے وقت کہتے ہیں الفاظ موجود نہیں۔ میں اس جواب سے ایسا شرمندہ ہوا کہ کبھی کسی بات سے شرمندہ نہ ہوا تھا اور اُس دن سے مجھے جو سبق حاصل ہوا اُسے آجتک نہیں بھولا ہوں یعنی ہندوستان کی بڑی زبانوں کو قوت دینے اور زمانہ حال کے مطابق بنانے کا اصول میرے لئے ایک مذہبی اعتقاد ہو گیا ہے۔

اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت کہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اکثر لوگوں نے نااتفاقی کا ہوا اپنی آنکھوں کے سامنے لاکر اس خیال کو ناپسند کیا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی مختلف زبانوں کو اس طریقے سے قوت دیکر مستقل زبانیں بنا دیا گیا تو پھر یہاں کی قوموں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی امید سے جس کے ہم سب خواہشمند ہیں ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔ اگر اس دلیل کو ایک مرتبہ بھی صحیح مان لیا گیا تو میری رائے میں اس سے نہایت مضر نتائج پیدا ہونگے کیونکہ اسے قوانین وضع کرنے والے یہی دلیل وہ لوگ بھی پیش کرنے لگیں گے جن میں کافی حماقت اس دعوے کی موجود ہے کہ جب تک سب لوگوں کا ایک ہی مذہب ایک ہی طرح کی غذا اور ایک ہی طرح کا لباس اور ایک ہی طرح کا طرز خرام نہ ہو جائے اس وقت تک ہمارے ملک میں اتحاد کا قیام ممکن نہیں۔

ہم کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ ہندوستان کا دل بہت بڑا ہے وہ ایک ایسے قدیم زمانہ سے جس کی یاد بھی دلوں سے محو ہو چلی ہے مختلف و متضاد ادیان اور مذاہب فلسفہ کا مولد و مسکن رہا ہے اور ان سب کو اپنا بچہ سمجھکر اس نے ہمیشہ اپنے سینہ سے لگائے رکھا ہے۔ علاوہ اس کے میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اس کا ضامن کون ہے کہ اگر ملک کی زبان ایک ہی کردیجائے تو ہندوستان ایک متحدہ ملک بن جائیگا جسوقت میں امریکہ کے حالات پر غور کرتا ہوں جو نہایت متمدن ہے جسوقت میں دیکھتا ہوں کہ وہاں غریب حبشیوں کا کس بے رحمی سے خون بہایا جاتا ہے (باقی آئندہ)

رفتارِ تعلیم

بنارس ہندو یونیورسٹی کو چار لاکھ کا عطیہ

ایک خاتون کی علم پروری

گوالیار کی لیڈی اے بی ڈنلکر نے وعدہ کیا ہے کہ وہ بمبئی میں اپنی آٹھ لاکھ کی کوٹھی فروخت کر کے قیمت میں سے نصف بنارس یونیورسٹی کو عطا کریں گی۔ آپ نے پنڈت مدن موہن مالویہ وائس چانسلر یونیورسٹی مذکور کو ہدایت کر دی ہے کہ کوٹھی کو فروخت کرنے کا انتظام کر دیں۔ معلوم ہوا ہے کہ کوٹھی کے فروخت ہونے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ خاتون موصوف نے دو ہزار چار سو روپے کا ایک وظیفہ بھی مقرر کیا ہے۔ یہ وظیفہ "سری کرشن" اسکالرشپ کے نام سے موسوم ہوگا جو انہوں نے اپنے بیٹے کی یادگار میں قائم کیا ہے جو جنگ یورپ میں بحیثیت افسر کے کام آیا تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اولڈ بوائز کی تشویش

علی گڑھ کے قدیم طلباء اور دوسرے ہمدردوں کا ایک جلسہ نواب بہادر شیخ وحید الدین صاحب رئیس میرٹھ کے مکان پر منعقد ہوا۔ مسٹر ولغرکی رپورٹ پر جس میں اسکولوں اور انٹرمیڈیٹ کے صیغہ جات کو الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے غور کیا گیا۔ جلسہ نے یہ قرارداد منظور کی کہ مسلم یونیورسٹی کے چانسلر سے درخواست کی جاتی ہے کہ مسٹر ولغر کی سفارشوں کو شائع کر دیں تاکہ مسلم پبلک ان کے حسن و قبح کو سمجھ کر رائے قائم کر سکے۔ اس جلسہ کو جہاں تک رپورٹ کے مضامین کا تعلق ہے یہ ان تجاویز کے سخت مخالف ہے جو مسلم یونیورسٹی کے دائرۂ اثر و اقتدار کو کم کرنے والی ہیں۔

مدراس یونیورسٹی کو پندرہ ہزار روپیہ کا عطیہ

ہز ہائنس شری رکمی داسی مہاراجہ پرمانندن مٹ نے مدراس یونیورسٹی کو پندرہ ہزار روپیہ کا سہ سالہ عطیہ اس غرض سے دیا ہے کہ غیر ملکی علوم کی کتابیں جنوبی ہند بالخصوص تامل زبان میں ترجمہ کی جائیں۔ مہاراجہ صاحب اپنی علمی قدردانیوں کی وجہ سے عام شہرت رکھتے ہیں۔

مدرسہ دیوبند کے حسابات کی جانچ

ایک خبر مظہر ہے کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام نے ایک کمیشن معاملات دیوبند کی جانچ کے لئے مقرر فرمایا تھا جس کے صدر مولوی محی الدین صاحب بنائے گئے تھے۔ ارکان میں نواب صدر یار جنگ بھی شامل ہیں۔ یہ کمیشن ۲۲ جون ۱۹۲۵ء کو دیوبند پہونچ کر حسابات کی جانچ اور اختلافی امور کی تحقیقات کر کے رپورٹ مکمل کرے گا۔

ایک رومن کیتھولک اسکول اور تاریخ ہند

ڈاکٹر مہندر راؤ جی نے فری پریس کے نمائندہ سے ایک ملاقات کے دوران میں کہا کہ چند دن ہوئے میں ڈھاکہ گیا وہاں میں نے سنا کہ مقامی رومن کیتھولک اسکولوں میں جہاں گورے اور ہندوستانی طلبہ اکٹھے داخل ہوتے ہیں لڑکوں کو غیر ملک کا ہی جغرافیہ اور تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔ گزشتہ سال ڈھاکہ کے ایک سربرآوردہ شخص نے جو میرا دوست ہے اپنے لڑکے کو اسکول میں بھیجا لیکن جب معلوم ہوا کہ اس لڑکے کو ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں پڑھایا جاتا تو اس نے زبردست احتجاج کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخ ہند کی تعلیم کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

مصر کی تعلیمی ترقی

۱۹۲۴ء میں مصر سے ۵۶۲ طلبہ یورپ کے مختلف ممالک کو تعلیم کے لئے بھیجے گئے اور اس سال ۵۰۵ طلبہ بھیجے گئے ہیں۔

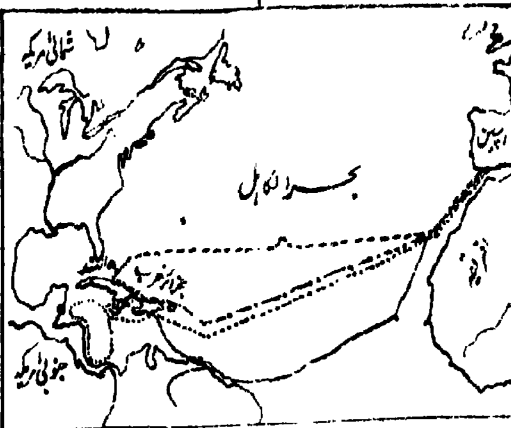
یو۔پی کے مدارس کا نیا سشن

۹ جولائی سے یو۔پی کے ثانوی مدارس کھل گئے ہیں۔

دنیا کا کھوج

دریافت امریکہ

یہ بات تو ہر وہ شخص جانتا ہے جو کچھ بھی پڑھا لکھا ہے کہ دنیا کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ ایک نئی دنیا اور ایک پرانی دنیا۔ پرانی دنیا کے لوگوں نے نئی دنیا دریافت کی، اور وہ اس طرح کہ جب یورپ کے بڑے بڑے عالموں نے لوگوں کو یہ بتایا کہ دنیا گول ہے۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ سے سفر شروع کرے اور بغیر کسی طرف گھومے یا مڑے سیدھا چلتا ہی چلا جائے تو ایک نہ ایک دن وہ ضرور اسی جگہ پہونچ جائیگا جہاں سے وہ چلا تھا۔ لوگوں نے جب یہ معلوم کیا تو ان کو اس کے تجربہ کا خیال ہوا۔ ان ہی دنوں میں ہندوستان اور یورپ کے درمیان آمد و رفت کا قدیم راستہ بعض اسباب کی وجہ سے بند ہوگیا تھا۔ یورپ کے لوگ ہندوستان پہونچنے کے لئے نئے راستہ کی تلاش میں تھے۔ افریقہ کے جنوب سے ہوکر یا بحر منجمد شمالی سے گزر کر ہندوستان پہونچنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ راستے بہت طویل تھے۔ اب یہ خیال کیا گیا کہ بحر الکاہل سے ہوکر ہندوستان پہونچنا چاہئے کیونکہ اگر دنیا گول ہے تو ایسا ضرور ممکن ہو جائیگا۔ سب سے پہلے پرتگال والوں نے قدم بڑھایا۔ ان ہی لوگوں میں ایک شخص کولمبس (Christopher Columbus) بھی تھا۔ یہ دراصل اٹلی کا تھا مگر اپنے لڑکپن ہی میں پرتگال آگیا تھا۔ کولمبس نے پرتگال کے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کو ہندوستان کے سفر کے لئے ساز و سامان اور روپیہ دے۔ شاہ پرتگال نے اسکی نہ سنی اس لئے کچھ عرصہ کے بعد اسپین آیا۔ یہاں اسوقت ملکہ اسابلا (Isabella) اور شاہ فرڈیننڈ (Ferdinand) کی حکومت تھی۔ ملکہ کولمبس کو مدد دینے کے لئے تیار ہوگئی رفتہ رفتہ جب تمام سامان مکمل ہوگیا تو کولمبس اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ اسکے پاس تین جہاز تھے اور خورد و نوش کا بھی اتنا سامان تھا کہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے لئے ایک سال کو کافی ہو۔ تقریباً پانچ ہفتہ کے بعد اس کو جزائر غرب الہند کے ساحل نظر آئے (۱۴۹۲ء)۔ اس نے خیال کیا کہ یہ جزائر ہند ہیں۔ تین ماہ تک اس نے ان جزائر کا چکر لگایا بالآخر ایک نئی دنیا کی دریافت کی خوشخبری لے کر وہ اسپین کو واپس ہوا۔ بادشاہ کو دکھانے کیلئے وہ یہاں کے عجائبات لے گیا جن میں سونا بھی شامل تھا۔ سب ان چیزوں کو دیکھکر خوش ہوئے۔ بہت سے آدمی اس نئی دنیا کے سفر کو تیار ہوگئے۔ خصوصاً سونے کے خیال نے ان کو اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کو تیار کر دیا۔ چھ مہینے کے بعد کولمبس پھر روانہ ہوا۔ اس مرتبہ اس کے پاس سترہ جہاز تھے اور ڈیڑھ ہزار آدمی اس کے ساتھ تھے۔ نئی دنیا پہونچ کر لوگ آپس میں لڑنے لگے۔ انہوں نے نئی دنیا کے متعلق جسقدر عجیب و غریب امیدیں قائم کی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔ اب سب کولمبس کے خلاف بڑبڑانے لگے۔ کولمبس یہ شکایات لیکر اسپین واپس گیا۔ ملکہ نے اسکی ہمت افزائی کی اور وہ تیسری مرتبہ ان جزائر کے سفر پر روانہ ہوا۔ وہاں جھگڑے جب زیادہ ہونے لگے تو اسپین سے ایک جج بھیجا گیا کہ کولمبس اور اسکے ساتھیوں میں فیصلہ کرائے۔ جج کولمبس کے دشمنوں کا ساتھی ہوگیا اور اس کو قید کر کے اسپین واپس بھیجدیا۔ بادشاہ اور ملکہ کو کولمبس کے ساتھ یہ برتاؤ کچھ اچھا معلوم نہ ہوا۔ انہوں نے کولمبس کو دلاسا دیا۔ کچھ عرصہ بعد کولمبس کا انتقال ہوگیا۔



نقشہ سفر کولمبس

اس کے بعد Amerigo Vespucci نے تلاش و جستجو کا کام شروع کیا۔ اسی شخص کے نام پر اس نئی دنیا کا نام امریکہ ہوا۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے امریکہ کے سفر کئے۔ یہ بھی امریکہ جانے کا خیال کرتا تمام پچھلے لوگوں کے بنائے ہوئے نقشے جمع کرتا اور خود سفر میں اسکو جو نئی باتیں معلوم ہوتیں اپنے نقشہ میں بھرتا جاتا۔ آہستہ آہستہ یورپ کے اور لوگ بھی نئی دنیا سے کافی واقف ہوگئے۔ اور امریکہ جا جا کر آباد ہونا شروع ہوئے لیکن اثر اسپین والوں ہی کا غالب رہا۔ انہوں نے وہاں سونے کی کانیں دریافت کیں جس سے اسپین مالا مال ہوگیا اور یورپ میں اس کے برابر کوئی طاقت نہ رہی۔ اس زمانہ میں امریکہ کے ایسے

خطرناک اور دشوار سفر کرنے والوں میں Christopher Columbus اور Pizarro کے علاوہ دو ہسپانوی Amerigo Vespucci اور Cortazo اور دو انگریز Cabot اور Sir Walter Releigh خاص طور پر مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنی جان کا خیال نہ کیا اور مشکل کو ہمت سے فتح کرنا چاہا۔ انہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اپنا نام ہمیشہ زندہ رکھا۔ آج بھی لوگ ہمت اور بہادری کے لئے ایسے ہی بڑے بڑے لوگوں کی مثال اپنے سامنے رکھتے ہیں۔

۷-۶-خ

صحافت نسوانی کا گوہر نایاب

یعنی

نورجہاں

ہندوستان بھر میں اس وقت صرف نورجہاں ہی ایک زنانہ رسالہ ہے جو صحیح معنوں میں صحافت نسائی کا حقیقی نمونہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس رسالہ کی ایڈیٹر، منیجر، اسسٹنٹ منیجر اور کل عملہ زنانہ ہے۔

نورجہاں مستورات کے لیے مشعل علم و ہدایت ہے کیونکہ اس میں جہاں ان کے حقوق کی نگرانی، وکالت اور تائید کی جاتی ہے وہاں انہیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ عورت کا مقصد حیات کیا ہے۔ گھر کی چار دیواری کے اندر اس کے فرائض کیا ہیں۔ علاوہ ازیں خانہ داری، بچوں کا رکھ رکھاؤ، تربیت و پرورش اطفال، تندرستی اور صحت کے اصول، نیز ہر قسم کے لذیذ کھانے، مربے، اچار اور چٹنیاں وغیرہ تیار کرنے کی ترکیبیں اور اخلاق آموز دلچسپ افسانے ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔

قسم اول چندہ سالانہ عہ نمونہ ۱ر

" دوم " " ے " ۳ر

مستقل خریداروں کو سال میں تین خاص نمبر دئے جاتے ہیں۔

ملنے کا پتہ

خاتون منیجر رسالہ "نورجہان" امرتسر

کوائف جامعہ

جامعہ یکم اگست کو کھلیگی۔ اگرچہ اخبارات میں اس کا اعلان ہو چکا ہے لیکن پھر بھی اطراف ملک سے بچے وسط جولائی سے ہی داخل ہونے کے لئے آ رہے ہیں۔ تعطیلات کے ختم تک یقیناً نو واردوں کا دل گھبرائے گا لیکن کوشش کیجا رہی ہے کہ ان کی دلچسپی کا سامان کیا جائے۔

گزشتہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں چند قابل ذکر شادیوں کی مسرت آمیز خبریں ہمارے سننے میں آئی ہیں۔ خود ہمارے ایڈیٹر سعید انصاری صاحب کا وسط جون سے زندگی کا یہ نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ ہم گزشتہ اشاعتوں میں بوجہ عدم گنجائش اس فرحت بخش خبر کو درج نہ کر سکے۔ ہم جامعہ اور ناظرین "پیام تعلیم" کی طرف سے ایڈیٹر صاحب ممدوح کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ بہت جلد "پیام تعلیم" میں بچوں کے صفحہ کے ساتھ ساتھ عالم نسواں کے متعلق بھی ایک صفحہ کا انتظام فرمائیں گے۔ دوسری شادی جون میں ہی ہمارے بھائی عبدالحمید صاحب بی۔ اے کی ہوئی ہے جنہوں نے گزشتہ سال گردکل کی تقریر میں اول انعام حاصل کیا تھا اور شیلڈ مانند ٹرافی جیت کر لائے تھے۔ ہم تمام جامعہ کی طرف سے صاحب موصوف کو دلی مبارکباد دیتے ہیں اور ان کی طرف سے جامعہ کو مبلغ ؎ اور ان کے خسر کی طرف سے ؎ کے عطیہ پر دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

تیسری شادی ہمارے سابق طالب علم احسان محمد صاحب ریڈی کی جولائی کو ضلع جالندھر میں ہوئی۔ ہم احسان صاحب کے والد اور بڑے بھائی جو لندن میں ہیں اور ان کے دیگر عزیزوں کو اور مسٹر خود ان کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ احسان صاحب جامعہ کی پنج سالہ تعلیم و تربیت سے جامعہ کا نام روشن رکھیں گے۔ ان کی طرف سے جامعہ کی سب سے بڑی خدمت یہی سمجھی جائے گی۔

مضمون نگاری

مضمون لکھنے ... کی ... معلوم ہوتی ہے اگر ... سوچا جائے ... لکھنا ...
ہے ... ایسی ... بات ... ہر ... کوئی بھی مشکل بات ہو ...
... کے ... مضمون نگاری ... کہتے ... جاتے ہیں ...
... اپنے ... آتے ہیں ... معلوم ...
... لکھنا شروع ... صرف یہ معلوم تھا ... عنوان کیا ہے

ایک ... کا ... کے ... آ ... ہی ... جیسا ... ملاحظہ
... آخری ... دوسرا جملہ ... اسی طرح پورا ... مثلاً اگر
تمہارے مدرسے میں ... آ ... کہتا ۔

"میرے پیارے بچو! مجھے کوئی خاص بات آپ سے نہیں کہنی ہے۔ تاہم میں آپ کے اساتذہ کا بہت شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے آپ سے خطاب کرنے کا موقع آج صبح دیا ہے۔ آج ... کا وقت ... آرام کے بعد ایسا خوشگوار معلوم ہو رہا ہے کہ ... یہاں آتے ہوئے راستہ کی سیر ... سے میں نے اس زندگی کی ... سے ... زیادہ ... کی ... خدا نے اس عجیب و غریب دنیا میں بخشی ہے کیونکہ 'یہ دنیا' پیارے بچو۔ خدائے بزرگ و برتر نے ہمارے ہی لئے بنائی ہے۔ تاکہ ہم اس سے خود بھی لطف اٹھائیں اور یہاں رہکر بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے بھی کوشاں ہوں، جو بمنزلہ ہمارے بھائی بندوں کے ہیں۔

یقیناً 'بنی نوع انسان ہمارے بھائی بند ہی ہیں' اگرچہ انہیں سے اکثر دور دراز ملکوں میں دوسرے آسمانوں کے نیچے رہتے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان وسیع سمندر ہیں۔ یہ 'سمندر' دراصل دنیا کو بہت سے حصوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ایک کرتے ہیں۔ جو ہوائیں ان پر چلتی ہیں اور جو لہریں انہیں اٹھتی ہیں وہ سب کی سب ایک اعلیٰ قانون کے ماتحت ہیں تاکہ ان کے ذریعہ تجارت کو ترقی ہو اور اس خاکی پتلے کی فلاح ہو جسے انسان کہتے ہیں۔ اور 'انسان' پیارے بچو۔ .... الخ۔"

دیکھتے ہو ایسی تقریر کا کہیں خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ وقت گزارنے کے لئے تحریر یا تقریر کو اس طرح بنانا تمہارے لئے بہت آسان ہے۔ مگر انکی جان پر آبنی ہے جنکو پڑھنا یا سننا پڑتا ہے۔

تاہم یہ برائی اس قدر عام ہے کہ تم دنیا کی تصانیف کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہو۔ ان دو میں سے چھوٹا حصہ تو ان کتابوں پر مشتمل ہے جنکے مصنفوں کے پاس کوئی کہنے کے قابل بات تھی انہوں نے اپنی زندگی میں کچھ سیکھا تھا، دیکھا تھا، یا کیا تھا جسے وہ دوسروں کے گوش گزار کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے گوش گزار کیا۔ ان کی کتابیں تعداد میں ساری دنیا کی کتابوں کا بیسواں حصہ ہوں تو ہوں مگر پڑھنے کے قابل کتابیں اسی حصہ میں ہیں۔ باقی دوسرا حصہ محض خرافات سے پر ہے۔

مضمون نویسی کا پہلا قاعدہ یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں لکھنا ہے اس کو اچھی طرح سوچ لو۔ دوسرا یہ ہے کہ جو کچھ لکھنا ہے اسے کم و کاست لکھدو کوئی بات بلا ضرورت نہ بڑھاؤ نہ گھٹاؤ۔ تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ اپنی زبان استعمال کرو۔ اس کے لئے تمہیں چاہئے کہ اپنی روزمرہ کی زبان کو سدھارو۔ اگر تمہاری روزمرہ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں خط یا مضمون لکھا جائے تو وہ بول چال میں بھی استعمال ہونے کے قابل نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ بہترین عبارت وہی سمجھی جاتی ہے جو ایسی عمدہ روزمرہ میں ہو کہ پڑھی جائے تو معلوم ہو کہ کوئی پڑھ نہیں رہا ہے بات کر رہا ہے۔ ثقیل اور بڑے بڑے لفظوں سے ہمیشہ بچو اور آسان اور چھوٹے الفاظ استعمال کرو یہ نہ سمجھو کہ زور فقط بڑے بڑے لفظوں ہی میں ہوتا ہے اور چھوٹے چھوٹے الفاظ بالکل پھسپھسے ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ عبارت میں بڑے بڑے لفظوں کے ذریعہ مصنوعی زور پیدا کرنے کی کوشش اکثر اوقات اثر کو بالکل ضائع کر دیتی ہے۔ جس نے کسی کو خوف یا مصیبت میں چلاتے اور دہائیں مانگتے سنا ہے اس سے پوچھو کہ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے لفظوں میں کیسا اثر ہوتا ہے۔ زور خیال میں اور بناوٹ سے پاک عبارت میں ہوتا ہے نہ کہ ثقیل لفظوں اور سجے سجائے جملوں میں۔

چھوٹے چھوٹے لفظوں میں فقط زور ہی نہیں ہوتا بلکہ شگفتگی بھی ہوتی ہے اور رقت و درد انگیزی بھی۔ یہ رزم کے لئے بھی اتنے ہی موزوں ہیں جتنے بزم کے لئے اور اسی قدر حالات غم و الم کے لئے۔ طوفانوں اور جنگوں کے حالات، لہروں کا کوہستانی ساحلوں سے ٹکرانا۔ ہوا کے جھکڑ سے درختوں کا اکھڑ اکھڑ کر گرنا، توپوں کی گرج، خون آلود میدانوں میں زخمیوں کی چیخ و پکار۔ یہی چیزیں ہیں جنکا نقشہ چھوٹے اور آسان لفظوں میں کھینچا جا سکتا ہے بلکہ عیش و نشاط کے افسانوں اور رقص و سرود کے واقعات کا تذکرہ اور بیماروں کی کراہ اور نوحہ گروں کے ماتم کا بیان بھی ایسے ہی لفظوں میں عمدگی سے کیا جا سکتا ہے۔

بچوں کے صفحے

دنیا کے سب سے بڑے جانور

خشکی کے جانوروں میں سب سے بڑا ہاتھی ہے ۔ سمندری جانوروں میں وہیل ہے اور پرندوں میں شتر مرغ ۔ ہاتھی تو سب نے دیکھا ہوگا مگر وہیل اور شتر مرغ کا فقط نام سنا ہوگا ۔ مناسب ہے کہ ان سب کا کچھ حال بیان کیا جائے ۔

ہاتھی

ہاتھی ایشیا اور افریقہ کے نہایت ہی گھنے جنگلوں میں پایا جاتا ہے ۔ ایشیا میں سیلون خاص طور سے جنگلی ہاتھی کے لئے مشہور ہے ۔ اس خوبصورت جزیرے میں بہت بڑے بڑے جنگل ہیں جنمیں ہزاروں ہاتھی رہتے ہیں ۔ یہ جنگل اتنے گھنے ہیں کہ ان کے بعض بعض حصے روز روشن میں بھی بالکل تاریک رہتے ہیں ۔ ہاتھی جنگل کے انہیں حصوں کو پسند کرتا ہے جو بہت گھنے اور تاریک و ٹھنڈے ہوتے ہیں ۔ یہاں وہ دن بھر کھڑا کان ہلا ہلا کر یا درختوں کی ٹہنیوں سے پنکھے کا کام لیکر مکھیاں اڑایا کرتا ہے ۔

وہ نہانے کا بڑا شائق ہوتا ہے اور کسی جھیل یا چشمہ کے قریب رہنا زیادہ پسند کرتا ہے جسکے اندر گھٹنوں گھٹنوں کھڑا ہو کر سونڈ میں پانی لے لے کر اپنے سارے جسم پر چھڑکا کرتا ہے ۔

یہ ان پھلوں کو بہت شوق سے کھاتا ہے جو جنگل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن پتے اور پتلی ٹہنیاں بھی اس کی غذا ہیں ۔ اس کو جنگل میں اپنے لئے کافی خوراک ملجاتی ہے اگرچہ بعض اوقات وہ صرف اسی پر قناعت نہیں کرتا ۔

جب چاول اور دوسرے غلوں کی فصل تیار ہوتی ہے تو وہ کبھی کبھی بہت نقصان پہونچاتا ہے رات کے وقت جنگل سے نکلکر کسی کھیت یا باغ میں جا گھستا ہے وہاں پہونچکر جتنا کھا سکتا ہے کھاتا ہے اور اس سے زیادہ روند کر خراب کر دیتا ہے ۔ دوسرے دن بیچارا مالک آ کر اپنی محنت کی بربادی دیکھتا اور رو کر بیٹھ کر چلا جاتا ہے ۔

اگر کبھی ہاتھیوں کا جھنڈ چلتا ہے تو سب سے زیادہ عمر والا ہاتھی آگے رہتا ہے بچے اور مادہ ہاتھی بیچ میں رہتے ہیں تاکہ حفاظت رہے ۔ چلتے وقت درختوں کی شاخوں کو جھکاتے اور توڑتے جاتے ہیں ۔ ان کے چلنے کی آواز سے بڑا شور ہوتا ہے ۔ اگرچہ ہاتھی عموماً کسی کو نقصان نہیں پہونچاتا مگر کوئی ہاتھیوں کے جھنڈ پر جبکہ وہ جنگل سے گزر رہا ہو حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا ۔

ایشیا میں ہاتھی کو سدھا کر کے اس سے کام لیا جاتا ہے ۔ کبھی افریقہ کا ہاتھی بھی سدھایا جاتا تھا ۔ پرانے زمانہ میں سپاہی افریقہ کے ہاتھیوں پر بیٹھ کر میدان جنگ کو جاتے تھے ۔ مگر آج کل وہاں کا ہاتھی زیادہ تر قیمتی دانتوں کی خاطر شکار کیا جاتا ہے ۔

سیلون میں ہاتھی اس طرح پکڑے جاتے ہیں کہ جنگل کے قریب ایک بہت بڑی چہار دیواری درختوں کے موٹے موٹے تنوں کی تعمیر دی جاتی ہے ۔ چہار دیواری کے اندر کی زمین کافی بڑی رکھی جاتی ہے ۔ بعض اوقات تو یہ کئی کئی میل لمبی چوڑی ہوتی ہے ۔ چہار دیواری میں بہت سے دروازے رکھے جاتے ہیں تاکہ ہاتھی اندر ہنکائے جاسکیں ۔

جب چہار دیواری مکمل ہو جاتی ہے تو جس جگہ ہاتھی کا جھنڈ ہوتا ہے اس کے تین طرف بڑی روشنی کیجاتی ہے ۔ پہلے یہ روشنی دور ہوتی ہے مگر پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوتی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ ہاتھی سوائے ایک کے اور ہر سمت روشنی سے گھر جاتے ہیں ۔ روشنی کے پیچھے آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے جو چمکدار لاٹھیوں اور نیزوں سے مسلح ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ اپنی اپنی لکڑیاں زمین پر ٹپکتے اور شور و غل کرتے جاتے ہیں تاکہ جتنا ہو سکے ہاتھیوں کو خوف زدہ کریں ۔

اس بلا کو دیکھکر ہاتھی بھاگنا چاہتے ہیں ۔ ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے اور سب کے سب بدحواس اسی طرف دوڑ پڑتے ہیں ۔ وہ راستہ انہیں چہار دیواری کی طرف لیجاتا ہے ۔ جب وہ اس کے اندر گھس جاتے ہیں تو دروازہ کو مضبوطی سے بند کر دیا جاتا ہے ۔

قید ہو جانے کے بعد ہاتھی ایک ایک کر کے نکالے جاتے ہیں ۔ اس موقع پر سدھے کئے ہوئے ہاتھیوں سے ' جو خود بھی اسی طرح پکڑے گئے تھے ' امداد لیجاتی ہے ۔

جب ایک ہاتھی نکال لیا جاتا ہے تو دروازہ پھر مضبوطی سے بند کر دیا جاتا ہے۔ ہاتھی نکال کر بڑے غیظ و غضب میں ادھر ادھر دوڑتا ہے لیکن سیدھے کئے ہوئے ہاتھی آکر اس کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اپنی سونڈ سے تھپتھپاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمجھا بجھا رہے ہیں۔

سیدھے کئے ہوئے ہاتھیوں کے آجانے سے جنگلی ہاتھی کی حالت میں ذرا سکون پیدا ہو جاتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ بڑھتے ہیں آکر ان کے پیچھے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چلتے چلتے کسی مضبوط درخت کے قریب پہنچ کر سب رک جاتے ہیں یہاں شکاری بہت ہی قریب آکر کسی نہ کسی ترکیب سے جنگلی ہاتھی کے پیر میں رسا باندھ دیتے ہیں اور رسے کے دوسرے سرے کو درخت سے لپیٹ کر باندھ دیتے ہیں۔ جب جنگلی ہاتھی اس طرح مضبوطی سے بندھ جاتا ہے تو اس کے جھوٹے دوست اس کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے جانا چاہتا ہے۔ مگر جب دیکھتا ہے کہ نہیں جا سکتا تو چلاتا ہے اور درخت سے اس طرح لڑتا ہے گویا اس کو گرا دے گا۔

اب اسے ناریل اور پتوں کی ایک بڑی مقدار کھانے کے لئے دیجاتی ہے۔ پہلے تو وہ غصہ کے سبب نہیں کھاتا بلکہ چارہ کو ادھر ادھر پھینکتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد جب بھوک سے بیتاب ہوتا ہے تو جتنی اچھی اچھی چیزیں شکاری دیتے ہیں کھا لیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مانوس ہونے لگتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد ایسا ہو جاتا ہے کہ اس سے ہر قسم کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے تمام ہاتھی ایک ایک کرکے نکالے اور سیدھے کئے جاتے ہیں۔

وھیل

تم یہ معلوم کرکے تعجب کروگے کہ اگرچہ وھیل سمندر میں رہتی ہے مگر یہ مچھلی کی قسم سے نہیں ہے بلکہ چوپائے کی قسم سے ہے۔ کسی زمانہ میں یہ رہتی بھی خشکی میں تھی مگر خشکی پر کافی غذا نہ ملنے کی وجہ سے اس کو سمندری جانوروں سے اپنا پیٹ بھرنے کی ضرورت پیش آئی اور رفتہ رفتہ اس نے سمندر ہی کو اپنا گھر بنا لیا۔ اب بھی اس کے جسم کی ساخت اور عادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک قسم کا چوپایہ ہے۔ اس کے چار پیر ہوتے ہیں۔ مچھلی کی طرح انڈا دینے کے بجائے چوپایوں کی طرح بچے جنتی ہے اور ان کو دودھ پلاتی ہے۔ پانی کے اندر زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکتی اور سانس لینے کے لئے گھڑی گھڑی پانی کے اوپر آتی رہتی ہے۔

وھیل کی جسامت بہت بڑی ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی عام طور سے چالیس سے ساٹھ فیٹ تک ہوتی ہے اور سر جسم کا تقریباً ایک تہائی ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر شمالی سمندروں یعنی بحر منجمد (Arctic Ocean) میں پائی جاتی ہے۔ اس کی چربی بہت قیمتی ہوتی ہے اور اسی کے لئے وھیل کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس کے منہ کی ہڈی بھی بڑے کام کی ہوتی ہے۔ ایک وھیل کے منہ کی ہڈی تقریباً نصف ٹن (۱۴ من) وزنی ہوتی ہے اور اس کی قیمت پندرہ سے لیکر بیس ہزار روپے تک۔

ہر سال شمالی سمندروں میں وھیل کے شکار کے لئے جہاز بھیجے جاتے ہیں۔ شکار فولادی نیزے سے کیا جاتا ہے جسے انگریزی میں ہارپون (Harpoon) کہتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں ملاح کشتی قریب لیجاکر وھیل پر ہاتھ سے نیزے پھینکتے تھے مگر اب مشین کے ذریعہ پھینکے جاتے ہیں۔ یہ لمبے رسوں میں بندھے رہتے ہیں جنکی لمبائی چار ساڑھے چار سو گز تک ہوتی ہے۔

جب وھیل کے جسم میں نیزہ جاکر گھستا ہے تو فوراً پانی میں غوطہ مار کر جتنی دور ممکن ہوتا ہے بھاگتی ہے۔ مگر چونکہ نیزے کا رسا جہاز میں بندھا ہوتا ہے اس لئے شکاریوں کی گرفت سے آزاد نہیں ہوتی۔ کچھ دیر تک پانی میں رہنے کے بعد اس کو سانس لینے کے لئے دوبارہ اوپر آنا پڑتا ہے۔ جیسے ہی اوپر آتی ہے اس پر دوسرا نیزہ پھینکا جاتا ہے۔ نیزہ کھا کر پھر غوطہ مار لیتی ہے مگر تھوڑی دیر بعد نشانہ بننے کے لئے پھر اوپر آجاتی ہے۔

اس طرح زخم پر زخم کھا کر درد کی تکلیف اور بہت سا خون نکلجانے سے بالکل بیدم ہو جاتی ہے اور بالآخر اپنے آپ کو شکاریوں کے حوالے کر دیتی ہے۔ اب شکاری بہت ہی قریب آکر اس پر مزید نشانہ بازیاں کرتے ہیں یہانتک کہ اسمیں جان بالکل نہیں رہجاتی۔ تب اسے جہاز پر لاتے ہیں اور اس کی نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آگ پر چڑھا چربی نکال لیتے ہیں۔ جب شکار کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو اس کی چربی پیپوں میں بھر بھر کر فروخت ہونے کے لئے بازاروں میں بھیجی جاتی ہے۔

شترمرغ

اس چڑیا کے قد کی اونچائی دس فیٹ تک ہوتی ہے۔ اس کے جسم اور گردن کی شکل اونٹ سے ملتی جلتی ہے۔ اونٹ ہی کی طرح ریگستان میں رہتی اور عرصہ

تک بغیر پانی کے گزارہ کرسکتی ہے۔ اسی لئے "شتر مرغ" کہلاتی ہے۔

شتر مرغ دوسری چڑیوں کی طرح اڑ نہیں سکتا کیونکہ اس کے بازو بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر دوڑتا بہت تیز ہے اور دوڑنے میں اپنے بازو سے بہت مدد لیتا ہے۔ اس کی رفتار کا مقابلہ تیز سے تیز گھوڑا بھی نہیں کرسکتا۔

اس کا وطن عرب اور افریقہ کے ریگستانی مقامات ہیں۔ یہ اپنا آشیانہ ماند میں بناتا ہے۔ وہیں اس کی مادہ انڈے دیتی ہے جو تعداد میں دس بارہ ہوتے ہیں۔ اپنی ماند کی یہ بڑی نگرانی کرتا ہے۔ مادہ رات کو ہمیشہ انڈے پر بیٹھی رہتی ہے اور دن میں بھی انسے سخت گرمی ہی کے وقت الگ ہوتی ہے

اس کے انڈے طرح طرح سے پکا کر کھائے جاتے ہیں بعض لوگ تو ان کے بہت ہی شائق ہوتے ہیں۔ انڈوں کے چھلکوں سے پیالے اور مختلف قسم کے زیورات بنائے جاتے ہیں۔

شتر مرغ کا شکار اکثر گھوڑے پر بیٹھ کر کیا جاتا ہے۔ یہ جانور اتنا تیز رفتار ہوتا ہے کہ اگر اسمیں ایک عیب نہ ہوتا تو کبھی شکاریوں کے ہاتھ نہ آتا۔ وہ عیب یہ ہے کہ شتر مرغ کبھی سیدھا نہیں دوڑتا بلکہ ادھر ادھر مڑ کر پیچ دیتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ شکاری اس عیب سے واقف ہوتے ہیں۔ بس وہ اس کو دائیں بائیں پیچ کھانے دیتے ہیں اور خود گھوڑا سیدھا بھگاتے ہیں۔ اس طرح وہ آسانی سے شتر مرغ کے برابر رہ سکتے ہیں کیونکہ شتر مرغ اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے گھوڑے پر جو فوقیت رکھتا ہے اس کو وہ پیچ در پیچ راستہ اختیار کرکے ضائع کردیتا ہے۔

اس کے باوجود بھی شتر مرغ کے تعاقب میں بعض اوقات کئی کئی دن لگ جاتے ہیں مگر چونکہ وہ گھوڑے کے اتنا مضبوط نہیں ہوتا اس لئے بالآخر تھک کر ہار جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب بھاگ نہیں سکتا تو پلٹ کر شکاری پر حملہ کردیتا ہے مگر شکاری کی تدبیروں سے مغلوب ہوجاتا ہے۔

افریقہ کے حبشی تیروں سے بھی شتر مرغ کا شکار کرتے ہیں۔ ان میں کا ایک شخص اسی چڑیا کے پروں کا لباس پہنکر اس جگہ کے قریب جاتا ہے جہاں شتر مرغ کا جھنڈ ہوتا ہے۔ جب شکار تیر کی زد میں آجاتا ہے تو مار کر گرا لیا جاتا ہے۔ حبشیوں کا نشانہ بہت کم خطا کرتا ہے۔

کسی سیاح کا بیان ہے کہ ایک ایسا شتر مرغ اس کی نظر سے گزرا جو انسانوں سے بے حد مانوس ہوگیا تھا حتیٰ کہ ایک چھوٹے سے لڑکے کو اسکی پیٹھ پر بٹھا دیا گیا تو وہ ذرا بھی نہ بھڑکا بلکہ اسے لیکر دوڑنے لگا۔ پہلے تو اسکی رفتار آہستہ رہی پھر پر پھیلا کر گھوڑ دوڑ کے صبا رفتار گھوڑے کی مانند تیز چکر لگانے لگا۔

آسمانی تحفہ

(افسانہ)

کسی زمانہ میں شہر بنارس کے ایک مندر کے صحن میں ایک عجیب و غریب طلائی طشتری آسمان سے نازل ہوئی۔ اس پر یہ الفاظ کندہ تھے:۔

"بنی نوع انسان کو سب سے بڑھکر چاہنے والے کے لئے آسمانی تحفہ"

دوسرے دن مندر کے پروہتوں نے شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ روزانہ دوپہر کو ایسے لوگ مندر میں آکر جمع ہوں جو اپنی نیک کرداری کے صلہ میں اپنے آپ کو اس آسمانی تحفہ کا سب سے بڑھکر مستحق سمجھتے ہوں۔ ان کے رحم و کرم کی کارنامے سنے جائیں گے پھر فیصلہ کیا جائیگا۔

یہ خبر بہت جلد چاروں طرف پھیل گئی اور ہر جگہ سے امرا، فقرا، ملایہ، درویش دہقان غرضیکہ ہر قسم کے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ یہ سب لوگ اپنی فیاضی یا دوسرے شاندار کاموں کے سبب مشہور تھے۔ پروہت روزانہ اجلاس کرتے اور ہر ایک سے سنتے کہ اس نے آسمانی تحفہ کا مستحق بننے کے لئے کیا کیا ہے۔

اس طرح ایک سال گزر گیا۔ طلائی طشتری کے دعویدار آتے اور چلے جاتے بالآخر پروہتوں نے تمام لوگوں کے کارناموں کا مقابلہ کرنے کے بعد ایک ایسے آدمی کو تحفہ کا مستحق قرار دیا جو بنی نوع انسان کا سب سے زیادہ چاہنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک سال کے اندر اپنی تمام جائیداد غریبوں کے اندر تقسیم کردی تھی۔ وہ آدمی خوشی سے لرزتا ہوا طلائی طشتری کو لینے کے لئے بڑھا مگر جوں ہی اس نے ہاتھ لگایا طشتری سیسے کی طرح سیاہ پڑگئی۔ تمام لوگ ششدر رہ گئے۔ اس بدنصیب نے طشتری کو فرش پر ڈال دیا گرتے ہی اسکی اصلی آب و تاب واپس آگئی۔

دوسرا سال بھی یوں ہی اجلاس کرتے گزرا۔ تین بار پروہتوں نے فیصلہ کیا تینوں بار قدرت کی جانب سے رد ہوا۔ اس درمیان میں بہت سے اپاہج بھکاری مندر کے دروازہ پر آآکر جمع ہوگئے تھے تاکہ لوگوں کے رحم و ہمدردی کو اپنی طرف مائل کریں۔ ان بھکاریوں کے لئے یہ اچھا موقع پیدا ہوگیا تھا

کیونکہ مت رہیں جو کوئی … وہ ضرور کچھ نہ کچھ خیرات کرتا کہ خدا کے نزدیک محبت کے معیار میں پورا اترے۔ اسطرح فقیروں کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر دن بھر سکوں کی بارش ہوتی رہتی۔ مگر خیرات کرنے والوں میں سے کوئی انسان نکلا جو نعمت … بھکاریوں کو اس لائق سمجھتا کہ ان پر ایک نظر بھی ڈالے اور ان کی حسرت بھری نگاہوں کو دیکھے۔

اب دوسرا سال بھی ختم ہونے کو آیا … ہو … طلائی طشتری دینا … جیسے کی طرح … آخر ایک معمولی دہقان کا اس طرف گذر ہوا وہ مندر میں کوئی منت اتارنے آیا تھا اور طلائی طشتری کیلئے … رہا تھا … بالکل بے جیب تھا … جب وہ … کی قطار سے گزرا تو اس کی ان بھکاریوں پر پڑی … ترس آیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

دروازہ کے بالکل ہی قریب ایک … بیٹھا … طشتری کی جھلک دکھائی دی تھی۔ لوگوں کو … دیکھکر بڑی … ہو رہی تھی … جب وہ دہقان اس کے قریب پہنچا تو اس کے … چہرہ اور کانپتے ہوئے … ہاتھوں کو دیکھکر آگے نہ بڑھ سکا اور وہیں بیٹھ … دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر بولا "اے برادر اپنی مصیبت کو صبر … کے ساتھ برداشت کر اللہ تجھ پر رحم کریگا" یہ کہکر وہ اٹھا اور مندر کا … ہوا اس جگہ پہونچا جہاں لوگ … دستوں کے سامنے اپنے رحم و کرم کے کارنامے بیان کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک افسردگی کے ساتھ لوگوں کی باتیں سنتا رہا پھر وہاں سے لوٹنے لگا لیکن … پروہت کے ہاتھ میں طشتری تھی … کے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ اس نے دہقان کو اپنے پاس بلایا۔ دہقان حکم کی تعمیل میں چلا تو گیا مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیوں بلایا گیا ہے۔ اسکے بعد پروہت نے … سے ہاتھ بڑھا کر طشتری … لیا۔ لوگوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ طشتری کی چمک پہلے سے دوگنا سہ گنا ہو گئی۔ "بیٹا" پھر پروہت نے کہا "خوش ہو تو ہی طلائی تحفہ کا مستحق تو ہے۔ بنی نوع انسان کو سب سے بڑھکر تو ہی چاہتا ہے"

بچوں میں حجاب و خودداری کی عادت

اکثر بچے اپنے خاندان سے باہر نکلکر حد سے زیادہ حجاب کی وجہ سے خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی نظروں میں غیر معروف بھی رہتے ہیں۔ مہمانوں کے سامنے رونے لگتے ہیں اور دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں شرماتے اور کھسیاتے ہیں۔ اور اگر کبھی ہوا خوری کے دوران میں ان کو اپنے والد کا کوئی دوست ملجاتا ہے تو بالکل خاموش ہو جاتے ہیں یا رونے لگتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ حجاب ایسا حجاب نہیں ہے جیسا کہ ایک سمجھدار بچے کو ذرا بڑی عمر میں ہوتا ہے۔ دو سال کی عمر کے شرمیلے بچے میں اجنبی آدمی سے علیحدہ رہنے کی عادت خود بخود نہیں آتی۔ وہ اپنی ماں یا دایہ کی نگرانی میں رہتا ہے اور ان ہی سے مانوس ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی دوسرا شخص اس کی توجہ اپنی طرف پھیر لیتا ہے تو اس میں رشک کی آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ اجنبی شخص کی موجودگی گوارا نہیں کرسکتا یا رشک کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اور اپنے اس جذبہ کو رو رو کر ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ہوا خوری کے دوران میں جب وہ چلتے چلتے روک دیا جاتا ہے تو اپنی ناراضگی کا اظہار کرتا ہے اور کبھی کبھی تو ایک خاص شخص سے اس کو نفرت ہو جاتی ہے۔

بہرحال رفتہ رفتہ بچہ اس حرکت کو اچھا خیال کرنے لگتا ہے اور پھر اس کی عادت ہو جاتی ہے لیکن اگر فوراً اس سے کہہ دیا جائے کہ یہ حرکت نازیبا ہے اور یہ کہ اگر وہ پھر کبھی کسی کے سامنے اس طرح رویا تو فوراً مکان کو واپس کردیا جائے گا تو پھر ایسی حرکت ہرگز نہ کرے گا۔ اسی طرح وہ بچہ جو بالکل خاموش رہتا ہے اور کسی کی بات کا جواب نہیں دیتا اس کو بتا دینا چاہئے کہ یہ بدتمیزی ہے اور ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ جب بچہ پر مہربان ہوتے ہیں تو اس کو غصہ دلا دیتے ہیں اور پریشان کرتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو ایسی باتوں سے بچہ کو بچایا جائے۔ اس کو کام لگا دیا جائے یا کوئی تصویروں کی کتاب دیکر علیحدہ بٹھا دیا جائے۔ مہمانوں سے صاحب سلامت کرا دیجائے۔ والدین کو بھی لازم ہے کہ بچہ کو ہر بات پر نہ ٹوکیں۔ جو بچہ مہمانوں سے دور دور رہے گا اس میں … دلکش عادات پیدا نہ ہوں گے اور صحبت میں اس کو گھبراہٹ آئے گی۔

(م۔ ر۔ ب۔ ممتاز)

غلط محاکمہ

ممالک متحدہ امریکہ کے ایک غیر آباد مقام میں ایک دلدل کے قریب ہی ا

سرائے تھی۔ ایک روز شام کے وقت ایک مسافر ادھر آنکلا۔ اُس نے سرائے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور رہنے کے لئے جگہ مانگی۔ مالک سرائے نے اس نووارد شخص کو بغور سر سے پیر تک دیکھا اور پھر جھجک کر کہا کہ افسوس میں آپ کو اپنی سرائے میں نہیں ٹھہرا سکتا آپ کسی وبائی مرض میں مبتلا ہیں۔ اس کا اثر میرے اہل و عیال پر بھی پڑے گا اور مفت میں میری بیوی بچے بھی مبتلا ہو جائیں گے دیکھو یہ تمہارے منہ اور ہاتھ پر مرض کے نشان موجود ہیں۔ مسافر نے کہا میرا منہ اور ہاتھ ـــ ؟ ہا میں سمجھا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور میں آپ کو سمجھائے دیتا ہوں کہ جس کو وبائی مرض کے نشانات سمجھ رہے ہیں وہ دراصل وہ دوڑے ہیں جو اس دلدل کے مچھروں نے کاٹ کاٹ کر میرے منہ اور ہاتھ پر ڈال دیئے ہیں۔ میں علم نباتات کا ماہر ہوں اور یہاں دلدل میں ایسی ریسرچ کر رہا ہوں۔ کچھ کمیاب پودے مجھے جمع کرنے مقصود ہیں مالک سرائے کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کا مخاطب مشہور ماہر علم نباتات مسٹر ٹامس نٹل ہے تو اس نے اپنے اس غلط محاکمہ کی معذرت خواہی کی اور بڑے اعزاز سے سرائے میں جاکر ٹھہرایا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ ہمیشہ نتیجہ نکالنے سے پہلے ہر قسم کا اطمینان ہر پہلو پر نظر ڈال کر کرلینا چاہیئے۔ بسا اوقات جلد بازی اور غلط اندازہ سے بڑی خفت اور بڑا نقصان و خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے۔ میں دو ایک واقعے تفصیلاً اور تمہارے سبق اور دلچسپی کے لئے درج کرتی ہوں تاکہ تم بھی اس عادت کو بچو۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ہمارے قصبہ مارہرہ میں عرس کے زمانہ میں بڑا میلہ لگتا ہے اور اس میلہ میں بڑا اژدحام ہوتا ہے۔ اس جم غفیر میں ایک نابینا بھی قسمت کا مارا موجود تھا۔ اتفاق سے اُس کا پاؤں ایک منچلے رئیس زادے کے پیر پر پڑ گیا۔ اس بدمزاج نوجوان نے فوراً ہی ۔۔ بے دیکھے بھالے اس غریب کے ۔ زور سے مکا رسید کیا کہ اس صدمے کے اثر سے وہ وہیں بیٹھ گیا لیکن اس نابینا نے صرف یہی کہا ہوگا کہ "حضرت آپ کو اپنے اس فعل پر یہ معلوم کرکے خود ہی ندامت ہونی چاہیئے کہ میں آنکھوں سے معذور ہوں۔"

اس رئیس زادے کا چہرہ شرم سے زرد ہوگیا اور اُس پر ان الفاظ کا بڑا اثر پڑا۔ اُس نے اپنی جلد بازی میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ شخص کوئی بدتہذیب اور بے تمیز آدمی ہے جسے اس سزا کے ساتھ بہتر آداب سکھانے کی ضرورت ہے۔

ایک اور مشہور واقعہ اسی قسم کا ہے جو اکثر ریڈروں اور ایسی ہی درسی کتابوں میں بھی درج ہے۔ یہ واقعہ ویلز کے شہزادے لیولن اور اس کے کتے کا ہے۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ ہر شکاری بارہ سنگھوں کا شکار کھیلنے کیلئے شکاری کتے پالا کرتا ہے۔ شہزادہ لیولن بھی بارہ سنگھے کے شکار کا شوقین تھا۔ اُس نے بھی ایک کتا اسی غرض سے پالا تھا۔ کتا فطرتاً وفادار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کتا بھی اپنے آقا سے ایسی ہی محبت رکھتا تھا اور اس کا فطری جوہر وفاداری اس میں بھی پورے طور پر موجود تھا۔

ایک دن جب شہزادہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کو جانے کیلئے تیار ہوا تو اُس نے اپنے کتے کو بھی آواز دی لیکن خدا معلوم اس کا محبوب کتا گیلرٹ کہاں تھا کہ متعدد مرتبہ آوازیں دینے پر بھی نہ آیا۔ آخر کار شہزادہ اپنے دوستوں کی معیت میں کتے کو ساتھ لئے بغیر ہی چلا گیا۔

اتفاق کی بات کہ اس دن شکار میں کامیابی نہ ہوئی اور اس نے یہ ہی رائے قائم کی کہ گیلرٹ (کتے) کے نہ ہونے کی وجہ سے شکار نہ ملا۔ لیولن کو اب کتے پر غصہ آنے لگا اور جب ناکامیاب اپنے قلعہ کو واپس ہوا تو اُس نے کتے کے مونہہ اور ہونٹ کو خون سے بھرا ہوا دیکھا۔ اس سے یہ اور بھی کھٹکا کہ کیا ماجرا ہے جب یہ اندر کمرے میں داخل ہوا جہاں کہ اس کا شیرخوار بچہ سوتا تھا اور وہاں بھی خون ہی خون فرش اور پلنگ پر پایا تو بڑا حیران ہوا۔ بچہ کو کئی مرتبہ پکارا بھی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اب تو یہ اور بھی خوفزدہ ہوا اور اس نے فی الفور یہ ہی نتیجہ نکالا کہ ہو نہ ہو گیلرٹ نے اُسے مار کر کھا لیا ہے۔ اس نتیجہ پر پہونچتے ہی اس کے غصہ کا پارہ بلند ہوگیا اور اُس نے کتے کو اُسی تلوار سے جو ابھی تک اسی کمر میں لٹک رہی تھی اپنی غلط فہمی سے مار ڈالا۔ گیلرٹ کے درد و کرب کی آواز سے بچہ کی آنکھ کھل گئی جو بکھرے ہوئے کپڑوں کے نیچے زمین پر پڑا تھا۔ لیولن نے بڑی خوشی سے اپنے بچہ کو پیار کیا۔ بچہ کے کہیں کوئی زخم نہ تھا مگر وہیں پلنگ کے نیچے ایک بھیڑیا مرا پڑا تھا۔ اب ان سب باتوں پر غور کرکے لیولن کو بے حد افسوس ہوا کہ کیوں اُس نے اس قدر جلد بازی کی اور اپنے محبوب کتے کو باوجود اُس کی وفاداری کے اپنے ہی تیغ سے اپنے ہاتھوں ذبح کر ڈالا۔

اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ہم سب کو ہر ایک معاملہ پر ایک بار اور دو بار بلکہ تین تین اور چار چار بار غور کرنا چاہیئے کیونکہ جو رائے جلد قائم کیجاتی ہے وہ اکثر غلط ہوتی ہے اس بارے میں ہم سبکو حتی الامکان محتاط ہونا چاہیئے (م۔ب صاحبہ)

آٹھویں انعامی معمہ کا نتیجہ

آٹھویں معمہ کے جوابات کے لئے اگرچہ دفعہ بہت ہی کم تھا لیکن پھر بھی لا کی تعداد میں جوابات موصول ہوئے۔ دو تین تصویریں بھی مبہم سی تھیں مگر باینہمہ ۸ حل صحیح تھے اور باقی جوابات میں صرف ایک ہی لفظ کی غلطی تھی۔ ہمیں حقیقت میں ناظرین و ناظرات "پیام" کی اس دلچسپی کو دیکھکر بڑی ہی مسرت ہوئی اور ہماری کوشش انشاءاللہ ہمیشہ رہیگی کہ ہم اپنی محترم ناظرات و ناظرین کی اس دلچسپی اور شوق کو قائم رکھیں۔

اس معمہ کا حل حضرت ثاقب مرحوم لکھنوی کا شعر

"چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ ادہر کا بھی اشارہ چاہیئے"

ہے۔ صحیح حل بھیجنے والوں کے نام گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) احمد علی صاحب طالب علم درجہ ششم دفتر خلافت علی گڑھ (۲) احمد عباس صاحب بنگالی کوٹھی نمبر ۱ علی گڑھ (۳) مسٹر نورالحسن صاحب یکّا بازار بستی (۴) حفیظ اللہ خاں صاحب کلکٹری ضلع بستی (۵) زرخ صاحبہ بنت منشی نعمت الٰہی صاحب نعمانی تحصیلدار اچھاور (بھوپال)، (۶) مصور حسرت حمید الحق صاحب نامی نگرامی (۷) مسٹر ممتاز احمد صاحب زبیری متعلم بی۔ ایس۔ سی علی گڑھ (۸) ا۔ ب صاحبہ بنت مولوی عبدالوہاب بریلی الہ آباد

انعام کا مستحق بروئے قرعہ اندازی مسٹر نورالحسن صاحب یکّا بازار بستی قرار پائے ہیں جو ہفتہ عشرہ میں ارسال کیا جائے گا۔

گیارہواں انعامی معمہ

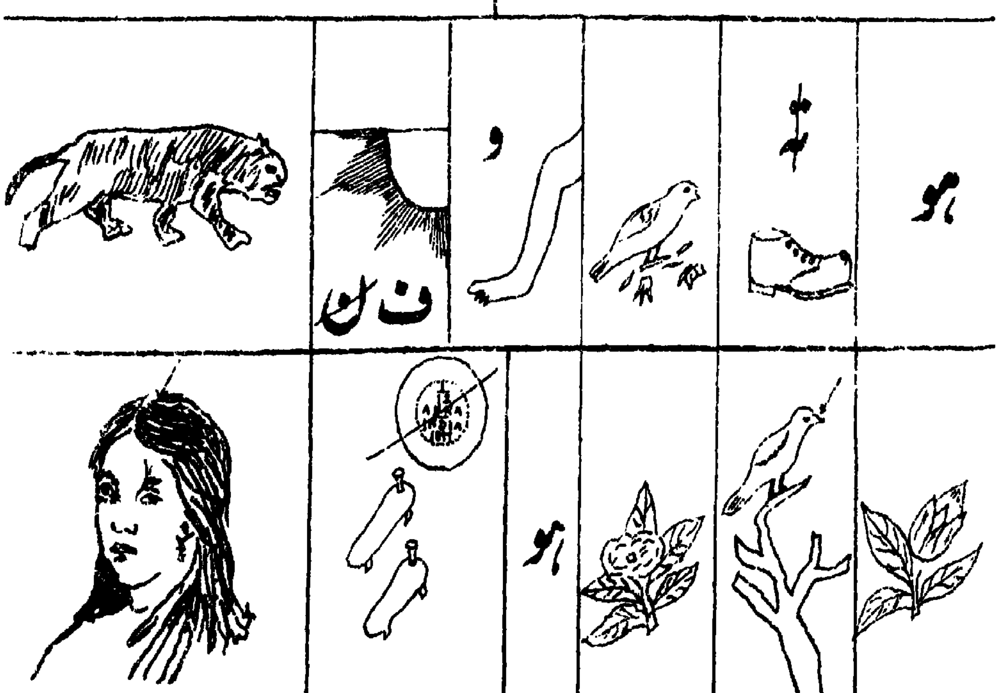
۱۔ اس معمہ کے حل ۱۲ اگست ۳۵ء تک وصول ہو جانے چاہئیں

۲۔ معمہ کے جوابات "م۔ ب صاحبہ ممتاز مارہروی اہلیہ جناب محمد رفیع الدین صاحب زبیری معرفت جناب منشی نعمت الٰہی صاحب تحصیلدار اچھاور ریاست بھوپال" بھیجے جائیں۔

۳۔ ہر جواب کے ہمراہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنا لازمی ہے

۴۔ فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔

۵۔ انعام:۔ پہلا قیمتی ۳ روپیہ دوسرا قیمتی دو روپیہ دو علیحدہ علیحدہ صحیح جواب بھیجنے والوں کو دیا جائے گا۔



باہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر زیر اہتمام مسٹر محمد مجیب بی اے آکسن جامعہ ملیہ پریس دہلی میں چھپکر دفتر پیام تعلیم قرولباغ دہلی سے شائع ہو

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ عا؍

ششماہی ۱۲؍

فی پرچہ ۱؍

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ ۱۰؍

نصف صفحہ ۶؍

چوتھائی صفحہ ۴؍

ایڈیٹر: سید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

جلد ۵ | ۷ اگست سنہ ۱۹۲۸ء | نمبر ۷

شذرات

نیشنل اسکول رنگون

رنگون کا اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول جو جامعہ ملیہ سے ملحق ہے، ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے کہ وہاں کے اساتذہ اور کارکنان نے جب جامعہ پر کوئی مصیبت کا وقت پڑا ہے، اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق نہایت فراخ حوصلگی سے ہماری مدد کی ہے۔ ابھی حال میں اسکول مذکور کے ایک استاد مولوی ہارون الرشید صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی کی الوداعی پارٹی تھی جس میں جامعہ کے ان دوردست ہمدردوں نے جامعہ کے لئے گو ایک حقیر لیکن پرخلوص رقم جمع کرکے بھیجی ہے اور اس کے ساتھ مستقل ماہوار چندہ دینے والوں کی بھی ایک فہرست ارسال کی ہے۔ مولوی شہباز خانصاحب جو اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور جنھیں جامعہ سے ایک گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے دراصل اس تحریک ہمدردی کے بانی ہیں۔ آپ نے الوداعی جلسہ جیسے سنجیدہ موقعہ پر بھی جامعہ کو نہیں بھلایا اور نہایت پر زور طریقہ سے اس امر کی تحریک کی کہ جامعہ کی موجودہ مالی مشکلات میں اسکول کے کارکنان اور اساتذہ کو اپنی حسب حیثیت کم و بیش مدد کرنی چاہئے۔ چنانچہ اسکول کے معاونین کی فہرست میں سب سے پہلا نام اسکول کے سکریٹری صاحب کا نظر آتا ہے جو پہلے سے بھی جامعہ کے خاص کرمفرماؤں میں ہیں۔ اس جلسہ کی اطلاع ہمیں اس وقت پہونچی ہے جبکہ پرچہ پورا چھپ چکا تھا صرف شذرات باقی رہ گئے تھے اس لئے اس کی اطلاع کے ساتھ ہم فہرست بھی ذیل میں درج کر دیتے ہیں:۔

(۱) سکریٹری صاحب	للعہ؍	(۲) مولوی شہباز خانصاحب	معہ؍
(۳) مولوی محمد مسلم صاحب	صہ؍	(۴) منشی رفیع الدین صاحب	صہ؍
(۵) نذیر احمد صاحب	ے؍	(۶) یوسف کاکا	ے؍
(۷) زین علی صاحب	عا؍	(۸) مولوی رفیع الدین صاحب افغانی	عہ؍
(۹) عبدالرحمٰن ندوی صاحب	عہ؍	(۱۰) نیاز احمد صاحب	عہ؍
(۱۱) اسمٰعیل قاسم صاحب	عہ؍	(۱۲) گردیا دم صاحب	عہ؍
(۱۳) عبدالحی صاحب	عہ؍	(۱۴) علی احمد خانصاحب (جامعی)	صہ؍

اسکول کے ایک استاد مسٹر عارف حسین صاحب بی۔ اے۔ بی ایل نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق ہر ماہ اپنی خوشی سے ایک مقررہ رقم دیا کرینگے۔

بسم اللہ کی رسم

نجم العارفین صاحب انگریزی دواؤں کے ایک مشہور تاجر ہیں جنہوں نے اپنے بچے کی بسم اللہ کی تقریب میں جامعہ کو ایک سو روپے عنایت کئے ہیں۔ شادی بیاہ اور دیگر خانگی رسمیں ایسی ہیں جنہیں مسلمان اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی کا بیشتر حصہ بے کار صرف کرڈالتے ہیں لیکن اگر وہ ذرا ہوش سے کام لیں اور اپنے اخراجات کے مصرف کی طرف بھی ایک نظر رکھیں تو خانگی تقریبات میں دلچسپی اور سرگرمی کے ساتھ ساتھ وہ بہت سے قومی اور ملی کاموں میں بھی مدد پہونچا سکتے ہیں۔ مولینا محمد علی صاحب اس خوش رسم کے قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دو سال پیشتر اپنے بھانجے کی بسم اللہ کے سلسلہ میں ایک سو روپے نقد جامعہ کو دیے تھے۔ اس کے بعد گزشتہ سال بھی جب مولینا محمد علی صاحب نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں پانچسو روپے جامعہ کو دیے تو اس وقت بڑے بھائی نے اپنے ایک نواسے کی بسم اللہ کی تقریب میں بھی ایک سو روپے دیے۔ ہم نجم العارفین صاحب کی اس عنایت کے بدل ممنون ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ مثالیں مسلمانوں میں روز بہ روز عام ہوتی جائیں گی۔

نئی زندگی

گزشتہ سے پیشتر دو پرچوں میں میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی کہ میری اس نئی زندگی کی خبر پرچہ میں نہ جائے۔ میں اپنے قائم مقام حسین حسان صاحب ندوی کا جہاں اس وجہ سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے تعطیل کے زمانہ میں پرچہ کی تمام ذمہ داریوں سے مجھے آزاد رکھا، وہاں میں اس کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس خبر کو بھی شائع ہونے سے روکے رکھا لیکن میں اپنے دوسرے مخلص اور بہی خواہ دوستوں کو کیا کروں کہ جنہوں نے بالآخر میرے بیو بچے اس خبر کو شائع کرہی دیا۔ اب ایک حد تک یہ بڑی کج خلقی ہوگی اگر میں اپنے اُن بزرگوں اور دوستوں کے شکریہ کا اعتراف نہ کروں جنہوں نے یا تو بذات خود قدم رنجہ فرما کر اس تقریب میں شرکت کی یا اپنے بروقت مبارکباد کے تاروں اور خطوں سے اپنی اس معذوری کی تلافی کی بلاشبہ یہ میری انتہائی خوش نصیبی تھی کہ اس مبارک تقریب میں میرے محترم جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور نیز میرے بعض دوسرے احباب شریک ہوئے۔ میں اپنے ان دوستوں اور عزیزوں کا بھی تہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے تہنیت و مبارکباد کے تار و خطوط بھیجے۔

دیسی تعلیم کا سب سے پہلا حامی

(از ایڈیٹر)

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں اُس وقت آئی جبکہ انہوں نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کا میدان جیتا۔ حکومت کی اصل باگ خواہ اس وقت ہاتھ میں آئی ہو یا اس سے پیشتر، اتنی بات بالکل صاف ہے کہ انگریزوں نے کم سے کم ۵۰ سال تک ہندوستانیوں کی تعلیم جیسے اہم مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ عربی اور سنسکرت علوم و فنون کی تعلیم کا جو قدیم طریقہ انہی زبانوں کے ذریعہ چلا آتا تھا وہ اب بھی بُرے بھلے طریقہ پر جاری رہا۔ لیکن انیسویں صدی کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے پایا تھا کہ انہوں نے اس دروازے سے اس گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ لارڈ ولیم بینٹنگ کا زمانہ تھا کہ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے اپنی وہ مشہور یادداشت پیش کی جسمیں موصوف نے عربی و سنسکرت علوم کی برائیاں اور قدیم طریقہ تعلیم کو دور از کار قرار دیتے ہوئے انگریزی زبان و علوم اور جدید طرز تعلیم کی نہایت شد و مد سے حمایت اور سفارش کی تھی۔ اس زمانہ میں خود حکومت کی طرف سے بھی تعلیمی پالیسی کا نہایت صاف صاف الفاظ میں یہ اعلان کردیا گیا کہ

"حکومت برطانیہ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ ہندوستانیوں میں یورپی علوم و ادب اور سائنس کو رواج دے اور جو کچھ کہ سرمایہ اس غرض کے لئے صرف کیا جائے وہ صرف انگریزی تعلیم پر صرف کیا جائے۔"

اس یادداشت کا شائع ہونا تھا اور حکومت کی طرف سے اس پالیسی کا اعلان ہونا تھا کہ بھڑ کے چھتے میں کسی نے آگ سی لگادی۔ ہندوستانی قدامت پسند تو تھے ہی، اس یکا یک انقلاب اور جدت پسندی کے سامان نے انہیں بھڑکا دیا اور فوراً ان میں اس تحریک کے خلاف ایک جذبہ پیدا ہوگیا اور یہ کوشش شروع ہوگئی کہ دیسی زبان اور علوم کی تعلیم کو ترقی دینی چاہئے۔ حکومت نے انکا منہ بند کرنے کیلئے اگرچہ سنسکرت اور عربی تعلیم کا تھوڑا بہت کچھ سامان کررکھا تھا لیکن وہ عام ضروریات کے لحاظ سے نہ چنداں مفید تھا اور نہ کافی۔ سنسکرت اور عربی علوم کی تحصیل اعلیٰ طبقہ کے لوگ کرسکتے تھے اور بالخصوص وہ لوگ جو ایک

وصہ کی محنت کے بعد ان زبانوں پر قابو پا چکے ہوں، اس لئے کہ عربی اور سنسکرت کبھی یہاں کی عام زبان نہ تھی۔ لہذا حکومت کے اس طفل تسلی سے عوام کے بچوں کی تشنگی تسکین پھر بھی رہ جاتی تھی اور یہ تقاضہ برابر تھا کہ دیسی زبانوں کے ذریعہ دیسی علوم کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۴۴ء میں سب سے پہلی بار سر ہنری ہارڈنگ نے یہ تجربہ شروع کیا اور بنگال، بہار، اوڑیسہ کے اندر ۱۰۱ دیسی مدارس کھولے جنمیں دیسی زبان میں ابتدائی تعلیم دیجاتی تھی۔ چار سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ حالات کی لاعلمی اور اس سے زیادہ ناتجربہ کاری کے سبب سے یہ اسکیم ناکام ثابت ہوئی اور ریونیو بورڈ (مجلس مالیات) کو جس کے ماتحت یہ مدارس تھے اعتراف کرنا پڑا کہ "دیسی مدارس چل نہیں سکتے اور ان کی کامیابی کی آیندہ کوئی توقع نہیں"۔

کم و بیش اسی زمانہ میں ایک دوسرا تجربہ تھامسن صاحب کی نگرانی میں شمالی مغربی صوبہ میں (جسے آج یو۔پی یا صوبجات متحدہ کہتے ہیں) ہو رہا تھا۔ یہاں کی کارروائیوں اور کامیابیوں کی رپورٹ کسی طرح گورنر جنرل کے ہاتھ لگ گئی اور انہوں نے کورٹ آف ڈائرکٹرس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ صوبجات متحدہ کے طرز پر بنگال میں بھی دیسی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب صوبہ بنگال ایک لفٹنٹ گورنر کے ماتحت رکھا گیا تھا۔ فریڈرچ ہیلیڈے سب سے پہلے لفٹنٹ گورنر مقرر ہوئے جو اس عہدہ سے بیشتر کونسل آف ایجوکیشن (مجلس تعلیم) میں بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے ایک نہایت مرتب اور قابل عمل اسکیم گورنر جنرل کے سامنے پیش کی جس میں گزشتہ ناکامیوں کے وجوہ بیان کرتے ہوئے آیندہ کامیابی کا اصل راز بتایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"میں جانتا ہوں کہ ہندوستانیوں کی نگرانی بغیر یورپین کی ماتحتی کے ہمیشہ قابل اعتبار نہیں ہوتی، لیکن پنڈت ایشور چندر ایک غیر معمولی شخص ہیں جنہوں نے اس کام میں نہایت سرگرمی اور جوش کا ثبوت دیا ہے اور میں نہایت خوشی کے ساتھ انہیں اس بات کا موقع دینا چاہتا ہوں کہ وہ تجربہ کریں جس کے نتائج سے انہیں بہت کافی دلچسپی ہے اور جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ انہیں کامیابی ہوگی"۔

آپ نے دیکھا کہ وہ اصل راز کس ذات میں پنہاں تھا؟ — وہ ذات ایشور چندر ودیا ساگر کی تھی۔ چنانچہ جو اسکیم ہیلیڈے صاحب نے گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کی تھی، وہ بھی انہی ودیا ساگر ہی کی بنائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اپنی اس یادداشت میں وہ لکھتے ہیں کہ:-

"مجھے اس اسکیم سے بالعموم اتفاق ہے جو پرنسپل ودیا ساگر کی یادداشت کے ساتھ پیش کیگئی ہے اور میری عین خواہش ہے کہ اس پر عملدرآمد کیا جائے"۔

اس "بحر العلوم" (ودیا ساگر) نے اپنی جو اسکیم پیش کی تھی وہ اس قدر مفصل ہے کہ موجودہ صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے، پھر بھی بطور مقدمہ کے جو باتیں انہوں نے لکھی ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں:-

"دیسی زبان کی تعلیم ایک وسیع پیمانہ اور مضبوط بنیاد پر عین ضروری ہے کیونکہ صرف یہی ایک ذریعہ ہے جس سے عوام کی حالت درست ہو سکتی ہے۔

"صرف معمولی نوشت و خواند اور تھوڑا سا حساب اس تعلیم کا جزو نہ ہونا چاہیئے بلکہ اسے مکمل بنانے کیلئے جغرافیہ، تاریخ، سیرۃ، ریاضی، علم ہندسہ، فلسفہ، اقتصادیات اور نفسیات کا کچھ کچھ حصہ بھی ہونا چاہیئے"۔

اس کے بعد انہوں نے مختلف کتابوں اور دیگر ضروری انتظامات کے متعلق اظہار خیال کیا ہے لیکن صرف ان چند مقدمات ہی سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کے دل میں عوام کی فلاح و بہبود کا کس درجہ خیال تھا اور وہ ان کے بچوں کو معمولی نوشت و خواند کے علاوہ کس قسم کی تعلیم دینا چاہتا تھا۔

ہیلیڈے صاحب کا یہ کہنا کچھ بیجا نہ تھا کہ ودیا ساگر ایک غیر معمولی شخص ہے اور وہ اس کی دور اندیشی اور وسیع النظری کے اسدرجہ قائل ہوگئے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ کام کی ابتدا اُن سے کرائی بلکہ سارا کام اُن کے ذمہ چھوڑ دیا تھا۔ صاحب موصوف کی یہ خواہش "مجلس تعلیم" کے بعض ارکان کو پسند نہ آئی لیکن وہ بھی باوجود اختلاف کے ودیا ساگر کی دور اندیشی اور تجربہ کاری کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہے۔ رام گوپال گھوش نامی ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"اگرچہ میں نے پنڈت ایشور چندر کے دیسی تعلیم کے منہتمم کئے جانے کے خلاف تھوڑے لیس و پیش کے بعد رائے دی ہے پھر بھی میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کا تعلق اس بڑی تحریک سے کسی نہ کسی صورت میں ضرور رہنا چاہیئے۔ کتابوں اور استادوں

کے انتخاب، موقع، درجۂ تعلیم کی تجویز اور دوسرے جزوی معاملات ان کا مشورہ بہت بیش قیمت ثابت ہوگا"۔

یہ خیالات تو ان کے ایک ہم قوم اور ہم وطن کے تھے لیکن ایک غیر ملکی اور بدیشی ممبر کی رائے سنئے:۔

"فی الحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ پنڈت ایشور چندر کسی یورپین سے بہتر ثابت ہوں گے جو اس کام میں لگایا جا سکے اور جو اس نظام کو چلا سکے اور صحیح چلا سکے۔ ان کی اس ملک کی زبان اور یہاں کے لوگوں کے جذبات اور اخلاق سے واقفیت کسی یورپین افسر سے کہیں زیادہ ہوگی۔ ملکی علوم اور اس کے ساتھ جدید اور یورپی علوم میں ان کے کمالات غیر معمولی ہیں اور یہ ان کا خاص مقصد رہا ہے کہ وہ نوجوانوں کو ہر دو قسم کے علوم سے بہرہ اندوز کریں تاکہ دیسی مدارس کے لئے بہترین اساتذہ دستیاب ہو سکیں"۔

غرض باوجود ان اختلافات کے اسکیم کو کامیاب بنانے کی پوری ذمہ داری ودیا ساگر ہی کے سپرد کی گئی اور ہیلیڈے صاحب نے ان دیسی مدارس کے موقع و محل کے انتخاب کے لئے ایشور چندر ہی کو مقرر فرمایا۔ چنانچہ ایشور چندر نے اس غرض کے لئے بنگال کے دیہی علاقوں کا ایک طویل دورہ کیا، اور دورہ کرنے کے بعد ایک رپورٹ میں اپنے نتائج سے اطلاع دیتے ہیں جسے پڑھکر نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی تعلیم کو عام بنانے میں اس علم کے شیدائی نے کسقدر حصہ لیا بلکہ اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ یہ طلب اور شوق خود عوام میں بھی کس درجہ موجود تھا اور حکومت کی امداد و اعانت کو عملاً اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کس حد تک دخل ہے۔ اپنے ایک دورہ کا حال لکھتے ہیں کہ:۔

"۱۲ مئی کو میں شیا کھال گیا جو کلکتہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب میرے یہاں آنے کی غرض لوگوں کو معلوم ہوئی تو اس مقام کے نیز مضافات کے خاص خاص لوگ میرے پاس یہ کہنے کے لئے آئے کہ اس مقام پر بھی ایک سرکاری دیسی اسکول قائم ہونا چاہیئے جس پر میں نے اُن سے یہ دریافت کیا کہ اگر گورنمنٹ یہاں پر ایک اس قسم کا سرکاری اسکول کھولے تو کیا وہ اس کے لئے زمین دینے پر آمادہ ہیں اور اسکول کی عمارت کے لئے کیا وہ ۳۰۰ روپیہ فراہم کر سکیں گے۔ اس کے جواب میں کئی برہمنوں نے اپنی اپنی زمینیں بتائیں کہ اسمیں سے حسب ضرورت جو اور جتنی مناسب سمجھی جائے وہ اسے گورنمنٹ کو دینے کے لئے راضی ہیں لیکن چونکہ وہ غریب ہیں اس لئے بحالت موجودہ وہ اسکول کی عمارت کے لئے ۳۰۰ روپیہ فراہم نہیں کر سکیں گے جو ان کی استطاعت سے بہت زیادہ ہے"۔

اسی طرح ایک اور مقام کا حال وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"۲۴ مئی کو میں کھریائی گیا جو کلکتہ سے ۶۰ میل مغرب کیجانب ایک موضع ہے۔ وہاں کے خاص خاص لوگ جن سے میں نے گفتگو کی، اپنے قصبہ کے اندر اسکول قایم کرنے کے متعلق بہت مشتاق نظر آئے۔ اگر ایسی جگہ ایک اسکول قائم کیا جائے تو یہاں کے لوگ اس کے لئے نہایت خوشی کے ساتھ زمین دینے پر راضی ہوجائیں گے لیکن لوگ عام طور سے چونکہ غریب ہیں اس لئے وہ اسکول کی عمارت کے اخراجات آسانی کے ساتھ برداشت نہ کر سکیں گے"۔

ودیا ساگر کی یہ رپورٹ اعلیٰ حکومت کے سامنے پیش ہوئی جس کے بعد سے دیسی تعلیم کا رواج دینا حکومت کے فرائض میں داخل ہوگیا۔ اسی کے بعد ۱۸۵۵ء میں سب سے پہلی بار ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کا عہدہ قائم ہوا جسکے ماتحت ابتدائی تعلیم کا نظام باقاعدہ طور پر جاری ہوگیا۔ اسی غرض کے لئے ودیا ساگر نے اساتذہ کی تعلیم کا بھی ایک اسکول کھولا تاکہ اچھی تعلیم کے لئے اچھے اساتذہ مل سکیں۔ غرض بنگال میں ابتدائی تعلیم کا سنگ بنیاد سب سے پہلے اس شخص نے رکھا، اور نہ صرف بنگال بلکہ پورے ہندوستان میں یہ سب سے پہلا ہندوستانی محب وطن ہے جس نے ملک کی اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کی اور اسے عملاً پورا کرکے دکھا دیا۔

جامعہ خواتین ہند

(یعنی ہندوستان کی زنانہ یونیورسٹی)

سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر نواب مسعود یار جنگ بہادر کی تقریر

(گزشتہ سے پیوستہ)

اور ان کے ساتھ اس سے بھی بدتر برتاؤ کیا جاتا ہے جو ہم جانوروں کے ساتھ کرتے ہیں باوجودیکہ ان حبشیوں کی زبان وہی ہے جو امریکہ کے باشندوں کی زبان ہے۔ جس وقت میں بلجیم اور خوبصورت سوئٹزرلینڈ کی طرف نظر اٹھاتا ہوں جو باوجود ایک سے زیادہ زبانیں رکھنے کے اکثر یک لسانی ملکوں سے کہیں زیادہ اتحاد رکھتے ہیں، تو ایسی حالت میں کیا میرے لئے یہ ایک احمقانہ فعل نہ ہوگا کہ قومی اتحاد کو قائم کرنے کے لئے میں اس بیان کو قبول کروں کہ سوائے ایک زبان کے باقی کل زبانوں کو مٹا دینا لوازمات میں سے ہے؟

فطرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے ملک کو گوناگوں نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ نہ صرف تمام دنیا کے موسموں کے نمونے بلکہ تقریباً تمام عالم کی نباتات و حیوانات کی اقسام اور انواع اس میں موجود ہیں۔ پس اسی قدرتی وصف کی بنا پر کہ طرح طرح کی زبانیں اس میں ہیں ان کو بھی برقرار رہنے دینا چاہئے۔

خواتین و صاحبان! گوناگونی و بوقلمونی جس قدر زیادہ ہمیں نصیب رہے گی اسی قدر ہندی تہذیب کے رنگوں میں رام دھنک کے خوبصورت اور شوخ رنگوں کی طرح حسن پیدا ہوتا جائے گا اور بنی آدم کی تاریخ میں وہی سرزمین سے یہ تہذیب دوبارہ اٹھکر اس رحملی، سخاوت اور رواداری کا سبق پڑھانے کے لئے وارد ہوگی جسے افسوس ہے کہ دنیا کے بڑے حصہ نے اس مادیت کے زمانہ میں آسانی سے فراموش کر دیا ہے۔

جہاں تک زندگی کے عملی مقاصد سے تعلق ہے مجھے یہ دیکھکر مسرت ہوئی ہے کہ آپ نے نہایت دانشمندی سے اپنے نصاب تعلیم میں انگریزی زبان کو ایک لازمی مضمون قرار دیا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں انگریزی زبان کو ایک خاص درجہ حاصل ہو گیا ہے لیکن ذریعۂ تعلیم بنا کر اس کا استعمال میں نقصان دہ سمجھتا ہوں اور میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ اگر اس کو آئندہ بھی ان تمام مدارس میں جو ہماری لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ملک میں قائم کئے گئے ہیں تعلیم کا ذریعہ بنائے رکھا تو ہماری معاشرت اور تہذیب کی بنیادیں اس قدر کمزور ہو جائیں گی کہ ان پر کوئی عمارت دائمی حسن اور مضبوطی کی قائم نہ ہو سکے گی۔

صرف ایسے ہی طرز تعلیم سے جو ہمارے ملک کی خاص ضروریات کو پورا کرے ہماری قوم میں وہ قوت پیدا ہو سکتی ہے جس کے بغیر ممکن نہیں کہ زحمت و کاہش کا وہ بار گراں قوم سے اٹھ سکے جو باقی دنیا سے مقابلہ کرنے میں آجکل درکار ہے۔ اگر آپ کو یہ دیکھنا ہو کہ غیر ملکوں کی تہذیب اور علم میں جو چیزیں بہتر ہیں ان کو بغیر اپنی تہذیب کی خوبیوں میں خرابی پیدا کئے کیونکر حاصل کیا جاتا ہے تو آپ صرف جاپان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں۔ جاپان میں مرد تو گھر سے باہر کی سخت محنت و مشقت کی زندگی سے کھر کھرے اور کرخت ہو گئے ہیں لیکن عورتیں اب تک اس تہذیب و شائستگی کی تمام حسین اور متبرک چیزوں کی معزز حافظ ہیں جن کا ارتقاء قوم کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ جاپان کی خانگی زندگی میں مغرب کا اثر تقریباً معدوم ہے پس میری تمنا ہے کہ ہماری قوم بھی باقی دنیا کی تہذیب کو اسی آسانی کے ساتھ بغیر قومی خودداری کو نقصان پہونچائے ہندوستانی تہذیب بنا لے جیسا کہ جاپان سے عمل میں آیا ہے۔

میں نے اس تقریر میں اُس تہذیب کو برقرار و سلامت رکھنے کی ضرورت پر جسے ہم اپنی تہذیب کہتے ہیں بار بار اتنا زور دیا ہے کہ عجب نہیں لوگ مجھے ایک حد سے گزرا ہوا قدامت پسند کہنے لگیں لیکن میں اس خطرہ سے گزر جاؤنگا اگر میں آپ پر یہ امر واضح کر دوں کہ میری رائے میں لفظ تہذیب اپنے بہترین مفہوم میں کبھی ایسی چیز سے مراد نہیں ہو سکتا جو نسل انسانی کی کسی جماعت کے لئے بھی حقیقت میں مضر ہو۔ اس بنا پر میں تمام ایسی رسوم کے ترک کرنے کا بدرجہ غایت حامی ہوں جنکو علم کی پھیلتی ہوئی روشنی نے ہماری قوم کے نفع کے خیال سے نقصان دہ ثابت کر دیا ہے۔ مانا کہ یہ رسوم ہم کو اپنے بزرگوں سے میراث میں ملتی چلی آئی ہیں۔ میں پھر اس خیال کا اعادہ کرتا ہوں جسے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں ایسی چیزوں میں بھی جو ہماری زندگی کے تہذیبی پہلوؤں سے متعلق ہیں اور جن کو عموماً خانگی و معاشرتی کہا جاتا ہے، ارتقاء کا قائل ہوں انقلاب کا قائل نہیں۔ تمام پرانی چیزوں کو واجب التعظیم سمجھنا ایسی ہی حماقت کی بات ہے جیسے کہ تمام نئی چیزوں کا احترام کرنا۔ میرا مطلب آپ صاحبوں کو یہ بتانا ہے

کہ اچھی چیزوں کے انتخاب میں انہیں اصولوں کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن کو اختیار کرکے جاپان کی قوم ایک معزز اور مضبوط قوم جیسی کہ وہ آج ہے بن گئی ہے۔

خواتین اور صاحبان! میں اس دن کے خواب دیکھ رہا ہوں جبکہ ہند کے عرض و طول میں اس کی ہر ایک بڑی زبان کی نمائندگی ایک ایسی جامعہ سے ہوگی جیسی کہ آپ کی جامعہ ہے اور علم کے ایسے ہی سرچشموں سے وہ ندیاں جاری ہوں گی جو اس ماتا دیس کی مقدس گنگا کی طرح ایک دریائے ذخار بنکر ہماری علمی زندگی کو جو آج راجپوتانہ کے ریگستان کی طرح خشک و بنجر ہو رہی ہے شاداب و سرسبز کر دیں گی۔

ایسی ہی جامعات کے تلامذہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے اس کی عظمت کا یقین دل میں لئے ہوئے اور اس بات پر فخر کرتے ہوئے کہ وہ خود اور ان کا علم اس سرزمین کا ثمرہ ہیں جس میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ جس وقت پرانے رشیوں کے سے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے ماتا دیس میں حقائق کا وعظ کہتے انہیں گے تو ان کی تلقین سے جسے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں گے ملک کی مخلوق بے زبان میں ایک نئی جان پڑ جائے گی اور تمام ملکوں میں اس علم کی روشنی پہنچ جائے گی جس کے سوا کوئی دوسری چیز قوم کی کمزوریوں اور برائیوں کو رفع نہیں کر سکتی۔

جس ملک میں اتنی غیر جنس قومیں آباد ہوں جیسے کہ ہمارا ملک ہے وہاں اتحاد کی بڑی بندش جو واقعی اثر رکھتی ہو صرف حب الوطنی ہے۔ محبت ایسی چیز ہے جو تمام تفریقوں کو مٹا دیتی ہے اور وطن اور بنی آدم سے محبت رکھنی وہ شے ہے جو بہت سی مشکلات کو جو اس وقت ہمیں درپیش ہیں حل کر سکتی ہے اس کا مجھے کامل یقین ہے کہ نفرت و عداوت کی بنیاد پر کوئی مستقل عمارت قائم کرنی کسی طرح ممکن نہیں۔ جو طوفان اس وقت ہندوستان میں برپا ہے اور جو ہمارے امن و عافیت کے تعلقات کو جن کا قائم و موجود رہنا ان مختلف قوموں میں جو ہمارے ملک میں آباد ہیں ضروری ہے سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ طوفان ایک عارضی مصیبت ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت جس کسی کی یہ خواہش ہے کہ اس کو تعلیم یافتہ انسان کہا جائے اسکا فرض ہے کہ تا مقدور ایسی قوتوں کو توڑے جو ہمارے اس عظیم الشان ملک کے لوگوں کو ایسے گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہیں جو غصہ اور عداوت میں بھرے ہر وقت آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔

اسلامیہ شیروانی اسکول چھرہ

اور

مسلمانانِ ضلع علی گڑھ کے فرائض اور ذمہ داریاں

حضرات! کسی قوم کے شاندار مستقبل کا دارو مدار اس کی تعلیم اس کی درسگاہوں کے نظم و نسق اس کے نصاب تعلیم اور طرز تدریس پر ہے۔ اگر یہ چیزیں مفقود ہوں تو وہ قوم کبھی ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت قوموں کی حیات و ممات کا راز اسی میں پنہاں ہے۔ تعلیم کی نشر و اشاعت کے بغیر اگر ہم آسمان سے تارے بھی توڑ لائیں تو بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ اسلامیہ شیروانی اسکول انہی افکار و حوادث کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ درسگاہ اچھی خاصی ترقی کر رہی ہے۔ انگریزی کی آٹھویں جماعت تک تعلیم دیجاتی ہے۔ اساتذہ نہایت ہی جانفشانی اور تندہی اور ہمدردی کے ساتھ طلبا کو پڑھاتے ہیں۔ اسلامی رواداری۔ اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے مسلمان یہ روح افزا خبر سنکر خوش ہوں گے کہ اس سال پانچویں جماعت سے قرآن مجید کا ترجمہ شروع کرایا گیا ہے۔ بیرونجات سے آنیوالے طلبا کے لئے بورڈنگ ہاؤس کھولا گیا ہے۔ درسگاہ ہذا کی نگرانی شیروانی قوم کے ایک نہایت قابل پرجوش رکن یعنی خان بہادر جناب مولوی محمد عبید الرحمٰن خانصاحب ایم۔ ایل۔ سی کے سپرد کیگئی ہے۔ صاحب موصوف بڑے انہماک کے ساتھ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ میں برکت دے۔ آمین۔ درسگاہ ہذا کے مستقل قیام و استحکام کے لئے ماہ اگست ۲۸ء میں ایک عظیم الشان جلسہ ہونا قرار پایا ہے۔ حضرات! اس مہتم بالشان کام کے لئے تیز گامی کی ضرورت ہے آپ کی ہمدردی کی ضرورت ہے مالی امداد کی ضرورت ہے۔ فی الحال تو آپ سے یہی درخواست کیجاتی ہے کہ اپنے بچوں کو جلد سے جلد اس اسکول میں بھیجدیں تاکہ وہ علاوہ مروجہ انگریزی تعلیم کے دین ہدیٰ کے چشمہ صافی سے اپنی پیاس بجھا سکیں۔ جلسہ کی تاریخ سے جلد اطلاع دیجائے گی۔

نیازمند:۔ امام بخش کیحل بی۔ اے (علیگ) جنرل سیکریٹری انجمن اصلاح المضافات علی گڑھ و اسلامیہ انجمن جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں۔

مکتوب فرانس

سعید صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کے "پیام تعلیم" کے ناظرین کی بہت دنوں سے ضیافت طبع کا کوئی سامان نہ کر سکا، معاف کیجئے گا۔ گزشتہ ہفتوں میں یہاں انتخابات ہوئے، شاید ان انتخابات کا حال بیان کرنے میں آپ لوگوں کو کچھ دلچسپی ہو۔ آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا کہ پوانکارے کی پارٹی کامیاب رہی اور منسٹری سوائے ایک تبدیلی کے وہی رہی جو پہلے تھی۔ امور عامہ کے وزیر چونکہ منتخب نہ ہوئے اس لئے انہیں مستعفی ہونا پڑا۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک نے پوانکارے کی موجودہ پالیسی پر اپنی پسند کی مہر نہایت کھلے طور پر لگا دی۔ موسیو بلوم اشتراکی پارٹی کے لیڈر منتخب نہ ہو سکے اور عام طور پر مختلف اشتراکی رجحان رکھنے والی پارٹیوں کو اس انتخاب میں اچھی خاصی زک اٹھانا پڑی۔ یہ سب سیاسی مسائل میں اپنے پچھلے خط میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ اس وقت ایک اور چیز کی طرف آپ لوگوں کی توجہ منعطف کراتا ہوں جو اگرچہ ان مسائل سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی ہے لیکن ان سے کہیں زیادہ اہم اور دلچسپ ہے۔

ہمارے علاقہ سے (یعنی لاطینی محلہ یا سار بون یونیورسٹی کے قرب و جوار کے حلقہ سے) بہی اور ممبروں کے علاوہ ایک نوجوانوں اور "بوہیم" لوگوں کی طرف سے نمائندگی کے لئے کھڑے ہوئے۔ لاطینی محلہ کے قہوہ خانوں میں ایک بڑے میاں جنکی عمر کم و بیش ۷۰ سال ہوگی ہیوں بجایا کرتے ہیں۔ ان کا اصلی نام پال پروجری ہے۔ پچاس سال سے وہ یہی پیشہ کر رہے ہیں۔ طلبہ میں کوئی نہیں جو انہیں اور ان کے ساتھ اور دو تین کہنہ سال بزرگوں کو نہ جانتا ہو جو نقلی بولیاں بولنے والی چڑیاں بیچتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں لاطینی محلہ کے قہوہ خانوں سے ویسی ہی محبت ہے جیسے لوگوں کو اپنے گھر سے انس ہوتا ہے۔ یہ عمر بھر یہیں رہے، یہیں رہیں گے اور یہیں مریں گے۔

غرضکہ موسیو پال پروجری کو یار لوگوں نے اور دوسرے سنجیدہ ماہرین سیاست کے ساتھ چیمبر کی ممبری کے لئے پیش کر دیا۔ یہاں انتخابات کے موقع پر ہر انتخابی حلقہ میں بورڈ لگا دئے جاتے ہیں جن پر ہر ممبر اپنے گزشتہ سیاسی کارناموں اور مستقبل کے پروگرام سے عوام کو مطلع کرتا ہے۔ اس حلقہ کے بورڈوں پر موسیو پال پروجری (جنہیں لوگوں نے موسیو دکوناک کے نام سے اسی زمانہ میں مشہور کیا ہے) کے پوسٹر سب سے زیادہ بڑے، سب سے زیادہ بڑے حروف میں لکھے ہوئے اور اپنے پروگرام کی نوعیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ دلچسپ تھے۔ ان کے مستقبل کے پروگرام کے چند اہم عنوان یہ ہیں:۔

(۱) قہوہ خانوں میں طلبہ اور "بوہیم" کے لئے ۵۰ فی صدی کی رعایت۔

(۲) سڑک شامپولیون (یہ اس محلہ کی ایک تنگ و تاریک لمبی سڑک ہے) کو دونوں طرف بڑھانا یہاں تک کہ اس کے دونوں سرے سمندر سے جا ملیں۔

(۳) چڑیا گھر میں ہفتہ میں ایک دن شکار کی اجازت۔

(۴) باغ لکسامبور کے بڑے حوض میں مچھلی مارنے کی اجازت وغیرہ وغیرہ۔

ایک شہری کی حیثیت سے انہوں نے اپنے آپ کو ممبری کے لئے پیش کیا اور پہلے دور میں انہیں ۲۰۳ رائیں ملیں۔ دوسرے دور سے پہلے انہوں نے اپنے رائے دہندگان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ممبری سے استعفیٰ دیدیا۔ انتخابات کے دنوں میں یہاں روز ان کا جلوس نکلتا تھا۔ یہ سعادت موسیو پوانکارے کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔

آپ اس سب کو طلبہ کا مذاق نہ سمجھئے گا، اصل بات یہ ہے کہ یورپ کے نوجوانوں کو جس قدر نفرت سیاست سے ہے کسی چیز سے نہیں۔ یہ تمام مذاق نوجوانوں کے ایک ذہنی رجحان کی پردہ دری کرتا ہے۔ یہ سیاست کو ایک بے حقیقت اور حقیر چیز سمجھنے لگے ہیں۔ تعلیم یافتہ فرانسیسی نوجوان ساری سیاست اور جمہوریت کو ایک بچوں کے کھیل کے تماشہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ یہ طریقہ خیال دراصل ردعمل ہے جمہوریت کی ناکامی کا۔ لوگوں نے اس نئے طریقۂ حکومت سے بہت ساری امیدیں باندھیں تھیں۔ بڑی بڑی امیدیں باندھنا اور پھر ان امیدوں کی حقیقت کو نقش بر آب کے مثل دیکھنا انسانی قلب کو ہر ناقابل عمل ردعمل کے لئے تیار کر دیتا ہے۔ میں نے فرانسیسی نوجوانوں کو کہتے سنا ہے کہ آزادی، اخوت اور مساوات بس فرانس کی سرکاری عمارتوں پر گہرے حروف میں کندہ دکھائی دیتی ہیں، اصلیت میں کہیں نام کو نہیں۔ ممکن ہے اس بیان میں تھوڑا بہت مبالغہ ہو۔ شباب فطرۃً خالی ہے، شکی ہے اور غیر مطمئن ہے۔ جنگ کے بعد سے یورپ کے نوجوانوں کو بہت کم باتوں کا یقین ہے، وہ ہر چیز اور ہر بات کو شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسے بہت کم چیزیں بھلی نظر آتی ہیں اور ان سے بھی زیادہ کم کی بھلائی کا اسے دلی یقین ہے۔ جہاں

طرح وہ مذہب و سیاست کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ سائنس اور اس کے حقائق کی قیمت میں شک ہے۔

اگرچہ گزشتہ انتخابات فرانسیسی قوم کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتے تھے اور اگر جمہوریتین کی کامیابی نہ ہوئی تو نہ معلوم اس وقت فرانسیسی سیاست کی ابتری کی حالت کیا ہو گئی ہوتی مگر باوجود ان تمام امور کے نوجوان اپنے خیالوں میں مگن ہیں۔ جو چیز ان میں انہیں سچائی سے صاف صاف بڑا کہتے ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔

یہ نہ سمجھئے گا کہ فرانسیسی نوجوانوں کو زندگی کے سنجیدہ مسائل سے دلچسپی نہیں۔ دراصل وہ اس شور و غوغا اور سیاسی طومار بندی سے تھک گئے ہیں۔ موجودہ جمہوریت کے خلاف انہیں دو تحریکیں کام کر رہی ہیں ایک شہنشاہیت یعنی Dictatorship کی تحریک اور دوسری اشتمالیوں کی تحریک۔ معلوم نہیں فرانس کا مستقبل کس کے ہاتھ میں ہے۔ اچھا اب رخصت۔

آپکا،

یوسف

نادر موقع

(۱) "پیام تعلیم" کا ۱ خریدار بنانے کے لئے	ایک نہایت خوشنما اور خوشکن ہدیہ۔
(۲) " " کے ۳ " " " "	'دیوانِ شیدا' یا مطبوعاتِ جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب۔
(۳) " " ۶ " " " "	'دیوانِ غالب' یا مطبوعاتِ جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب۔

منیجر "پیامِ تعلیم"

مجاہدین بردولی کیساتھ اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول کی ہمدردی

مورخہ ۱۴ جون ۱۹۳۸ء کو اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون (ملحقہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی) کے اساتذہ و طلبا کا ایک جلسہ اسکول کے لکچر ہال میں بایں غرض منعقد ہوا کہ بردولی کے جری اور حق کوش باشندوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کی جائے۔ مولوی شہباز خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ اسکول نے پہلے اسکول کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اس مدرسہ کا مقصد وحید یہ ہے کہ اس کے تعلیم یافتوں میں احساس فرض اور انسانیت کا جذبہ بلاتفریق مذہب و مسلک پیدا ہو۔ اور یہی انسان کی پیدائش کی علت غائی بھی ہے۔ اس لئے یہ ہمارا فرض اولین ہے کہ عیسائی - بدھ - ہندو و مسلم الفاظ سے خالی الذہن ہو کر مظلوم کی اعانت حتی الوسع کریں۔ آج ضلع سورت کے قریب تعلقہ بردولی کے باشندے جانکاہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اُن کی حمایت اور مدد کرنا ہر انسان کا اخلاقی و انسانی فرض ہے اس لئے حاضرین جلسہ سے استدعا کی جاتی ہے کہ اگر ہم دوش بدوش رہکر اُن کے شریک حال نہیں ہو سکتے ہیں تو کم از کم اپنے اخراجات روزانہ سے کچھ تخفیف کرکے اُن کی مالی مدد کریں۔

ہمیں توقع ہے کہ ہماری اس تجویز سے آپ متفق ہوں گے اور اپنی امداد کا ہاتھ بڑھا کر احساس فرض و ہمدردی کا ثبوت دیں گے۔

اس کے بعد جناب ماسٹر ایم۔ وی۔ الیتور صاحب نے انگریزی میں ایک جامع و مانع تقریر فرمائی اور حاضرین سے امداد کے لئے پر زور اپیل کی۔ حاضرین جلسہ نے بالاتفاق باشندگان بردولی کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور اپنی روشن ضمیری کا ثبوت مبلغ ۲۰/۶/۹ (دوسو بیس روپے چھ آنے نو پائی) کی صورت میں دیا۔

رقم مذکور خزانچی بردولی فنڈ رنگون کی خدمت میں بھیج دی گئی۔

رفتارِ تعلیم

بنارس ہندو یونیورسٹی میں ایک زنانہ کالج

اس سشن سے بنارس ہندو یونیورسٹی میں ایک زنانہ کالج جاری ہوگیا ہے اس کے افتتاح کے موقع پر مذہبی مراسم ادا کئے گئے اور وائس چانسلر پنڈت مدن موہن مالویہ نے ایک مختصر سا ایڈریس پڑھا۔ کالج کے افتتاح کی باضابطہ کارروائی آیندہ نومبر میں عمل میں آئے گی۔

کالج اور اسکولوں کی فیس میں اضافہ

۲۳ جولائی کو انجمن نوجوانانِ پونہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ مسٹر جی۔ دی کیلکر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں کالجوں اور اسکولوں کی فیس میں اضافہ کے خلاف احتجاج کی تجاویز منظور کی گئیں۔ اس جلسہ میں متعدد طالبات نے بھی شرکت کی تھی۔

امتحانات محکمہ ریلوے

ہندوستانی محکمہ ریلوے میں داخلہ کے مقابلہ کے امتحانات اعلیٰ عملۂ مال کے ۲۰ جنوری سے دہلی میں ہوں گے۔ ان امتحانات میں باربرداری کی انجنیری، شعبۂ تجارت، شعبۂ بجلی اور شعبۂ سگنلنگ شامل ہوں گے۔

امتحانات آئی۔ سی۔ ایس

"انڈین سول سروس" کے مقابلہ کے آیندہ امتحانات ۳ جنوری ۲۹ء سے شروع ہوں گے۔ امیدواران امتحانات کو بعد میں اطلاع دی جائیگی مزید معلومات کے لئے "انڈیا گزٹ" مورخہ ۱۲ جولائی دیکھنا چاہیئے۔

ریاست بھوپال کا زنانہ تعلیمی وظیفہ

ریاست بھوپال کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ ایک لڑکی جو بی۔ اے پاس ہو میڈیکل تعلیم کے لئے بیرون ہند بھیجی جائے گی۔ ابتداءً ڈھائی سو پونڈ سالانہ وظیفہ اور سو پونڈ سفر خرچ ملیں گے۔ مگر ابھی تک انتخاب عمل میں نہیں آیا ہے۔

ایک صدر معلمہ کی روانگی انگلستان

مس آر نذیر حسین (امۃ الرشید) صاحبہ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی صدر معلمہ مسلم گرلز اسکول لال کنواں انڈین ایجوکیشنل سروس کے لئے ۲۰۰ روپے ماہوار وظیفہ پر عنقریب انگلستان تشریف لے جانے والی ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا جلسۂ تقسیم اسناد

۵ اگست کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک خاص جلسۂ تقسیم اسناد ان کامیاب طلبا کو سندیں عطا کرنے کے لئے منعقد ہوا جو یونیورسٹی کے سندی امتحانات میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور اکتوبر ۲۸ء میں برطانوی یونیورسٹیوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔

کلکتہ اسلامیہ کالج میں سائنس کی تعلیم

اسلامیہ کالج میں گورنر بنگال نے ایک تقریر کے دوران میں کہا کہ کالج میں سائنس کا بھی ایک درجہ کھولنے پر حکومت غور کر رہی ہے اور یہ اسوقت ممکن ہے کہ بنگال کے مسلمان فراخدلی سے ساتھ کالج کی وسعت اور زمین کی خریداری میں کافی مدد کریں۔

ہندوستانی زبانوں کی ترقی کی کوشش

میسور یونیورسٹی کی تجویز

ملک میں ہندوستانی زبانوں کی ترقی و ترویج کی عملی کوشش کرنے کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے خصوصاً صیغۂ علوم و فنون میں میسور یونیورسٹی نے ایک آل انڈیا دراوڑ کلچرل کانفرنس میسور میں منعقد کرنے کا متفقہ فیصلہ کیا ہے اور ہر یونیورسٹی اور مشہور اداروں سے نمایندے طلب کئے جائیں گے۔ اردو، ہندی اور سنسکرت کے حامیوں کو خصوصیت کے ساتھ دعوت دیجائیگی۔

کوائفِ جامعہ

پہلی اگست کو جامعہ کا نیا سشن شروع ہوا۔ اکثر اساتذہ اور طلبا موجود تھے۔ پرانے طلبہ برابر آ رہے ہیں۔ نئے داخلے بھی ہو رہے ہیں۔ امید ہے کہ طلبہ کی تعداد میں گزشتہ سال کی بہ نسبت کوئی کمی نہ ہوگی۔ جامعہ کی بعض اساسی اور انتظامی تبدیلیوں کی وجہ سے جامعہ کی تعلیمی حالت میں بظاہر کوئی تغیر نہیں آ رہا ہے۔ چند روز بعد سے درجوں میں اسی باقاعدگی کے ساتھ پڑھائی شروع ہو گئی۔ دارالاقاموں کی زندگی اسی ڈھرے پر لگ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گزشتہ اور اس سال میں کوئی وقفہ ہوا ہی نہیں۔

---

۲۵ جولائی کو مجلس امناء (بورڈ آف ٹرسٹیز) کا ایک اہم جلسہ تھا جس میں یہ مسئلہ پیش تھا کہ جامعہ کو امناء کی موجودہ مجلس کے ہاتھ سے نکال کر جامعہ کے اصل کام کرنیوالوں کے ہاتھ میں دیدیا جائے جو "مجلس تعلیم ملی" کے نام سے موسوم ہوگی۔ امناء میں سے جو حضرت تشریف نہیں لا سکے تھے انہوں نے نہایت خوشی کے ساتھ بذریعہ تحریر اس تجویز کی تائید کی۔ مولینا شوکت علی صاحب کو ابتداً تو اس تجویز سے اتفاق نہ تھا لیکن انہوں نے بھی کارکنان جامعہ کی یہ سرگرمی دیکھکر اسے منظور کر لیا اور اس کے ساتھ ایک تجویز یہ پیش کی کہ موجودہ امناء میں سے جو لوگ چھ سو روپے سالانہ جامعہ کو اپنی جیب سے یا دوسروں سے چندہ کر کے دیں وہ بھی اس مجلس کے رکن سمجھے جائیں۔

---

۱۰ اگست تک تمام اساتذہ کو مہلت دیگئی ہے کہ وہ اس مجلس کی رکنیت کے متعلق اپنی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں تاکہ ۲۵ اگست کے جلسہ میں اس مجلس کے اراکین کے نام باقاعدہ طور سے پیش کئے جا سکیں اور جو ذمہ داریاں اب تک مجلس امناء کے سر رہی ہیں، وہ اس کے ہاتھ میں دیجا سکیں۔ اس مجلس کی رکنیت کی شرط سر دست یہ تجویز کیگئی ہے کہ اساتذہ میں جو شخص کم سے کم ۲۰ سال تک جامعہ کے لئے اپنی زندگی وقف کر سکے اور اس عرصہ میں کبھی ۱۵۰ روپے ماہوار سے زیادہ مشاہرہ لینے کی خواہش نہ کرے، وہ اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں جامعہ کے دو وفد بھیجے گئے تھے، ایک اضلاع مشرقی کا دورہ کرنے کے لئے اور دوسرا سندھ اور پنجاب میں کام کرنے کیلئے۔ اول الذکر وفد نے کم و بیش دو ماہ کے دورے میں الہ آباد، بنارس، جونپور اور اعظم گڈھ کا دورہ کیا اور ان اضلاع سے تقریباً ۷،۰۰۰ ہزار روپے نقد جمع کئے۔ موعودہ رقموں کی وصولی ہو گئی تو یہ میزان تقریباً ڈیوڑھی ہو جائے گی۔ دوسرا وفد جو مولینا شوکت علی صاحب کے ساتھ جانیوالا تھا، وہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر روانہ نہ ہو سکا لیکن امید ہے کہ عنقریب وہ اپنے حلقہ کا دورہ شروع کریگا۔

جامعہ کی امداد و اعانت اور قدر و منزلت جتنے ہی دور کے لوگ ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ کرتے ہیں۔ دہلی میں جامعہ اتنے عرصہ سے ہے، کوئی بھولکر بھی نہیں پوچھتا۔ دور کے اضلاع جتنے ہیں، ان میں اسکا چرچا دہلی سے کہیں زیادہ ہے اور ان لوگوں کا دستِ اعانت اہل دہلی کی بہ نسبت کہیں زیادہ کشادہ ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے باہر جو جامعہ کے عقیدتمند اور بہی خواہ موجود ہیں، ان میں یہ جذبہ ہمدردی اور بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔ ابھی حال میں ایک صاحب نے مدراس سے پانچ روپیہ کی ایک رقم "اجمل جامعہ فنڈ" کے لئے بھیجی ہے۔ اسی طرح فرانس سے بھی ایک بزرگ نے پندرہ روپے بھیجے ہیں۔ یہ رقمیں اپنی ظاہری قیمت کے لحاظ سے گو حقیر نظر آتی ہوں لیکن اپنی حقیقی اور اصلی قدر کے لحاظ سے کہیں زیادہ برتر اور اعلیٰ ہیں۔

"اجمل جامعہ فنڈ" کی مجموعی رقم جو اب تک سنٹرل بینک آف انڈیا میں پہونچ چکی ہے، اسکی تعداد [illegible] ہے جو ۲۶ جولائی کے "ینگ انڈیا" میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ابھی اور رقمیں وہاں نہیں پہونچی ہیں، جو وقتاً فوقتاً پہونچتی رہیں گی۔

بچوں کے صفحے

اندھا گھوڑا

(از رقیہ ریحانہ)

بہت دنوں کا ذکر ہے جب ہمارے دیس میں نیک لوگ بستے تھے اور دغا فریب بہت کم تھا۔ ہندو مسلمان سب ایک دوسرے کا خیال کرتے تھے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرسکتا تھا جو جس کا حق ہوتا وہ اسے ملجایا کرتا تھا۔ اِن دنوں میں ایک شہر تھا عادل آباد۔ اب تو جب سے لوگ بے ایمان ہوگئے اور جھوٹ بولنے اور ایک دوسرے کا مال دبانے لگ گئے تو یہ شہر بھی مٹ گیا اور اب اس کا پتہ بھی نہیں ملتا۔ اس زمانہ میں چونکہ لوگ سب نیک تھے اس لئے اگر کہیں ڈاکہ چوری کا واقعہ ہوتا یا کوئی کسی کا حق مارلیتا تو دور دور لوگوں میں خبر ہوجاتی تھی اور قصہ تمام میں پھیل جاتا تھا۔ مالدار اور اچھے لوگ سے پہاڑیوں پر کھدوا دیتے تھے تاکہ دوسرے آگے چلکر ایسا نہ کریں اور نیک بنے رہیں۔ اسی پرانے زمانہ میں اس شہر کا ایک قصہ ہے جو ایک پہاڑی پر پتھر میں کھدا ہوا ہے شہر مٹ گیا لیکن قصہ ابھی تک باقی ہے قصہ یہ ہے:۔

اس عادل آباد میں ایک بہت مالدار دوکاندار تھا وہ دور کے ملکوں سے اس کا لین دین تھا۔ اپنے دیس میں جو اچھا اچھا کپڑا بنتا تھا وہ یہاں سے دوسرے ملکوں کو بھیجا کرتا اور وہاں سے طرح طرح کی اور چیزیں منگوا کر یہاں بیچتا تھا۔ اللہ نے اس کے کام میں بڑی برکت دی۔ کاروبار روز بڑھتا ہی گیا۔ اور اس کے پاس اتنی دولت ہوگئی کہ کچھ حساب نہ تھا۔ ڈیوڑھی پر ایک چھوڑ دو دو ہاتھی جھومنے لگے۔ گھوڑوں کی تو گنتی ہی نہ تھی لیکن ایک ابلق گھوڑا تھا جو اُس نے بہت سے دام دیکر ایک عرب سے خریدا تھا۔ اُسے یہ بہت پیار کرتا تھا اور اس کا نام رکھا تھا "سبک سیر"۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ اس نے کابل بہت سا سوتی کپڑا بھیجا تھا اور وہاں سے اس کے عوض پوستین منگائے تھے۔ پوستینوں کے پہنچنے کا دن تھا خیال تھا کہ تیسرے پہر تک سب مال عادل آباد پہونچ جائے گا۔ لیکن تیسرا پہر کیا وہ تو شام ہوگئی اور مال کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دوکاندار کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہے۔ مال کہاں رہ گیا۔ مغرب کی نماز پڑھی مگر مال ندارد۔ آخر کو اس نے سوچا چلو ذرا گھوڑے پر بیٹھ کر آگے چلے چلیں اور دیکھیں شاید کہیں راستہ ہی میں مال آتا ہوا مل جائے۔ یہ سوچکر اس نے "سبک سیر" پر زین کسوائی اور شاہی سڑک پر جس پر سے مال آنیوالا تھا گھوڑے پر سوار ہو نکل چلا۔ شام کا وقت تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی دن میں ذرا پانی پڑا تھا اسوجہ سے مینڈک سب مل کر ٹیں ٹیں کررہے تھے اور شام کے سناٹے میں انکی آواز اور بھی اونچی معلوم ہوتی تھی۔ دوکاندار کچھ ایسا سوچ میں تھا کہ بے خیال کئے شہر سے بہت دور نکل گیا اور ایک جنگل میں پہونچ گیا۔ ابھی یہ اپنی دھن میں آگے جا ہی رہا تھا کہ پیچھے سے چند آدمیوں نے اس پر حملہ کیا۔ اس نے اُن کے دو ایک وار تو خالی دئے لیکن جب دیکھا کہ وہ چند ہیں میں اکیلا ہوں تو سوچا کہ اچھا یہی ہے کہ ان سے بچکر نکل چلو گھوڑے کو گھر کی طرف پھیرا لیکن ڈاکوؤں کے پاس بھی گھوڑے تھے انہوں نے بھی اپنے گھوڑے پیچھے ڈال دئے۔ اب تو عجیب حال تھا سارا جنگل گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج رہا تھا۔ ایک بڈھا سا مینڈک جسکے ساتھ ساتھ اور سب ملکر چلاتے تھے اس آواز سے گھبرا گیا اور بس ایک دفعہ ٹیں کر کے دوسری دفعہ کہنا بھول گیا۔ دوسرے مینڈک بھی چپ ہوگئے اور سب ڈُب ڈُب پانی میں کود پڑے۔ بہت دیر تک بس ابلق سبک سیر اور چند ڈاکو پیچھے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ سبک سیر نے اسدن اپنے دام وصول کرادئے۔ کچھ دیر بعد چوروں کے گھوڑے پیچھے رہ گئے اور یہ اسی طرح سیدھا عادل آباد پہونچا اور اپنے مالک کی جان بچاکر اُسے گھر لے آیا۔

پہونچنے کو تو "سبک سیر" گھر پہونچ گیا۔ مگر بدن پر پسینہ اسقدر آیا تھا کہ جھاگ سے معلوم ہوتے تھے۔ کچھ دنوں بعد پتہ چلا کہ اُس نے اس روز اتنا زور لگایا کہ ٹانگیں بیکار ہوگئیں اور پھر کچھ دنوں میں غریب کی آنکھیں بھی جاتی رہیں۔ لیکن دوکاندار کو "سبک سیر" کا احسان یاد تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ "سبک سیر" نہ ہوتا تو اُس روز بس جان گئی تھی۔ چنانچہ اس نے حکم دیدیا کہ جب تک "سبک سیر" جیتا رہے اسے روز صبح شام میں چھ سیر دانہ دیا جائے اور کوئی کام اُس سے نہ لیا جائے۔ مالک کا حکم تھا دانہ برابر دیا جانے لگا لیکن

جب کچھ دن گزر گئے تو دوکاندار نے کہا چھ سیر تو بہت ہوتا ہے ۴ سیر دیا کرو۔ سائیس نے کہا حضور بہت اچھا۔ چار سیر دانہ دیا جانے لگا۔ کچھ دن اور گذرے دوکاندار کو خیال ہوا کہ یہ "سبک سیر" اب تو بیکار ہی کھڑا رہتا ہے بس تین سیر ملنا بہت ہے۔ چند سال اور گذر گئے "سبک سیر" جوان تھا اس لئے جلا جلدی سے مر کیسے جاتا۔ ایکدن دوکاندار بولا اس "سبک سیر" کو دانہ کی ایسی کیا ضرورت ہے یہ تو کھڑا ہی رہتا ہے۔ بس سیر بھر دانہ دیدیا کرو۔ پھر کچھ عرصہ گزر گیا "سبک سیر" بیچارہ بہت دبلا ہوگیا تھا۔ اب وہ پہلی سی بات کہاں رہی تھی شکل صورت بھی ویسی نہ رہی۔ دوکاندار نے کہا یہ "سبک سیر" کو خواہ مخواہ کیوں کھڑے کھڑے دانہ دیا جائے۔ کوئی خریدے تو بیچ ہی ڈالیں۔ مگر بیچارے لنگڑے لولے اندھے "سبک سیر" کو کون پوچھتا تھا کسی نے دام نہ لگائے۔ آخر کو ایک دن چڑکر دوکاندار نے کہا یہ کمبخت تو اب کھانے ہی کا ہوا ہے بس ہانک دو۔ سائیس نے گھوڑے کو کھول دیا لیکن "سبک سیر" تھان سے نہ ہٹا۔ بہت ہانکا لیکن وہ اپنی جگہ اڑا رہا۔ تو سائیس نے لیا چابک اور ایک جمایا "سڑ"۔ "سبک سیر" کچھ کسمسایا لیکن پھر کھڑا ہوگیا۔ سائیس نے پھر ایک جمایا "سڑ"۔ غرض اسی طرح مار مار کر اس بیچارہ کو باہر نکالدیا۔ "سبک سیر" کے دل پر خدا جانے کیا گزری ہوگی۔ دوپہر کا نکلا شام تک وہیں سر جھکائے ہوئے دروازہ کے سامنے کھڑا رہا۔ رات ہوئی تو وہیں سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ رات کو خوب مینہ برسا، اولے پڑے لیکن کسی نے اُسے اندر نہ آنے دیا۔ یہ بیچارہ امید لگائے وہیں کھڑا رہا۔ تھک جاتا تو ذرا بیٹھ جاتا پھر کھڑا ہوجاتا۔ گھر میں جہاں ذرا آواز ہوئی اور اس نے کان کھڑے کئے کہ شاید کوئی آتا ہے اور دروازہ کھولکر مجھے اندر لیجاتا ہے۔ مگر کون آتا تھا۔ آخر صبح ہوئی بھوک کے مارے بیچارہ "سبک سیر" بیتاب ہوگیا اور صبر شکر کرکے وہاں سے چل کھڑا ہوا، کہ اللہ بھلا کرے تمہارا۔ میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟ چلنے کو تو بیچارہ چل کھڑا ہوا مگر آنکھوں سے اندھا تھا جگہ جگہ ٹکراتا ٹھوکریں کھاتا۔ اِدھر اُدھر سونگھتا کہ کہیں کوئی دانہ پڑا ہو۔ گھاس کا ٹکڑا ہو یا اور کچھ تو پیٹ میں ڈالے مگر کچھ نہ ملا۔

اب سنو۔ اسی شہر عادل آباد میں ایک بڑی مسجد تھی اور ایک بڑا مندر۔ اس میں نیک مسلمان اور ہندو آکر اپنے اپنے طریقہ سے اللہ میاں کا نام لیتے اور ان کو یاد کرتے تھے۔ اسی مندر اور مسجد کے بیچ میں ایک بہت اونچا مکان تھا جس کے بیچ میں ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ اس کمرہ میں ایک بہت بڑا گھنٹہ لٹکا تھا جس میں ایک لمبی سی رسی بندھی تھی۔ اس گھر کا دروازہ دن رات کھلا رہتا تھا۔ شہر عادل آباد میں جب کوئی کسی پر ظلم کرتا، یا کسی کا مال دبالیتا یا کسی کا حق مارلیتا تو وہ اس گھر میں جاتا، رسی پکڑ کر کھینچتا تو یہ گھنٹہ اس زور سے بجتا تھا کہ سارے شہر کو خبر ہوجاتی۔ گھنٹہ کے بجتے ہی شہر کے پنچ اچھے اچھے مسلمان ہندو وہاں آجاتے اور فریادی کی فریاد سن کر اسکا انتظام کرتے۔

اتفاق کی بات "سبک سیر" رات بھر مارا مارا پھرا اور صبح ہوتے ہوتے اس گھر کے دروازہ پر جا نکلا۔ دروازہ پر جو کچھ روک ٹوک نہ تھی تو یہ سیدھا گھر میں گھس گیا۔ بیچ میں رسی لٹکی تھی۔ یہ غریب مارے بھوک کے ہر چیز پر منہ چلاتا تھا۔ رسی کو بھی لگا چبانے۔ رسی چبانے میں جو ذرا کھنچی تو گھنٹہ بجا۔ مسلمان اپنی مسجد میں نماز کے لئے جمع تھے، پجاری مندر میں پوجا کررہے تھے۔ گھنٹہ جو بجا تو سب چونک پڑے اور اپنی عبادت ختم کرکے سب کے سب اُس گھر میں آن جمع ہوئے۔ شہر کے پنچ بھی آئے اب جو دیکھتے ہیں تو بیچ میں "سبک سیر" کھڑا ہے۔ پنچوں نے پوچھا یہ اندھا گھوڑا کس کا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ اس تاجر کا ہے۔ اس نے تاجر کی جان بچائی تھی۔ پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ اب تاجر نے اسے نکال باہر کیا ہے۔ پنچوں نے تاجر کو بلوایا سب کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف اندھا گھوڑا کھڑا تھا۔ اس کے زبان نہ تھی جو شکایت کرتا۔ دوسری طرف تاجر کھڑا تھا۔ لیکن سب جانتے تھے کہ کیا معاملہ ہے اور سب سے زیادہ یہ تاجر خود جانتا تھا۔ شرم کے مارے آنکھیں جھکا کر کھڑا رہا۔ پنچوں نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس گھوڑے نے تمہاری جان بچائی۔ اسی کی وجہ سے اندھا ہوا، لنگڑا ہوا اور تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تم آدمی ہو یہ جانور ہے۔ آدمی سے اچھا تو جانور ہی ہے۔ ہمارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا یہاں ہر ایک کو اس کا حق ملتا ہے اور احسان کا بدلہ احسان سمجھا جاتا ہے۔ تاجر کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ بڑھکر اس نے گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالدئے۔ اس کا منہ چوما اور کہا میرا قصور معاف کر۔ یہ کہکر اس نے "سبک سیر" کو ساتھ لیا اور گھر لایا۔ پھر مرتے دم تک اس کے لئے ہر طرح کے آرام کا انتظام رہا۔

بچوں کے لئے تعلیمی میوزیم

(از جناب ممتاز رفیع بیگم اہلیہ جناب محمد رفیع الدین نیری (مارہرہ)

تعلیمی اصلاحات کے سلسلہ میں مدارس کے ساتھ ساتھ تعلیمی عجائب خانے کا قیام اب اکثر ممالک میں عام ہوتا جاتا ہے۔ خود ہندوستان کے بعض شہروں کے بڑے بڑے مدرسوں میں بھی اس کا انتظام ہے۔ یوں تو قریب قریب ہر مدرسہ میں آج کل تصاویر اور نقشے وغیرہ مہیا کئے جاتے ہیں مگر سائنس اور دیگر علوم کی روزافزوں ترقیات کو دیکھتے ہوئے یہ انتظام ہندوستان میں بدرجہا ناقص ہے اور حقیقتاً یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ بعض دیہات کے مدرسوں اور قصبہ کے اسکولوں کے بچے اور طالب علم ایسی ایسی معمولی چیزوں اور معمولی باتوں اور ان کے حالات سے واقف نہیں جو ان کے ہی ملک میں موجود اور جاری وساری ہیں۔

بچوں کی فطرت وعادت کا مطالعہ کرنے اور اس مضمون پر جو کچھ لٹریچر موجود ہے اُس کی اسٹڈی کرنے کے بعد ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ بچہ میں دریافت وتحقیق کا ایک خاص قسم کا مادہ ہوتا ہے۔ مشاہدہ کا بڑا اثر بچہ کے حافظہ اور یادداشت پر پڑتا ہے اس لئے اگر مدارس میں ایسا انتظام کیا جائے کہ ہر علم اور صیغہ کی تعلیم کے لئے مشاہدۂ عینی بچوں کو کرادیا جائے تو ان علوم کے ذہن نشین ہونے میں بچوں کے لئے بڑی سہولت اور آسانی ہوجائیگی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مدت تعلیم میں بھی پھر کمی ہوجائے گی۔

مثلاً تاریخ کے لئے تمام بادشاہوں کی تصاویر، سکے، کتبوں کے عکس لڑائیوں کے نقشے عمارتوں کے ماڈل تیار کراکے مدارس میں بھی رکھے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طریقہ سے اور علوم وفنون کے۔

ایسے عجائب خانوں میں بچوں کے لئے مختلف قسم کا متعدد تعلیمی سامان فراہم کیا جائے اور بچوں کے لئے ہر طرح کے دلچسپ تعلیمی مشاغل مہیا ہوں۔

علم جغرافیہ کی تعلیم کا خاص انتظام ہو۔ ہر سال ایک جغرافیہ کانفرنس کا انعقاد ہوا کرے جس میں تمام مدارس کے اساتذہ کو شریک ہونے کا موقع دیا جائے اور ماہرین علم حصہ لیں۔ اور اس موقع پر اُن ذرائع اور طریق تعلیم پر غور کیا جائے جو بچوں کو اس علم کی تعلیم میں سہولت اور آسانیاں پیدا کریں نئی درسی کتابیں اور پچھلے تعلیمی تجربات اس کانفرنس کے سامنے پیش ہوں تمام سامان جو جغرافیہ کی تعلیم کے لئے ضروری ہو بطور نمائش رکھا جائے۔

اساتذہ اور ماہرین فن دلچسپ تقریریں کریں اور سینما اور روشنی کی عکسی تصاویر اور اپنے ملک اور غیر ممالک کے حالات وغیرہ کو ظاہر کیا جائے۔ ملک کی مصنوعات اور پیداوار وغیرہ کی نمائش کیجائے۔ غرض ہر ممکن کوشش بچوں کو اس علم کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے کی جائے۔ اور ہر ممکن طریق پر ان علوم وفنون کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیجائے۔

اسی طرح سائنس کی تعلیم کا انتظام ہو۔ طبعیات (فزکس) اور کیمیا (کیمسٹری) کے اُن معمولی تجربات کے ساتھ جو لیبوریٹری میں کئے جاتے ہیں ادلچسپ اور ذہن نشین مشاہدوں کا انتظام کیا جائے۔ بھاپ کی قوت، حرارت کی طاقت اور بجلی کے زور کو ان کے استعمالات ومستعملات (اپلائنسز) سے سمجھایا جائے چھوٹا سا انجن ہو اور چھوٹی سی ریل وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے عجائب خانے کے قیام وانتظام کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر ہمارے ملک کے ہمدرد اور قوم کے سربرآوردہ اور متمول لوگ ادھر توجہ کریں اور اُن کو توجہ دلائی جائے تو ہر قصبہ کے مدرسہ میں ایسا تعلیمی عجائب خانہ بغیر کسی زائد صرفہ اور زیادہ فکر کے قائم کیا جاسکتا ہے

نقد امداد نہ کیجائے بلکہ ایسی اشیاء اور ایسا سامان جسے اس عجائب خانہ میں رکھکر بچوں کی تعلیم میں مدد دی جاسکے، عاریتاً دیں یا ہبتاً دیں یا بالکل فیاضاً ہی اپنی قوم اور ملک کے بچوں کی علمیت وواقفیت کے اتمام ووسعت کے لئے دے ڈالیں۔

کاغذ کیسے بنتا ہے، سکے کیسے ڈھلتے ہیں، تار کیسے جاتا ہے، ٹیلیفون کیسے کرتے ہیں، کیا قوت اس میں کام کرتی ہے کون سی طاقت ان سب کو عمل میں لاتی ہے؟ یہ سب باتیں اگر بچوں کو اس طرح ذہن نشین کرادی جائیں تو ملک کا ہر بچہ نیوٹن اور شیلے بن سکتا ہے۔ محض کتابیں رٹا دینے اور امتحان پاس کرادینے سے ملک اور قوم کے بچوں کو جو آگے چلکر اسی ملک کے افراد اور ارکان ہوں گے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا اور نہ علم وتعلیم کی غایت اس سے پوری ہوسکتی ہے۔

میں جامعہ سے امید کرتی ہوں کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریگی اور ملک کے ہمدرد اصحاب کو اس جانب متوجہ کریگی اور آئندہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالے گی۔

بارھواں انعامی معمہ

ہندوستان کے ایک مشہور آدمی کا نام بتاؤ جو کہ سات حرفی ہے جس کے

۲+۱+۳ حرف ملکر پیالے کے معنی دیتے ہیں

۳+۱+۴ . . . . دولت

۶+۷+۵ . . . . ایک پھل

۲+۳+۱+۴ . . . . . . خوبصورتی

۵+۱+۳ . . . . کچے

۳+۴+۵ . . . . ٹڈی

۱+۲+۴ . . . . موت

۲+۱+۴ . . . . پھندے

۴+۱+۲ . . . . عزت

۱+۴+۳ . . . . رنج

شرائط :- (۱) معمہ کا حل ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء تک

احمد عباس معرفت خواجہ غلام السبطین صاحب

سکریٹری طبیہ کالج۔

قرولباغ ۔ دہلی

کے پاس پہونچ جانا چاہئے۔

(۲) جواب کے ساتھ ایک آنہ کا ٹکٹ ملفوف ہونا چاہئے۔

انعام :- تین انعام پانچ روپے، تین روپے اور ڈیڑھ روپے کے بذریعہ قرعہ اندازی ٹھیک حل بھیجنے والوں کو دئے جائیں گے۔

باقی صحیح حل بھیجنے والوں میں سے دس کو بذریعہ قرعہ اندازی ایک خوشنما اور خوشگن ہدیہ ارسال کیا جائے گا۔

تیرھواں انعامی معمہ

یہ ایک مصور کہانی ہے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے تین حصوں کو تصویر اور عبارت دونوں میں علیحدہ علیحدہ بالترتیب واضح کیا گیا ہے۔ اب اس کی تکمیل مطلوب ہے یعنی اس کے آخری حصہ کو تصویر اور عبارت دونوں میں ظاہر کر کے کہانی کو پورا کیا جائے۔

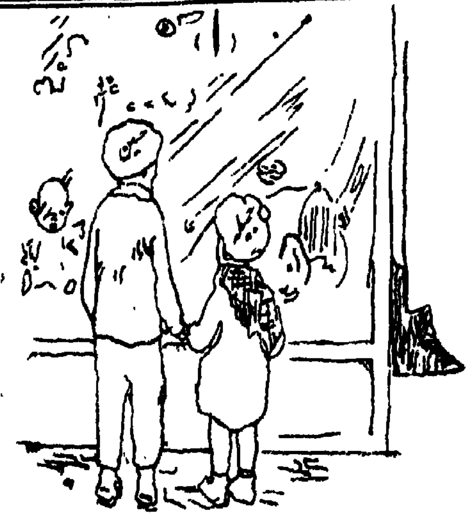
اگر تصویر نہ بنائی جا سکے تو محض عبارت ہی میں اس کے آخری حصہ کو لکھکر بھیجا جا سکتا ہے کیونکہ اس معمہ پر دو علیحدہ علیحدہ انعامات دئے جائیں گے یعنی ایک انعام عبارت سے متعلق ہوگا اور دوسرا تصویروں سے۔ عبارت کے ساتھ اگر تصویریں بھی بنائی جائیں گی تو قرعہ اور مقابلہ دونوں میں نام شریک کیا جائیگا۔

نوٹ (۱) جوابات ۳۰ اگست ۱۹۲۸ء سے پہلے پہلے ارسال کر دئے جائیں۔

(۲) تصویر اور عبارت کے ساتھ ایکا اور محض تصویر یا عبارت کے ساتھ ۱/ کا ٹکٹ ملفوف ہونا ضروری ہے۔ (۳) جوابات "م۔ب۔ ممتاز مارہروی (اہلیہ جناب محمد رفیع الدین صاحب زبیری) کمبوہ محلہ مارہرہ ضلع ایٹہ" کے پتہ پر موصول ہونے چاہئیں۔

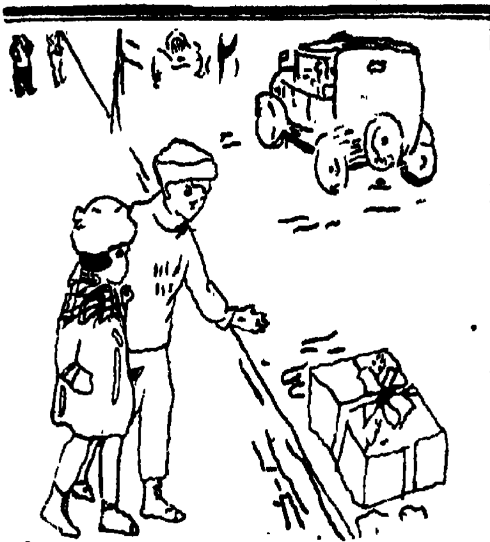
(۴) چوتھے حصہ کی تصویر "پیام تعلیم" کے اُس صفحہ پر جس پر تین حصوں کی تصاویر درج کیجا رہی ہیں بنا کر بھیجی جائے۔

(۱)



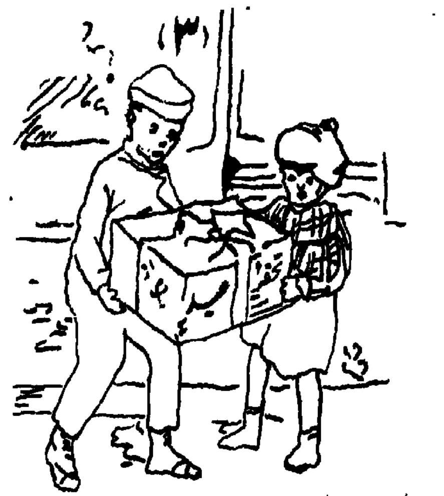
حسین و حمیدہ دو بہن بھائی تھے دونوں کے ماں باپ مر چکے تھے۔ یتیم و یسیر تھے عید کے دن دونوں نے دھلے کپڑے پہنے، عیدگاہ جا کر نماز عید ادا کی۔ واپسی پر ہر بچہ کو اپنے والدین کے ساتھ عید کے تحفے وغیرہ خریدتے دیکھکر دونوں کا جی بہت کڑھا۔ دونوں نے دل میں دعا کی کہ اللہ میاں ہم کو بھی کوئی تحفہ دینا۔

(۲)



دونوں بچے اسی دعا میں مشغول تھے اور اسی دھیان میں چلے جا رہے تھے کہ انہیں سڑک پر کچھ گرنے کی آواز آئی۔ دونوں نے سڑک کی طرف دیکھا تو ایک پارسل پڑا پایا۔ پارسل پر "تحفۂ عید" لکھا تھا۔ حسین نے حمیدہ سے کہا کہ ۔ لو منی ہمارے اللہ میاں نے ہمیں تحفہ بھیجدیا

(۳)



ہمارا اللہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ چلو اسے گھر لے چلیں اور ایک دوگانہ اس کے شکر کا اور ادا کریں۔ پارسل بہت وزنی تھا۔ دونوں سڑک پر سے اٹھا کر اسے گھر کو لے چلے۔

(۴)

بچوں کا کتب خانہ

دنیا کے بسنے والے

حبشیوں۔ امریکہ کے پُرانے باشندوں بدوعربوں افریقہ کے بونوں، اور جاپان، سوئٹزرلینڈ اور اُن ملکوں کے لوگوں کے حالات جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے۔ سید بشیر حسین زیدی صاحب بی۔ اے (کینٹب) بیرسٹر ایٹ لا ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علیگڑہ نے بچوں کے لئے آسان زبان میں لکھی ہے۔ کتاب میں تقریباً ۵۰ تصویریں ہیں جنہیں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انہیں دیکھکر ہنسی ضبط کرنا محال ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے۔ ٹائیٹل خوبصورت اور رنگین قیمت صرف ۶/

تاریخ ہند کی کہانیاں

بنت نصیرالدین تیموریہ نے سینکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی تاریخی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں لکھی ہیں کہ کوئی بچہ کتاب شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑ نہیں سکتا۔ ماں باپ یہ کتاب اپنے بچوں کو اس لئے دیتے ہیں کہ اسے پڑھکر بچوں کو تاریخی معلومات ہوتی ہے اور بچے اس لئے پڑھتے ہیں کہ قدیم ہندوستان اور اس کے باشندوں کے متعلق اس سے زیادہ دلچسپ کہانیاں انہیں مل نہیں سکتیں۔ قیمت صرف ۴/

ترکوں کی کہانیاں

اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت وجرأت کی چند صحیح اور سچی کہانیاں ہیں جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے اور ان ترک بچوں کی طرح وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتاب بھی بس اب ختم ہو چکی ہے۔ صرف چند باقی رہگئی ہیں۔ اگر فوراً طلب نہ کیجئے گا تو پھر دوسری بار چھپنے تک انتظار کرنا ہوگا۔ آج ہی لکھدیجئے۔

قیمت صرف ۴/

گدھے کی آپ بیتی

یہ نوشل صاحب کی پُرمذاق کتاب ہے۔ اسمیں ایک بہت بڑے تجربہ کار گدھے نے اپنی زندگی کے بڑے مزیدار حالات بیان کئے ہیں اور انسانوں کو بُرا بھلا کہا ہے۔ گدھا دھوبی کے یہاں رہتا تھا وہاں سے بھاگ نکلا کہیں کانجی ہوس میں رکھا گیا کہیں خانہ بدوشوں کے ہاتھ پڑا۔ ایک نمائش کی گدھا دوڑ میں جاگا۔ پھر سرکس کمپنی میں نوکر ہوگیا اور طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنسنے کے بعد آخر ایک نئے مالک کے ہاں آرام سے رہنے لگا۔ جو شخص اس کتاب کو پڑھتا ہے بے اختیار ہنس دیتا ہے۔ قیمت ۱۰/

احمد نجومی

ایک جھوٹے نجومی کا بہت دلچسپ قصہ جو اتفاق سے ہر چیز کا ٹھیک ٹھیک پتہ بتادیا کرتا تھا۔ قیمت ۴/

میاں کوشش

ایک غریب لڑکے کا بہت مزیدار قصہ جس نے اپنی کوشش اور محنت سے اتنا درجہ پایا کہ ایک بادشاہ کا ولیعہد بنگیا قیمت ۵/

بہار کے پھول

جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری کی پیاری پیاری بیس عمدہ نظموں کا مجموعہ جس میں عید، شب برات اور دیوالی دسہرے کے تہوار پر گنگا اشنان پر اور بہار پر بسنت اور برسات کے موسم پر بہت کی سہانی اور میٹھی میٹھی صدا پر دھوبی کی چھیوا چھو پر بڑی مزیدار نظمیں ہیں۔ اسیطرح بھائی کی یاد، قینچی دھنک، جگنو تیتری پر نظمیں قیمت ۸/

چِن چِن

چین کے ایک موچی چن چن کی کہانی جس نے اپنے ایک دوست کی چوری کی۔ اور اس گناہ کی وجہ سے اس کے گال سوج کر کپا بن گئے سب نے بہتیرے علاج کئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر پورن ماشی کی رات میں وہ جنگل میں گیا اور بونوں نے اس سے چوری کی توبہ کروا کر اس کے گال ٹھیک کردئے۔

قیمت ۵/

سیرۃ پاک

ہمارے نبیؐ

خدا کے پیارے ہمارے نبی محمد مصطفےٰ کی پاک زندگی کی کہانیاں نہایت آسان زبان میں۔ اس کتاب میں آپ کے بچپن سے آخر عمر تک کے تمام حالات درج ہیں۔ سب بچے مزے لیلے کر اسے پڑھتے ہیں۔ چھوٹی سی خوبصورت کتاب ہے۔ اس کے لکھنے والے ہندوستان کے مشہور پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم۔ اے ہیں۔ صرف چند کتابیں باقی رہگئی ہیں فوراً لکھدیجئے ورنہ دوسری بار چھپنے کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت صرف ۴/

سرکارؐ کا دربار

از احمد الیاس صاحب حبیبی۔ رسول مقبول صلعم کی سیرۃ بچوں کیلئے آسان اور سہل انداز بیان میں پیدائش سے وفات تک کے مفصل حالات اسطرح لکھے گئے ہیں کہ تمام واقعات بھی آجائیں اور بچوں کے دماغ پر کچھ بار بھی نہ پڑے۔ خانہ کعبہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کی عکسی تصویریں ہیں۔ سرورق نہایت دلکش اور خوبصورت جسپر روضہ پاک نبی کریمؐ کے فوٹو نے چار چاند لگائے ہیں۔ کتابت اور طباعت نہایت پاکیزہ۔ حجم تقریباً ۸۰ صفحات قیمت ۸/

ہمارے رسولؐ

خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تفسیر کے پروفیسر ہیں قرآن شریف کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ یہ تفسیر بڑی عمر کے لوگوں کیلئے ہیں لیکن ہماری درخواست پر خواجہ صاحب نے چھوٹے بچوں کے لئے یہ کتاب لکھی ہے جسمیں رسول کریم صلعم کے حالات زندگی ہیں۔ زبان اتنی سہل اور طرز بیان ایسا موثر ہے کہ بچوں کے دل میں اچھے کام کرنے اور رسول خدا کے حکم ماننے کا خود بخود شوق پیدا ہوتا ہے قیمت ۸/

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ باہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر وپبلشر زیر اہتمام مسٹر محمد مجیب بی۔ اے (آکسن) مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں طبع ہو کر دفتر "پیام تعلیم" قرولباغ دہلی سے شائع ہوا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ

ششماہی عہ

فی پرچہ ۲ ایڈیٹر: سعید انصاری بی۔اے (جامعہ)

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ مئے

نصف صفحہ صہ

چوتھائی صفحہ ۳ے

جلد ۵	۲۱ اگست ۱۹۲۸ء	نمبر ۸

دو ستارے

ذیل کی نظم انگریزی کی ایک سبق آموز نظم ' دی ٹو اسٹارس ' (The Two Stars) کا نہایت سلیس ترجمہ ہے جو م۔ جا جبہ مارہوی نے خاص "پیام تعلیم" کے خورد سال ناظرین کے لئے عنایت فرمایا ہے۔ (ایڈیٹر)

میں نے گزشتہ شب کو
(۱) بام فلک پہ دیکھا
با خوبی و تجمل
مہتاب کو چمکتا

تھا جس کی روشنی سے
(۲) سب آسمان روشن
فرش زمیں تھا دلکش
تھا وہ جو پرتو افگن

بادل بھی ہلکے ہلکے
(۳) چاروں طرف تھے پھیلے
اتنے میں دو ستارے
اک دم ابر کے جھپکے

ان کا یہی تھا دعوےٰ
(۴) ہوں چاند کے مقابل
ہمت جو کی انہوں نے
بڑھکر ہوئے وہ کامل

یہ دے گئے سبق وہ
(۵) اے میرے ننھے بچو!
ہمت کرو جو تم بھی
حاصل یہی ہو تم کو

شذرات

ہندوستان کو آئینی اصلاحات دینے کیلئے برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے سائمن کمیشن کے نام سے جو جماعت مقرر کی گئی ہے اس کے ساتھ ہندوستان کی "تعلیمی ترقی" کی رپورٹ پیش کرنے کیلئے ایک معاون جماعت کا بھی تقرر ہوا ہے جس کے صدر سر فلپ ہارٹاگ ہیں جو انگلستان اور ہندوستان کے تعلیمی معاملات میں ایک غیر معمولی قابلیت کے شخص سمجھے جاتے ہیں کمیٹی مذکور نے تحقیقات کا کام شروع کر دیا ہے اور سب سے پہلے اس نے سوالات کی ایک فہرست شائع کی ہے جس میں سب سے بنیادی سوال یہ رکھا گیا ہے کہ

"کیا آپ کا خیال ہے کہ گزشتہ دس سال کے عرصہ میں
ہندوستان کے اس حصہ یا حصوں میں جس کا آپ سے
بذات خود تعلق رہا ہے، ترقی تعلیم قابل اطمینان طور پر ہوئی ہے؟"

اگر اس سوال کا جواب اثبات میں دیا گیا (جیسی کہ کم و بیش اکثر سرکاری گواہوں سے توقع ہوتی ہے) تو کیا کہنا! لیکن اگر جواب نفی میں ہو تو مزید تشریح کے لئے ان تصریحات کے ماتحت ہو.. (۱) انتظامی حیثیت سے (۲) تعلیمی اعتبار سے (۳) معاشرتی اعتبار سے اور (۴) مالی نقطۂ خیال سے۔ اس صورت میں کہ ان میں سے جس اعتبار سے خامی پائی جائے اس کے لئے یہ بھی بتایا جائے کہ مزید اصلاح و ترقی کس طریقہ سے ہو سکتی ہے۔

یہ سب کچھ سہی کہ آپ نے مقدمہ کی تفتیش و تحقیقات کی طرف توجہ فرمائی، سمن جاری کیا گیا، عدالت کا تعین بھی ہو گیا، گواہان پیش کئے جانے کا بھی فیصلہ ہو گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر قلم کس کے ہاتھ میں ہے؟ کیا موجودہ عدالتوں میں آئے دن یہ منظر دیکھنے میں نہیں آتا کہ مقدمہ کی تحقیق و تفتیش بھی ہوتی ہے، گواہان کا ایک سلسلہ بھی نظر آتا ہے، مسند قضا پر ایک حاکم پر جلال جلوہ افگن ہوتا ہے لیکن فیصلہ وہی ہوتا ہے جو مقصود ہوتا ہے پھر ایک ایسے کمیشن سے جس کے اکثر افراد غیر ہندوستانی یا نیم ہندوستانی ہوں، کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ہندوستان کی گزشتہ دہ سالہ "تعلیمی ترقی" کی صحیح تفتیش و تحقیقات کہاں تک کریں گے!

ہندوستان کمیشن اور کمیٹیوں کا تجربہ اس سے پہلے بھی کتنی بار اٹھا چکا ہے۔ آئینی کمیشن بھی مقرر ہوئے ہیں اور زراعتی کمیشن بھی، لیکن اب تک نہ ہندوستان کا آئین و دستور درست ہوتا نظر آتا ہے اور نہ اس کی زراعت و کاشتکاری کی کھیتی پھلتی پھولتی دکھائی دیتی ہے۔ پھر تعلیم کے معاملہ میں کیا ایسی امید کی جا سکتی ہے کہ ہندوستان کے رخ سے جہالت و ظلمت کی نقاب اٹھ سکے۔ سوال مرض کی تشخیص کا نہیں ہے بلکہ علاج کا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان نے گزشتہ دس سال کے اندر کہاں تک تعلیم میں ترقی کی ہے، اصل کوشش اس کی کرنی ہے کہ اس مرض کے دور کرنے کی کیا کیا تدبیریں ہو سکتی ہیں، کیا کیا صورتیں اختیار کی جائیں جن سے عوام میں تعلیم کا رواج زیادہ ہو، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم ایسی ہو جائے جس سے تعلیم پانے کے بعد لوگ اپاہج اور بے کار نہ ہو جائیں بلکہ ایک باعزت اور کارآمد زندگی بسر کر سکیں۔ یہ باتیں اصل میں دریافت طلب ہیں جن کے لئے کمیشن یا کمیٹی کا تقرر کسی حد تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔

واقعۃً اگر معاون کمیٹی کے مقرر کرنے والوں یا خود ارکان کمیٹی کی یہ نیت ہے کہ ہندوستان کی تعلیمی ترقی نہیں بلکہ صحیح تعلیمی حالت کا پتہ لگائیں تو انہیں کام شروع کرنے سے پیشتر اپنے کام کے ان حلقوں کا بھی تعین کر لینا چاہئے جن سے انکو صحیح معلومات مل سکتے ہوں۔ ہندوستان میں تعلیم کا کام صرف سرکاری ہی طور پر نہیں ہوتا ہے بلکہ کچھ غیر سرکاری طریقہ پر بھی ہوتا ہے اور تعلیم کے ماہرین صرف سرکاری یونیورسٹیوں ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ دس پانچ ان کے باہر بھی مل سکتے ہیں جن سے بہت کچھ مفید اور کارآمد معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔ شہادتوں میں اگر ان ذرائع کا ایک حد تک لحاظ رکھا جائے تو امید ہے کہ ہندوستان کی تعلیمی حالت کا اور اس کے علاج کا کچھ صحیح علم ہو سکے ورنہ اس معاون کمیٹی کی کارگزاریوں کا اندازہ تو ہمیں پہلے ہی سے ہے۔

جدید رُوس میں تعلیم کا طریقہ

(از پنڈت جواہر لال نہرو) [1]

جدید روس کا مطالعہ آج ہمارے لئے مختلف حیثیتوں سے دلچسپی رکھتا ہے لیکن ایک ہندوستانی کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید پہلو روس کی تعلیمی پالیسی' بالخصوص جہالت کے خلاف اس کے دلیرانہ جہاد کا اعلان ہے۔ بڑے بڑے زراعتی رقبے جنہیں جاہل اور اَن پڑھ کسانوں کی کثیر تعداد بستی ہے بعینہٖ یہی حالت آج ہمارے ہندوستان کی بھی ہے لیکن اس دشواری کا حل جو آج روس نے اپنے لئے سوچا ہے' وہ ہمارے لئے ایک درس عبرت رکھتا ہے

تعلیم کی اہمیت | جدید روس کے اس مطالعہ سے سب سے پہلا خیال جو ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بالشویک لیڈروں اور ان کے بڑے بڑے اشخاص نے نوجوانوں کی تعلیم پر کس درجہ زور دیا ہے۔ تمام دنیا میں آج یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ سوسائٹی کی بہتر حالت بغیر صحیح تعلیم کے نا ممکن ہے۔ روس کے بڑے بڑے اشخاص نے یہ طے کرلیا ہے کہ سوسائٹی کا مستقبل کیا ہونا چاہئے اور انہی مقاصد کو پیش نظر رکھکر انہوں نے عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی توجہ کا سب سے بڑا حصہ نوجوانوں کی تعلیم پر صرف کرنا شروع کیا ہے اور ان کی قوم کے بہترین اشخاص نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں جبکہ پیٹرو گراڈ کے اندر خانہ جنگی کی آگ بھڑک رہی تھی اور ہر شخص یہ کہہ رہا تھا کہ بالشویک تباہ ہو جائیں گے' انہوں نے صرف چند دنوں کے اندر اپنا تعلیمی پروگرام بنا کر شائع کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ دس سال کے اندر تمام ملک سے جہالت کو مٹا کر رہیں گے۔ یہ ان کی صرف خواہش ہی خواہش نہ تھی۔ انہوں نے باقاعدہ طور پر ایک پروگرام نہ صرف نوجوانوں کی تعلیم کا بلکہ اس جہالت کو دور کرنے کا بھی بنایا۔ لیکن انہیں اپنی اس کوشش میں پوری کامیابی نہ ہوئی۔ قسمت ان کے خلاف تھی۔ خانہ جنگی برابر جاری رہی۔ دشمنوں کے محاصرے نے ان کی حالت کو بہت قابل رحم بنا دیا۔ تاہم اگرچہ وہ جہالت کو بالکل نہ مٹا سکے پھر بھی اس دس سال کے اندر انہوں نے نہایت حیرت انگیز کامیابی کا ثبوت دیا ہے۔

تعلیم کا زندگی سے لگاؤ | جدید روس کی تعلیم میں ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کے مدارس اور روزمرہ کے معاملات میں ایک گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ تعلیم کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فضائے آسمانی میں ہو اور جس کا طالبعلم کی زندگی یا بحیثیت شہری کے اس کی آیندہ زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ حقیقی تعلیم وہ ہے جو بچہ کے ماحول اور گرد و پیش کے حالات و واقعات پر مبنی ہو اور جو اس کام کے لائق بنا دے جسے وہ اپنی آیندہ زندگی میں اختیار کرنا چاہتا ہے۔ لہذا ایک مفید اور بامعنی نصاب تعلیم تیار کرنے کی غرض سے وہاں کے ایک بڑے ماہر تعلیم نے سب سے پہلے صنعتی اور زرعی علاقوں کا ایک گہرا مطالعہ کیا اور ہمیشہ اساتذہ پر یہ زور دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے حالات زندگی سے پوری واقفیت اور لگاؤ رکھیں تاکہ نصاب تعلیم ان ضروریات سے ہٹنے نہ پائے۔

مختلف ذرائع تعلیم | اس غرض کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ ذریعۂ تعلیم مادری زبان ہو۔ جمہوریہ روس میں اقوام اور زبانوں کا اختلاف اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا ہندوستان میں ہے لیکن باوجود مشکلات کے اصول میں سرمو فرق نہیں آیا ہے۔ جمہوریہ کے ماتحت جتنے مدارس ہیں' ان میں ہر زبان بولنے والی جماعت اپنی زبان استعمال کرتی ہے۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہے کہ ایک ہی شہر کے مختلف اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم مختلف ہے۔ کوشش اس امر کی کیجاتی ہے کہ ہر حصہ کی مقامی زبان ترقی کرے۔ مختلف صوبوں کے سرکاری کام مختلف زبانوں میں ہوتے ہیں۔ سرکاری اخبارات اور کتابیں ان زبانوں میں شائع ہوتی ہیں۔ لینن گراڈ اور ماسکو وغیرہ میں استادوں کے لئے ان زبانوں کے سکھانے کی غرض سے متعدد مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ اس قسم کے مدارس کی تعداد اس وقت تک ۵۴ ہے۔ بڑی بڑی یونیورسٹیاں ان قلیل التعداد جماعتوں کی زبانوں کے لئے مستقل انتظام

---

[1] پنڈت جی موصوف نے گزشتہ سال اپنے یورپ کے طویل قیام میں وہاں کے تعلیمی' معاشرتی اور سیاسی حالات کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے یہ مضامین اس ناقدانہ مطالعہ کا نتیجہ ہے جو امید ہے کہ ناظرین "پیام" کی دلچسپی کا موجب ہوں گے (ایڈیٹر)

رکھتی ہیں۔ روس میں اقلیتوں کی تہذیب و تمدن کو ترقی دینے کی یہ خواہش اس درجہ ترقی پر ہے کہ جن حصوں میں صرف بولیاں تھیں اور ان کا کوئی خاص رسم خط نہ تھا، اُن کے لیے نئے نئے رسم خط ایجاد کئے گئے ہیں۔ جب ہم ماسکو کا محکمہ تعلیم دیکھنے گئے تو ہمیں بہت سی ایسی درسی کتابیں دکھائی گئیں جو مختلف رسوم خط میں تھیں، ان میں سے بعض رسم خط عربی سے ملتے جلتے تھے اور باقی ایسے تھے جسے ہم بالکل ہی نہیں پہچان سکتے تھے۔

اقلیتوں کی تہذیب و تمدن کی حفاظت کا سوویٹ حکومت کہاں تک خیال رکھتی ہے اس کا بہترین اندازہ صرف ایک مثال سے ہوسکتا ہے۔ سائبریا کے علاقہ آرکٹک میں ایک چھوٹی سی قوم ہے جس کا نام کراگاس ہے اور جس کی مجموعی تعداد مع کمسن بچوں کے ۵۰۴ ہے۔ یہ لوگ ایک قسم کی ترکی زبان بولتے ہیں اور خانہ بدوشوں کی طرح رہتے ہیں جن کا ذریعہ معاش صرف شکار ہے لیکن حکومت نے اس جماعت کے بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا ہے اور ایک خاص اسکول اس غرض کے لئے کھولا ہے۔ یہ اسکول صرف جاڑوں کے موسم بھر جاری رہتا ہے اس لئے کہ گرمی میں بچے اپنے والدین کے ساتھ ادھر اُدھر چلے جاتے ہیں۔ ایک دوسری قوم "چیپی" کی ہے جن کے لئے تین مدارس ہیں۔ ان میں کوشش اس بات کی کیجا رہی ہے کہ ان کے لئے لفظوں کے ہجے کا باقاعدہ اصول بنا دیا جائے لیکن دقت یہ ہے کہ ان کے پاس حروف تہجی نہیں ہیں۔ اسی طرح بچاسوں اور دوسری قلیل التعداد جماعتیں ہیں جن کی زبان و تہذیب کے تحفظ کا حکومت پورا پورا خیال رکھتی ہے۔

اسی زمانہ میں لینن گراڈ کی مجلس سائنس نے بدھ مذہب کی تحقیق و مطالعہ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ بدھ مذہب پر ایک دائرۃ المعارف مرتب کر رہا ہے اور عنقریب بدھ تمدن کی تحقیق و مطالعہ کے لئے ایک بین الملی کانفرنس بھی منعقد ہونے والی ہے۔

یہ معلوم کرکے بھی دلچسپی ہوگی کہ جمہوریہ کی بعض ریاستوں میں ان عورتوں نے جو اب تک پردہ میں رہا کرتی تھیں، بحیثیت معلمہ کے مدارس میں تعلیم دینے کا کام شروع کر دیا ہے۔

تعلیم عوام کے لئے ایک تیسری سب سے بڑی خصوصیت روس کی تعلیم کی یہ ہے کہ اس کا تمام نظام تعلیم عوام کے لئے ہے جو اشتراکی اصول کا لازمی نتیجہ ہے۔ اکثر ممالک میں بہترین قسم کی تعلیم ان خوشحال لوگوں کے بچوں کی ہوتی ہے جو اپنے خاص مدارس رکھتے ہیں۔ لیکن روس میں اس قسم کی تعلیم سے ہر شخص کو بہرہ ور کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ چنانچہ اس کی اصل بنیاد اس اصول پر ہے کہ تعلیم اجتماعی اور اشتراکی ہونی چاہئے یعنی یہ کہ اصل غرض انفرادی طور پر صرف حصول علم اور کسب کمال ہی نہیں ہے بلکہ دوسروں کو دینے اور ان سے لینے کی صلاحیت پیدا کرنی ہے۔

زار کے زمانہ میں تعلیم کا سارا نظام کلیسا کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی اصل غایت یہ تھی کہ بچوں میں زار اور کلیسا کی وفاداری کا جذبہ پیدا کیا جائے اور ہندوستان کی طرح حکومت کے لئے کلرک بنا لئے جائیں۔ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو اپنے درجہ سے اوپر اٹھنے کا بہت کم موقع دیا جاتا تھا۔ زار کے زمانہ میں ایک وزیر تعلیم نے اپنے پیش نظر یہ اصول رکھا تھا کہ "کوچبانوں، ملازموں، باورچیوں اور دھوبیوں وغیرہ کے لڑکوں کو اس بات کا موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ اپنے پیدائشی حدود سے باہر نکلیں"۔ بچوں کو اس قسم کی باتیں سکھائی جاتی تھیں؛۔

سوال:۔ مذہب کیا سکھاتا ہے کہ زار کے ساتھ ہمارا کیا فرض ہے؟

جواب:۔ بندگی، وفاداری، ادائیگی ٹیکس، خدمت، محبت اور عبادت۔

سب کچھ غرض بندگی اور وفاداری کے دو لفظوں پر مشتمل تھا۔

عام اور مفت تعلیم سب سے پہلے احکام جو سوویٹ حکومت نے تعلیم کے متعلق نافذ کئے وہ اسکولوں کے کلیسا سے علیحدہ کئے جانے، لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ تعلیم دئے جانے اور غیر روسی قومیتوں کو اپنی زبانوں کے مدارس قائم کرنے کے متعلق تھے۔ یہ اصول بھی رکھا گیا کہ اسکول میں داخل کئے جانے سے پیشتر تین سال سے لیکر سات سال تک اور پھر اُس کے بعد آٹھ سال سے بارہ سال تک ابتدائی تعلیم، تیرہ سال سے سولہ سال تک ثانوی تعلیم یہ سب مفت، لازمی اور عام ہونی چاہئے۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی قرار پایا کہ ہر روسی شہری اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ پندرہ سولہ سال تک تمام بچوں کی تعلیم کا دینا خاندان کا نہیں بلکہ ریاست کا فرض ہے۔

شیر خوار بچوں کی تعلیم اس بنا پر تعلیم تین ہی سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے قبل بچہ یا حاملہ ماں محکمۂ حفظان صحت کی ذمہ داری میں

ہوتا ہے۔ ایسی کام کرنے والی عورتیں جو حاملہ ہوتی ہیں، انہیں وضع حمل سے تین چار روز قبل اور بعد تمام کام سے بری کر دیا جاتا ہے اور پوری اجرت دی جاتی ہے۔ انہیں بوقت ضرورت ہر طرح کی طبی امداد بھی بہم پہونچائی جاتی ہے۔ بچہ ہونے کے بعد بھی دوران کام میں انہیں کافی وقت دیا جاتا ہے کہ وہ بچہ کی اچھی طرح سے خبرگیری کر سکیں۔ ہر کارخانہ اور ٹریڈ یونین اس غرض کے لئے کچھ نہ کچھ مالی امداد دیتا ہے جس سے شیر خوار بچوں کی تربیت کے لئے اسکول، کنڈرگارٹن اور دوسرے کھیل کود کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔ بچوں کو اسکول میں داخل کئے جانے سے پیشتر انکی صحت وصفائی، غذا و آسائش پر خاص توجہ رکھی جاتی ہے اور انکی تعلیم کے نصاب میں کھیل اور قصے کہانیاں، تفریحی مجلسیں، موسیقی اور ڈرامہ بھی داخل کئے جاتے ہیں۔ اس ابتدائی عمر ہی میں بچوں کے اندر اشتراکی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ گزشتہ چند سالوں کے اندر اس قسم کے تقریباً دس ہزار اسکول کھولے گئے ہیں جو پھر بھی ملک کی وسیع ضروریات کے لحاظ سے ناکافی ہیں۔

بالغوں کی تعلیم کے لئے ٹریڈ یونین بھی اپنی آمدنی کا دس فیصدی دیتی ہیں اور مالکان کارخانہ سے بھی ایک معاہدہ اس قسم کا ہوا ہے جسکی بنا پر وہ مجموعی اجرات کا ایک فیصدی اس فنڈ میں داخل کرتے ہیں۔

<u>صحت کا خیال</u> ابتدائی اور ثانوی تعلیم ایک ساتھ دیجاتی ہے اور ایسے اسکول کو "یونی فائیڈ لیبر اسکول" کہتے ہیں۔ اس کے دو حصے ہوتے ہیں، پہلی منزل اور دوسری منزل، پورا کورس سات سال سے نو سال تک ہوتا ہے۔ اس اسکول کی بعض خاص خصوصیتیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً داخلہ کا کوئی امتحان نہیں ہوتا اور ترقی سال بھر کا کام دیکھکر دیجاتی ہے جس کا اندازہ جماعت کے مجموعی کام کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ تمام اسکولوں میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ پڑھتی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد طبی معائنے بھی ہوتے ہیں اور ہر لڑکے پر الگ الگ توجہ کیجاتی ہے۔ جو لڑکا کمزور ہوتا ہے اُس سے زیادہ کام نہیں لیتے، جن لڑکوں کی نگاہیں کمزور ہوتی ہیں ان کو اگلی صف میں بٹھایا جاتا ہے۔ تعلیم میں عام طور سے ڈلیٹن کا طریقہ رکھا گیا ہے جس میں لکچروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

<u>حکمرانی کی تعلیم</u> طلبہ کو حکومت کرنے کا طریقہ سکھانے کے لئے خاص خیال رکھا جاتا ہے، چنانچہ اس غرض کے لئے ان کی کئی انجمنیں ہیں۔ خود اسکول کا نظام اوقات بنانے میں طلبہ کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ جماعتی جنگ اشتراکیین کا یکا عتقاد ہے، لیکن جہاں تک مدارس کا تعلق ہے، پنیتق کی بیوی کروپسکایا کا خیال ہے کہ "طلبہ کی حکومت خود اختیاری بڑے لوگوں کی زندگی کا نمونہ نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ بچوں کی زندگی میں جماعتی کشمکش یا جماعتی نزاع نہیں چل سکتا۔ اسکول آئندہ سوسائٹی کا ایک نمونہ ہے جس میں جماعتیں نہیں ہوں گی۔" لیکن باوجود اس قابل تعریف نصب العین کے پھر بھی ان اسکولوں میں کافی کشمکش اور مخالفت پائی جاتی ہے۔

<u>بغیر کتابوں کے تعلیم</u> تفریحی مشاغل کا طریقہ ان اسکولوں میں بہت عام ہے۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہے کہ ابتداءً ان کے پاس کتابیں اور دوسرے ضروری سامان پورے نہ تھے۔ چنانچہ اب بھی طلبہ کو بڑی بڑی ٹولیوں میں عجائب خانوں، تاریخی جگہوں، تصویر خانوں اور قدرتی مناظر کی سیر کرانے کی غرض سے لیجایا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ تفریحی سفر دور دور جگہوں کے ہوتے ہیں اور اگر سرمایہ کافی نہیں ہوتا تو راستہ میں روپیہ پیدا کرنے کی تدبیریں کیجاتی ہیں۔

<u>ایک عجیب طریقہ</u> تعلیم کا ایک اور خاص طریقہ یہ ہے کہ کوئی ایک چیز لیلی جاتی ہے اور اُسی کے گرد و پیش تمام توجہ رکھی جاتی ہے، مثلاً گاؤں کو لے لیا تو گاؤں کی زندگی، فصلیں اور پیداوار، گاؤں والوں کی صحت وصفائی اور انکی معاشرتی زندگی، وہاں کی مقامی تجارت، گاؤں اور شہر کا باہمی تعلق، دیہاتی زندگی کے نقائص، ان کے اسباب اور طریقہ علاج، گاؤں کی حکومت اور گاؤں کی ترقی کے لئے دوسرے لوگوں کے اتحاد عمل کی ضرورت، غرض گاؤں سے متعلق تمام مسائل ہوتے ہیں جن پر توجہ کیجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں تمام طلبہ کو دیہاتوں میں کام کرنا پڑتا ہے اور ان کے جو جو خیالات ہوتے ہیں، ان کو عمل میں لانے کا یہ ایک بہترین موقع ہوتا ہے۔

اسی طرح صحت کو لیجئے تو اس سلسلہ میں انفرادی، خانگی اور قومی ہر قسم کی صحت پر غور و فکر کیا جاتا ہے اور طلبہ پر یہ زور ڈالا جاتا ہے کہ افرادی اور خاندان کی صحت کا بہت کچھ دار و مدار قوم کی صحت پر منحصر ہے۔ جسم، غذا اور ہاضمہ وغیرہ سے متعلق جملہ مسائل پر بحث کیجاتی ہے اور شراب و دیگر منشیات کے نقصانات طلبہ کو بتائے جاتے ہیں۔

کوائفِ جامعہ

نتیجہ امتحان بی۔اے معمولی منعقدہ اپریل ۲۸ء

قاضی محمد سعید صاحب	درجہ دوم	
رام ناتھ کالیا	درجہ سوم	
سوریا نرائن جوشی	درجہ دوم	(یہ بی۔اے امتیازی اجتماعیات میں شریک ہوئے تھے لیکن اس کے مستحق نہیں سمجھے گئے لہذا بی۔اے معمولی کی سند بھیجی جائیگی)

اس عرصہ میں جامعہ کی ہاکی ٹیم نے کئی میچ کھیلے مثلاً ایک شہر کے ہیڈن کلب سے، دوسرا جامعہ کا مدرسہ شانوی سے، تیسرا طبیہ کالج سے لیکن بدقسمتی سے وہ ہر ایک میں ہاری۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پرانی ٹیم کے طلبہ منتشر ہوگئے ہیں، نئے کھلاڑیوں کی ابھی کافی مشق نہیں ہوئی ہے۔ امید ہے کہ روزانہ مشق کی وجہ سے وہ بہت جلد اس قابل ہوجائے گی کہ اپنے ان حریفوں کو سر میدان زک دیسکے۔

امسال جامعہ سے مولینا حافظ محمد اسلم صاحب اور مولینا خواجہ عبدالحی صاحب بغرض حج بیت اللہ تشریف لیگئے تھے۔ بحمد اللہ کہ ہر دو حضرات بخیر و خوبی واپس تشریف لائے اور اپنے ساتھ تبرکات حج بھی لائے جس سے اکثر لوگوں کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملا۔ سلطان ابن سعود کی طرف سے ہر دو صاحبان کو ایک ایک عبا بھی عطا ہوئی ہے۔

جامعہ ملیہ کی مستقل طور پر خدمت کرنے کیلئے "مجلس تعلیم ملی" کے نام سے جو جماعت بنائی جارہی ہے، بحمد اللہ کہ ۱۰ اگست تک گیارہ اساتذہ نے اسکا دوامی رکن ہونا قبول کیا ہے اور اسی قدر تعداد ابنائے جامعہ میں سے بھی اس کے معاون رکن کی حیثیت سے شریک ہوئی ہے۔

امسال جامعہ کے اساتذہ میں ایک ناقابل تلافی کمی واقع ہوگئی ہے یعنی ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے اپنے بعض ذاتی وجوہ کی بنا پر جامعہ سے ایک سال کی رخصت لی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف سال ختم ہونے سے پیشتر ہی ہم میں آملیں گے اور اس کمی کو رفع کردیں گے۔

ایک دوسری کمی مسٹر ای۔ جے کیلاٹ صاحب کے نہونے سے محسوس ہورہی ہے جو تعطیل کلاں کے بعد مکان سے اب تک واپس نہیں آئے ہیں۔ جامعہ میں شام کے کھیل اور صبح کی جسمانی ورزش کو بڑی تقویت محض آپ کے دم سے تھی۔ امید ہے کہ آپ کے جلد تشریف لانے سے یہ ضعف جاتا رہے گا۔

اسی سلسلہ میں ہمیں یہ خبر بھی نہایت تکلیف کے ساتھ درج کرنی پڑتی ہے کہ عربی ادب کے مشہور فاضل مولینا محمد السورتی صاحب بھی بعض اپنے خانگی حالات کی بنا پر خود کو جامعہ سے علیحدہ ہونے پر مجبور خیال کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ مولینا اپنے ان حالات پر جلد از جلد قابو پاکر اپنے اس خیال کو ترک کردیں گے اور اس گوشہ عافیت کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیں گے۔

جامعہ نے اپنی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں پہلے کیا ہے کہ وہ طلبہ جو میٹرکولیشن یا انٹرمیڈیٹ کا امتحان کسی سرکاری یونیورسٹی سے دینا چاہتے ہوں وہ جامعہ میں تعلیم کے لئے نہ آئیں۔ اس طرح پر وہ ایک طرف اپنا نقصان یہ کرتے ہیں کہ اپنے ان امتحانات کی تیاری کما حقہ نہیں کرسکتے، دوسری طرف وہ جامعہ کے تعلیمی پروگرام میں بھی کمزوری کا باعث ہوتے ہیں۔

باوجود اس قسم کی پابندی کے خوشی کی بات ہے کہ جامعہ میں طلبہ برابر آرہے ہیں جو غالباً ایسے گھرانوں سے آتے ہوں گے جن کے پیش نظر صرف سرکاری ملازمت ہی نہیں ہے بلکہ جو تعلیم کو تعلیم کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

امریکہ میں ویدک علوم کی تحقیقات کا مدرسہ

(از اڈیٹر)

یورپ اور امریکہ کے مستشرقین نے اب تک ہندوستان سے متعلق اپنی جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے وہ زیادہ تر یہاں کی قدیم زبانوں سے متعلق رہی ہے۔ اگرچہ بعض بعض اشخاص نے یہاں کے قدیم خیالات و عقائد سے بھی لگاؤ رکھا ہے۔ لیکن ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن کے باقاعدہ مطالعہ کی تو کبھی نہیں کوشش کی گئی ہے۔ لیکن حال میں امریکہ کے سب سے بڑے شہر نیویارک کے اندر وید اور اُس کے متعلق دیگر مسائل کے مطالعہ کے لئے ایک بین الاقوامی اسکول کھولا گیا ہے۔ اس اسکول کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ مشرق اور مغرب کی تہذیبوں میں ایک امتزاج و یگانگت پیدا کیجائے۔ ڈاکٹر چارلس راکول لینمان جو ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اس اسکول کے اعزازی صدر ہیں۔ موصوف سنسکرت علوم کے ایک بڑے مستند فاضل بھی سمجھے جاتے ہیں خود ان کے الفاظ میں اسکول کی غرض و غایت سنئے:۔

"ہندوستان کی تمام مادی اور روحانی زندگی مغرب سے بالکل جداگانہ اور مختلف ہے جس کا سمجھنا اور معلوم کرنا صرف علمی وسائل سے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ ایک سنسکرت کے عالم کے لئے ضروری ہے کہ اُس نے ہندوستان میں قیام کیا ہو، وہاں کے لوگوں سے بذات خود ملا جلا ہو اور وہاں کی دو چار بڑی بڑی موجودہ زبانوں سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔"

اس غرض کے لیئے مشرق و مغرب کے فضلا میں اشتراک عمل قائم کرنے کیلئے موصوف نے اسی زور کے ساتھ حمایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"بہت سی باتیں ہیں جو امریکہ کو ہندوستان کی تاریخ سے سیکھنی ہیں اور بہت سی باتیں ہیں جو اہل ہند مغرب سے سیکھ سکتے ہیں۔ لہذا ہندوستان اور مغرب دونوں کو ایکبار ایک دوسرے کا استاد و شاگرد بننا چاہئے۔"

یہ غالباً سب سے پہلا موقع ہے کہ مغرب کے علم دوست اشخاص اس قدر جوش اور سرگرمی کے ساتھ ویدک علوم کی نشر و اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس تحریک میں جن ممتاز ہستیوں کے نام نہایت نمایاں طور پر نظر آرہے ہیں ان میں پروفیسر بلوم فیلڈ (جانس ہوپکنس یونیورسٹی) ڈاکٹر ڈاد گان ڈائرکٹر درسگاہ بین الملی، ڈاکٹر پال منرو ڈائرکٹر تعلیمگاہ معلمین کولمبیا یونیورسٹی خاص غور سے قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ ان لوگوں میں جو خاص درسگاہ میں کام کرتے ہیں، پنڈت جگدیش چندر چیٹرجی کا نام سب سے نمایاں ہے جو اصل میں اس تحریک کی روح رواں ہیں۔ چیٹرجی بنگال کے ضلع بیربھوم میں شانتی نکیتن سے چند میل کے فاصلہ پر پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم لائق پنڈتوں کے ہاتھ سے ہوئی بعد میں سرکاری وظیفہ سے وہ کیمبرج گئے اور وہاں تعلیم حاصل کی۔ وہ سنسکرت کے بہت بڑے فاضل ہیں اور بہت عرصہ تک کشمیر اور بڑودہ کی ریاستوں میں تعلیمی عہدوں پر مامور رہ چکے ہیں ایک ایسے شخص کی ماتحتی میں اسکول مذکور امید ہے کہ خاصی ترقی کرے گا۔ جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ اسکول اپنے مقاصد کی تکمیل کس طرح کرے گا تو انہوں نے فرمایا کہ:۔

"اسکول کا انداز و طریقہ بالکل علمی ہوگا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ویدک علوم کی اصل قدر و قیمت کو پہچانیں۔ اب تک ان علوم کی ایک تاریخی حیثیت رہی ہے اور ان کے ساتھ ایک ایسی ہی دلچسپی رہی ہے جیسی گزشتہ قدیم اشیاء سے ہوتی ہے۔ لوگ ہماری تہذیب و تمدن کا مطالعہ اسی طرح کرتے رہے ہیں جس طرح چٹانوں سے نکلی ہوئی ہڈیوں یا دوسرے قدیم آثار کا کرتے ہیں۔ یہ بین الاقوامی اسکول ان تمام باتوں کو بدل دیگا۔"

امریکہ کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں اپنے اثر کو پھیلانے کے لئے ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو ان تعلیمگاہوں میں ہندوستانی مضامین بالخصوص ویدک فلسفہ اور تمدن پر لیکچروں اور تقریروں کا انتظام کریگی۔ یہ بھی کوشش کیجائے گی کہ یہ درسگاہیں اپنے اپنے ہاں ان مضامین کی تعلیم کا کوئی باقاعدہ انتظام کریں۔ جب یہ اسکیم ذرا اور کامیاب ہونے لگے گی تو یہ اسکول ہندوستان سے لائق اور قابل فضلا کو اپنے ہاں مدعو کرے گا اور اپنے ہاں

سے علم دوست اشخاص کو ہندوستان بھیجے گا۔ مالی اعتبار سے اسکول آج بھی ابھی حالت میں ہے اور اس کو ترقی دینے کے لئے مزید امداد کی توقع ہے۔

اسکول کا دفتر سردست نیویارک میں ہے لیکن اس کی اصل عمارت کے لئے ایک وسیع رقبہ زمین کا موضع نایک میں حاصل کیا گیا ہے جو شہر مذکور سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ زمین دریائے ہڈسن پر نہایت خوشنما جگہ پر واقع ہے اور اس کی قیمت کوئی ڈیڑھ لاکھ روپیہ بتائی جاتی ہے۔ یہیں امریکہ کی ویدک یونیورسٹی ایک دن نظر آئے گی جیسا کہ چیٹرجی صاحب کا خیال ہے۔ یہ زمین اسکول کو ڈاکٹر ہیرے آرنلڈ برنارڈ نے عطا کی ہے جو ایک نہایت دلچسپ آدمی ہیں۔ وہ ہندوستان میں کوئی ۱۲ سال تک رہے ہیں اور "تنتر" اور "یوگ" وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اندرونی اعتبار سے وہ بالکل ہندو ہیں اور ہندوستان کی خدمت کے لئے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔

اسکول مذکور کے یورپین طبقہ کے قیام کے لئے ایک دوسرا حصہ ہے جو کانسٹینس جھیل پر واقع ہے۔ بنارس اور سری نگر میں بھی اسی قسم کا انتظام کیا جا رہا ہے کہ جو مغربی شائقین علم ہندوستان میں قیام اختیار کرنا چاہیں وہ ان مقامات میں قیام کریں۔ اسی پر موقوف نہیں بلکہ جو لوگ ان جگہوں میں آکر قیام نہ کر سکیں ان کے لئے اپنے اپنے طور پر کام کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

علاوہ ان سب باتوں کے اسکول مذکور کی کوشش یہ بھی ہے کہ (۱) اہل مغرب کے لئے سنسکرت کے عمدہ نسخوں اور ان کے تراجم کو بھی مہیا کرے۔ آئندہ ہندوستان کے قدیم علوم پر کام کرنیوالوں کو چاہئے کہ وہ ان مضامین پر زیادہ توجہ کریں جن پر اب تک بہت کم توجہ کی گئی ہے مثلاً ڈرامہ، معاشیات و سیاسیات (ارتھ شاستر) وغیرہ۔ اس کے علاوہ انہیں سنسکرت کی لغت بھی تیار کرنے چاہئیں۔ یہ کام اگرچہ دیکھنے میں بہت بڑے نظر آرہے ہیں لیکن اسکول نے مختلف شعبوں میں تھوڑی بہت ابتدا کر دی ہے۔ ڈاکٹر کے۔ الیف لائیڈ یکر نے جو اسکول کے اساتذہ میں شامل ہیں دو فاضلانہ تصانیف تیار کی ہیں، ایک میں یونانی اور ہندی فلسفہ سے مقابلہ کیا گیا ہے اور دوسری اپنشدوں پر ہے۔ اس کے علاوہ آج کل وہ ویدک فلسفہ اور علوم پر لکھ رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ بعض دوسرے فضلاء کی معاونت سے وہ ایک سنسکرت کا دائرۃ المعارف تیار کریں اور ویدوں کے جدید ترجمے بھی کر ڈالیں۔

ایک دوسرے رکن اساتذہ یونانی اور ہندی خیالات میں باہم مقابلہ و موازنہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اور تحقیق یونانی اور ہندی طب میں باہمی تعلق کے متعلق بھی ہو رہی ہے۔ نیز اسکول مذکور کا ارادہ امریکہ اور اناطولیہ میں تفتیش ارضی کا بھی ہو رہا ہے جہاں ایسی تختیاں اور آثار دستیاب ہوئے ہیں جن سے ویدک زمانہ کے دیوتاؤں اور لوگوں کے بہت کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں۔ غرض ان کاموں کا اندازہ ابھی سے لگانا ایک دشوار کام ہے جن سے ہندوستان کے ماضی پر اس قدر روشنی پڑنے کی توقع کی جاتی ہے اور یہ بلاشبہ اہل ہند کے لئے ایک نہایت مسرت و خوشی کا مقام ہے۔

(ماخوذ)

رفتار تعلیم

لکھنؤ یونیورسٹی میں نئے ریڈر کا تقرر

ایگزیکیوٹو کمیٹی لکھنؤ یونیورسٹی نے اپنے تازہ جلسہ میں ایک جدید ریڈر مسٹر کولنگ کو مقرر کیا ہے جو شیفیلڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ (امتیازی) ہیں انہوں نے ایم۔ اے کی ڈگری انگریزی لٹریچر میں اور تعلیم کا اعلیٰ ڈپلومہ حاصل کیا ہے۔

کلکتہ یونیورسٹی کا جدید وائس چانسلر

حکومت بنگال نے ریورنڈ ڈبلیو۔ ایس۔ ارکھارٹ کو کلکتہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا ہے۔

کلکتہ یونیورسٹی کا جدید مسودۂ قانون

مسلمانوں کی تعلیمی موت

بنگال کونسل میں کلکتہ یونیورسٹی بل کے متعلق دو ترمیمیں پیش ہوئیں ایک ترمیم میں مطالبہ کیا گیا کہ اس قانون کو رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا جائے اور دوسری میں تحریک کی گئی تھی کہ اسے منتخبہ کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔ ڈاکٹر پرامتھہ ناتھہ بینرجی نے ماہ دسمبر میں اس مسودۂ قانون کو پیش کیا تھا۔ آج آپنے کہا کہ یونیورسٹی کا نظام کرزن ایکٹ ۱۹۰۴ء کے مطابق چل رہا ہے اسوقت بھی اس ایکٹ کی سخت مخالفت ہوئی تھی لیکن تعلیم کے تمام شعبوں میں نمایاں ترقی ہوگئی ہے۔ اس قانون کی ترمیم ضروری ہے۔ مسٹر اے۔ کے فضل حق نے ترمیم پیش کی کہ اس قانون سے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اسے رائے عامہ کیلئے ڈسٹرکٹ بورڈوں، بلدیات کی انجمنوں اور اسلامی جماعتوں کے پاس بھجوایا جائے۔ اگر یہ قانون منظور ہوگیا تو مسلمانوں کی تعلیمی موت کے مساوی ہوگا۔

اس ترمیم پر ووٹ لئے گئے۔ سوائے تین مسلمانوں کے تمام مسلمانوں اور سرکاری ارکان نے اس کی تائید کی۔ یورپین اور غیر سرکاری ممبروں نے مخالفت کی اور سوراجیوں کے ساتھ ملکر رائے دی۔ چنانچہ ترمیم نامنظور ہوگئی۔ اور مسودۂ قانون مجلس منتخبہ کے سپرد کیا گیا۔

ہندو یونیورسٹی میں کھدر بھنڈار

شاندار رسم افتتاح

پنڈت مدن موہن مالویہ نے ۱۱ اگست کو ہندو یونیورسٹی کے احاطہ میں کھدر فروخت کرنے کی غرض سے ایک کھادی بھنڈار کا افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر اساتذہ اور طلبا کی بہت بڑی تعداد تھی۔ پرنسپل دھروو نے اس اجتماع کی صدارت کی۔ پروفیسروں اور طلبہ نے تقریریں کیں جن میں طلبہ کو کھدر استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ملک میں کھدر کی ترویج اور اقتصادی اصلاح کی ایک انجمن کا خاکہ بھی تیار کیا گیا ہے۔ تقریباً سو آدمیوں نے اس کے رکن ہونے کا وعدہ فرمایا ہے۔

ریاست کوچین کی مجلس مقننہ

ہندی کی لازمی تعلیم کی مخالفت

کوچین کی مجلس مقننہ کے سامنے مسٹر کے۔ محمد تقی نے ایک تجویز پیش کی جسمیں سفارش کی کہ ریاست کے اسکولوں میں ہندی کی تعلیم لازمی مضمون کے طور پر ہونی چاہئے۔ مجلس کی ایک خاتون رکن نے اس کی تائید کی بعض نے ہندی کی موجودہ تحریک سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرنے کے بعد تجویز مذکور کی مخالفت کی اور ظاہر کیا کہ تعلیم میں جبر سے کام لینا پسندیدہ نہیں ہے۔

گروکل کانگڑی کے جمع شدہ چندہ کی مقدار

گروکل کانگڑی کی شردھانند ودیالگدی کے لئے ۲۲ ہزار روپیہ جمع ہوچکا ہے اور جمع ہونے کی امید ہے۔

مسلم کشمیری طلبہ کو وظائف

نادار اور مستحق مسلم کشمیری طلبہ پنجاب و کشمیر کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظائف بطور قرض حسنہ دینے کے لئے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس کا اجلاس اگست کے آخر میں منعقد ہوگا۔ لہذا جو طلبہ وظائف حاصل

لڑکے کے نزدیک ہوں۔ قواعد وضوابط اور فارم درخواست فوراً جنرل سکرٹری آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس لاہور سے منگالیں۔

بمبئی لاکالج کے طلبہ کی حب وطنی

تعاون پسند پروفیسر سے بیزاری کا اظہار۔

بمبئی کے پروفیسر امبیدکار سے جو کونسل کے ان راجھوت جاتی کے نمایندہ میں سائمن کمیشن سے تعاون کرنے والی کمیٹی کی رکنیت قبول کرلی تھی بعض شاگردوں نے ان کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ تمام خیالات کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے سے، پھوٹ، فرقہ وارانہ بیجینیگا ملک سے سامنے غداری کی ہے حالانکہ آپ سے صحیح رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی امید تھی۔ یہ طلبہ جماعت سے باہر چلے گئے۔

سائمن کمیشن کی تعلیمی کمیٹی

سائمن کمیشن کی تعلیمی کمیٹی کا اجلاس ۱۰ ستمبر کو کلکتہ میں ہوگا جس کے بعد کمیٹی کے ارکان رنگون روانہ ہونگے اور یکم اکتوبر کو مدراس پہونچیں گے جسکے بعد ارکان کا پروگرام حسب ذیل ہوگا۔

پونہ ۹ اکتوبر - بمبئی ۱۳ اکتوبر - لاہور ۱۹ اکتوبر - لکھنؤ ۲۸ اکتوبر کانپور ۳۰ اکتوبر - نومبر میں پٹنہ، کلکتہ، اور ڈھاکہ کا دورہ کرینگے پنجاب کے دورہ کے دوران میں قیام ہوگا اور لائلپور بھی جائیں گے۔

بمبئی کونسل اور محکمۂ تعلیم

بمبئی کونسل میں حکومت کی تعلیمی حکمت عملی پر شدید اعتراضات ہوئے اور کہا گیا کہ پرائمری تعلیم کے اصل مطالبات بھی ابھی تک پورے نہیں کئے گئے ہیں۔ لازمی تعلیم کے لئے روپیہ کا مطالبہ کیا گیا تو چیف سکرٹری نے جواب دیا کہ وزیر مالیات کے بیان کے مطابق آیندہ ۲ سال تک مزید روپے دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

طلبہ اور پرنسپل کی جنگ

کلکتہ سٹی کالج کے پرنسپل اور طلبہ میں جنگ ہوجانے سے پولیس کی امداد طلب کیگئی۔ پولیس نے ۵ طلبہ کو گرفتار کیا ہے۔ پرنسپل کے خلاف ایک لڑکے نے عدالت میں دعویٰ دائر کردیا ہے۔

پسماندہ اقوام کیلئے تعلیمی وظائف

رلیا رینا بجے۔ سی چٹرجی کے ایک سوال کے جواب میں جو لیجسلیٹو اسمبلی کے گزشتہ اجلاس میں کیا گیا تھا حکومت ہند نے تین وظائف دہلی کے ریزرو صنعت میں پسماندہ اقوام کے طلبہ کے لئے منظور کئے حکومت نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر پسماندہ اقوام کے طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا تو مستقبل میں وظائف کی تعداد کے بڑھانے پر بھی غور کیا جائے گا۔

چینی مدارس میں فوجی تعلیم کا لازمی نفاذ

نانکن کی یونیورسٹی کونسل نے جملہ تعلیمی درسگاہوں کے منتظمین کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ تمام کالجیٹ مدارس میں فوجی تعلیم و تربیت فوراً شروع کردیجائے۔ جو اسکول مڈل کے درجہ سے کم ہیں ان میں طلبہ کی ورزش کا خاص اہتمام رکھا جائے تاکہ کالجوں میں جاکر طلبہ فوجی تعلیم کو حسب حاصل کرسکیں۔

مصری وزیر تعلیم کی اپیل

وزیر تعلیم نے مصر کی تمام سیاسی پارٹیوں سے استدعا کی ہے کہ وہ طلبہ کی فلاح وبہبود کی خاطر ان کی تمام انجمنوں کو توڑدیں تاکہ آیندہ آنے والی نسل اپنے ملک کے بہترین مفاد کے لئے جنگ کرنے کے قابل بنائی جاسکے۔

حکومت ایران کی تعلیمی سرگرمی

معلوم ہوا ہے کہ ایرانی محکمۂ تعلیمات سات فرانسیسی ماہرین تعلیم کو ملازم رکھیگا اور سال رواں کے دوران میں تقریباً ایک سو طلبہ یورپ بھیجے جائینگے حکومت اس سلسلہ میں اپنی انتہائی کوشش سے کام کررہی ہے کہ نظام تعلیم کو جدید ترین اصول کے مطابق بنائے اور موجودہ معیار پر لے آئے۔

بچوں کے صفحے

اشرفیوں کی تھیلی

(ایک قصہ)

زمانہ گزرا مدتیں ہوئیں جب کی بات ہے کہ شہر بلقیس نگر میں ایک چھوٹا لڑکا متین نامی رہتا تھا۔ اپنے باپ اور ماں کی آنکھوں کا تارا تھا اور ان دونوں کی زندگی کا سامان راحت۔ اُس کا چچا جو شہر کا قاضی تھا اُس پر فدا۔ چچا کو بھی اپنے بھتیجے سے اُسی قدر محبت تھی جتنی اُ باپ کو۔ متین بھی حقیقت میں ایسا ہی بچہ تھا کہ ماں باپ اور چچا اُس پر تصدق نہ ہوتے تو کیوں۔ بھولا بھولا چہرہ، پیاری پیاری صورت، ہنس مکھ، نیک اور متین۔ غرض شہر کا ہر بوڑھا، ہر جوان اور ہر بچہ، مرد ہر عورت اُن کو پیار کرتی تھی اور اُسے بھی سب سے محبت تھی۔ متین کا باپ بڑا دولت مند اور امیر تھا۔ متین کو روپیہ پیسہ کی بھی کیا کمی تھی لیکن متین کو کبھی جیب سے پیسہ اپنے فضول خرچ کرتے یا اور کسی شوق میں نہ دیکھا نہ سنا اور اس پر بھی وہ پچاس چالیس روپیہ مہینہ اور کبھی اس سے زیادہ محتاج اور ضرورت مند لوگوں کی احتیاج، غریبوں کی مدد، بیماروں کی دوا دارو وغیرہ پر صرف کرتا تھا۔

ذہین اس قدر تھا کہ ایک دفعہ جس بات کو سن لیتا یا دیکھ لیتا اُس کے دل پر نقش ہو جاتی اور دماغ میں ثبت ہو جاتی۔ شوقین اور محنتی اس درجہ کہ کیسا ہی مشکل سبق ہو، کیسا ہی کٹھن کام ہو جب تک خیر و خوبی سے ختم نہ ہوئے اُس سے توجہ نہ ہٹاتا تھا۔

اُس نے جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مبارک مطالعہ کیا اور سیرت نبوی کے حالات پڑھے تو اُس کا بے اختیار یہ جی چاہا کہ کاش میں بھی آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر قدم بقدم چلتا۔ یہ خیال اُس کے دل میں اس قدر رچ گیا کہ بجز عبادت الٰہی، ہمدردیٔ اسلام، اخوت، خدمت قوم، خدمت دین اور حب الوطنی کے اور کوئی جذبہ اُس میں نہ تھا۔ دنیا کی اُسے کوئی ہوس نہ تھی۔ عیش و آرام کی فکر نہ تھی۔ خیال تھا تو یہ کہ قوم کے بچے تعلیم پائیں۔ مذہبی اثرات پختہ ہوں۔ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ اُن میں وہ وہ خوبیاں موجود ہوں جو ہمارے دین متین نے ایک مسلمان کا زیور بتائی ہیں۔ ایسے اسباب مہیا کئے جائیں جن سے مسلمانوں کی حالت بہتر ہو۔ غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام ہو۔ بجائے غلامی کے آزادی کی روح اُن میں پیدا ہو۔ وہ اپنی شخصیت و حیثیت کو پہچانیں۔ غرض یہ خیالات لے کر متین بڑھا اور جوان ہوا۔ یہ آرزوئیں اور ارادے اُس کے عمل، اُس کے کام اور اُس کی ہر ادا سے مترشح تھے۔ اُس کے دل میں درد تھا، جذبہ تھا اور شوق عمل۔ اُس کے سامنے آنحضرت (روحی فداہ) کا اسوۂ حسنہ تھا جو اُس کے لئے مشعل ہدایت تھا۔

ماں باپ اور چچا نے اُس کے ارادوں کے پورا ہونے میں کافی اور کافی سے زیادہ مدد دی۔ وہ خوش تھے اور ہونا بھی چاہئے۔ غرض یہ کہ متین نے اپنی ساری عمر ان ہی نیک کاموں میں گزار دی، مدرسے کھولے، درسگاہیں قائم کیں، ایک کارخانہ کھولا، یتیموں کو ایسے ہنر سکھائے جو عزت و آبرو کے ساتھ اُن کی روزی کے کفیل ہوئے۔ بیواؤں کے لئے گھر بیٹھے کام مہیا کیا۔ اپاہج کی مدد کی۔ دکھیاریوں کے دکھ میں کام آیا۔ سب کو ایک آزاد زندگی بسر کرنے کا راستہ بتا دیا بلکہ راستہ پر لگا دیا۔ سب کو مذہبی تعلیم سے بہرہ مند کیا۔ اسی خدمت قوم و مذہب میں اُس کے والدین راہی ملک بقا ہوئے اور وہ خود بھی اب بوڑھا سا ہو گیا اور اپنے چچا کی جگہ شہر کا قاضی ہو گیا۔

اسی شہر میں ایک بڑے میاں بھی رہتے تھے جو بیچارے بہت غریب مفلوک الحال تھے۔ بڑی عسرت سے اُن کی گزر بسر ہوتی تھی۔ اُن کے تین لڑکیاں تھیں۔ تھے تو یہ شریف خاندان بلکہ یہاں تک سنا ہے کہ شاہی خاندان سے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ سب بادشاہ اور شہنشاہ تھے لیکن انقلاب زمانہ اور گردش تقدیر کے باعث [illegible] تینوں لڑکیاں شادی کے قابل [illegible] کوئی ۱۵ برس کی تھی منجھلی تیرہ [illegible] کا ہوگا۔ ان کی غربت، کم مائگی اور مفلس[illegible]

حالانکہ تینوں لڑکیاں ایک سے ایک حسین ایک سے ایک خوبصورت۔ گویا تین بہشتی حوریں تھیں جو بڑے میاں کی اولاد میں آگئی تھیں۔ سلیقہ کی طریقہ کی سب طرح اچھی جیسی صورت ویسی سیرت، ماشاءاللہ ہر بات قابل تعریف ہر ادا قابل توصیف، فرشتہ صفت غرض کیا کیا خوبیاں کس کس طرح میں بیان کروں لیکن کیا زمانہ کی چال تھی اور کیا دنیا کا حال کہ لڑکیوں کے نہ جوہر شرافت کو دیکھیں نہ حسن صورت کو نہ بھلی سیرت کو۔ البتہ نظر پڑے تو گرہ پر اور اس پہ کہ ان کے پلے کیا ہے۔ روپیہ پیسہ والے ہیں یا نہیں۔ بڑے میاں جہاں ان لڑکیوں کی خوبیوں اُن کی خدمت اُن کی اطاعت اور ان کی صورت و سیرت کو دیکھکر باغ باغ اور نہال تھے وہاں انہیں ان کے بیاہ شادی کی فکر ہر وقت کھائے جاتی تھی۔ جہاں خدا کی اس نعمت پر وہ سجدۂ شکر ادا کرتے تھے وہاں ان کی یہ دعا بھی تھی کہ بار الٰہا تو علام الغیوب اور ستار العیوب ہے میری عزت و آبرو تیرے ہاتھ ہے۔ تو نے جہاں ایسے دُرِ نایاب عطا فرمائے ہیں وہاں ان کے گندھنے کا بھی انتظام فرما۔ اے قادرِ مطلق! تجھ میں سب کچھ قدرت ہے غیب سے سامان کر دے کہ ان لڑکیوں کے بیاہ شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

متین کو ان بڑے میاں کی اس مصیبت اور تکلیف کا حال جب معلوم ہوا تو حسب عادت و طبیعت اُس نے اُن کی مدد کرنی چاہی لیکن بڑی دقت تھی تو یہ کہ بڑے میاں نہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کے روادار تھے نہ ان کی حمیت و غیرت ان کو کسی کا احسان مند بننے پر آمادہ کرتی تھی۔ اور ان کی اس شرافت کا احساس خود متین کو بھی تھا۔

غرض یہ کہ متین نے یہ ارادہ کیا کہ ان کی مدد کسی خفیہ طریق پر کیجائے تاکہ ان کی یہ صعوبت و تکلیف رفع ہو۔ چنانچہ ایک رات کوئی نو دس بجے کے قریب متین ایک ریشمی تھیلی میں کوئی نو سو اشرفیاں باندھکر بڑے میاں کے گھر کی طرف چلا۔ متین اپنا بھیس بدلے ہوئے تھا تاکہ کوئی اُسے شناخت نہ کر سکے اور وہ اپنے مقصد میں اس طرح کامیاب ہو جائے۔ متین نے اس تھیلی کو ایک بڑی رسی سے باندھ لیا تھا تاکہ وہ اُسے دیوار پر سے یا کسی کھڑکی یا روشن دان کے ذریعہ بڑے میاں کے گھر میں پھینک دے۔ چنانچہ اس نے ایک روشن دان میں سے اس تھیلی کو ڈال دیا اور وہاں سے پھر چپ چاپ واپس چلا آیا۔ اتفاق کی بات کہ اُسی رات بڑے میاں نے دو بجے تک تلاوتِ قرآن کی تھی اور ایک بزرگ کے بتائے ہوئے طریق پر نماز قضاء الحاجات ادا کی تھی۔ ختم نماز کے بعد جانماز پر ہی سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا ہے اور ایک تھیلی اشرفیوں کی دے کر کہہ رہا ہے "لو یہ اشرفیاں! تمہارے لئے کافی ہوں گی"۔ بڑے میاں اور اُن کی لڑکیاں علی الصباح اٹھنے کی عادی تھیں گرمیوں کا تھا موسم۔ سب چار بجے اٹھکر بیٹھ گئے۔ بڑے میاں ابھی نماز فجر کے لئے وضو کر رہے تھے کہ چھوٹی لڑکی کسی ضرورت سے کوٹھری میں گئی تو وہاں تھیلی کو پڑا پایا۔ فوراً اور بہنوں کو آواز دی اور اپنے باپ کے پاس لیجاکر کہنے لگیں "اباجان! ایک آسمانی تحفہ!" غرض خوشی اور مسرت کی لہریں سب کے چہروں پر دوڑ گئیں۔ سجدۂ شکر ادا کیا۔

اشرفیاں پانے پر بڑے میاں نے ایک چھوٹا سا مکان خریدا اور جس مکان میں رہتے تھے اس کی مرمت کرائی۔ اس طرح شہر والوں کو ہوتے ہوتے بڑے میاں کی حالت اور اُن کا اس طرح امیر ہو جانا معلوم ہو گیا۔ اور تین چار ہی دن میں بڑی لڑکی کے لئے کئی جگہ سے اچھے اچھے پیام آگئے۔ بڑے میاں نے نہایت احتیاط اور سمجھ بوجھکر ایک جگہ کا پیام منظور کیا اور بڑی لڑکی کی نسبت ہو گئی۔ ہفتہ بھر بعد اس کا نکاح بھی ہو گیا اور رخصتی بھی۔ بڑے میاں نے بہت سا جہیز دیا جس سے اُن کی امارت اور ثروت بھی سب کو علم ہو گیا۔ اب کیا تھا دوسری لڑکی کے لئے بھی پیام آنے لگے۔ اور اسکی بھی بالآخر منگنی ہو گئی۔ لیکن اب بڑے میاں کی تھیلی میں اتنی اشرفیاں بھی نہیں تھیں کہ دونوں لڑکیوں کے جہیز کو پورا پڑتا۔ بڑے میاں پھر فکر میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی اس فکر کی خبر متین کو ہوئی وہ پھر اسی طرح ایک تھیلی اور ڈال گئے۔ دوسری لڑکی کی شادی بڑے میاں نے اگلی بار اور دھوم سے کی۔ اب جب تیسری کی فکر لاحق ہوئی تو متین پھر ایک اور تھیلی ڈالنے گئے لیکن ابھی یہ تھیلی پھینک ہی پائے تھے کہ بڑے میاں نے انہیں دیکھ لیا۔ بڑے میاں نے دریافت کیا کہ "متین میاں! آخر اس خاموشی کا کیا سبب؟ اپنے محاسن کو کیوں چھپاتے ہو؟" متین نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ میں نے یہ سب خدا کے حکم سے کیا ہے۔ اپنے نام و نمود یا اپنی غرض کیلئے نہیں" یہ کہکر متین اپنے گھر کی طرف چلا آیا۔ بڑے میاں نے اپنی تیسری لڑکی کی شادی خوب دھوم دھام سے کی۔ یہ گھرانہ بہت متمول تھا اور بڑے میاں کی ساری عمر چین میں گزر گئی۔ اس کے بعد متین بھی گزر گیا مگر اسکا نام اسکی نیکیوں کے سبب اب تک

پن چکی والا

انوپ شہر سے اچھے خاصے فاصلہ پر ایک گانوں ہے سیکھنا گانوں سے کچھ دور نہر کے کنارے ایک پن چکی تھی۔ اس میں سیکھنا کے سب کسان شادی بیاہ کے لئے جب بہت اناج پسوانا ہوتا تھا تو گیہوں جَو وغیرہ پسواتے تھے اور روز کے خرچ کیلئے بھی بہت سے لوگ یہاں سے آٹا خریدا کرتے تھے۔ اس پنچکی کا مالک بہت ہی کنجوس آدمی تھا اس کا نام ہمیں معلوم ہے مگر ہم اس لئے نہیں بتاتے کہ سنا ہے ایسے کنجوس آدمی کا نام صبح صبح لیلو تو روٹی نہیں ملتی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صبح صبح اس قصہ کو پڑھو اور دن بھر بھوکا رہنا پڑے۔ یہ کنجوس چکی والا آٹا ہی نہیں بیچتا تھا بلکہ کسانوں کو سود پر قرض بھی دیتا تھا۔ بونے کی فصل میں بیج بھی قرض پر دیا کرتا تھا اور فصل کٹنے پر دونا چوگنا اناج وصول کرتا تھا۔ جس نے اس سے ایک دفعہ ادھار لیا بس ایسا پھنسا کہ کبھی اس کے قابو سے نہ نکل سکا بہت سے کسانوں کے کھیت اس نے سود بڑھا بڑھا کر خرید لئے اور ان بیچاروں کو اب مزدور بنا بنا کر اسی زمین پر کام لیتا تھا اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ ہے پیالسوں، لئے پیالسوں۔ گانوں والے سب اس سے جلتے تھے جی میں برا جانتے تھے مگر کیا کریں ضرورت بری بلا ہے پھر وقت پڑے اسی کے پاس جاتے تھے۔

ایک روز کا قصہ ہے کہ دن چھپے ایک بوڑھا اس کے دروازہ پر آیا اسکی ڈاڑھی بہت لمبی تھی اور سفید جیسے براق۔ اُس نے دروازہ پر آکر آواز دی "بابا اللہ بھلا کرے۔ اللہ کے نام پر مانگتا ہوں۔ بھوک بری چیز ہے۔ اللہ نے تجھے بہت دیا ہے۔ غریبوں کو بھی کچھ دے اللہ تجھے دونا دیگا"۔ پنچکی والے نے جواب دیا "ٹھیک ہی میاں، بھوک جتنی تیز ہوتی ہے۔ آٹا اتنا ہی مہنگا ہوتا ہے۔ میرے پاس آٹا بیچنے کو ہے بانٹنے کو نہیں۔ میں غریبوں کو دوں اس سے پہلے تو یہ نہر کا پانی ہی سوکھ جائیگا"۔ "اچھا بابا!" بوڑھا بولا "اچھا تو یہ بھی ہو جائیگا"۔ یہ کہکر بڈھا تو اندھیرے میں جنگل کی طرف چلدیا اور غائب ہوگیا۔ پنچکی والا کچھ بکتا جھکتا اٹھا دروازہ بند کیا اور یونہی بڑبڑاتا ہوا اپنی ٹوٹی سی کھٹیا پر لیٹ گیا۔ آدھی رات گئے ایک شور ہوا اور ہر طرف سے سائیں سائیں زائیں زائیں کی ایسی آواز آنا شروع ہوئی کہ پنچکی والا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ آندھی کا یہ حال کہ سارا گھر ہل رہا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ چھت بس اب اُڑی۔ دیواریں تک ہل رہی تھیں اور ادھر چکی بند ہو گئی تھی۔ نہر کا پانی پنچکی سے کچھ ہی فاصلہ پر زمین کے اندر غائب ہو گیا تھا۔

پنچکی والے پر یہ اللہ کا عذاب آیا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اسے سمجھتا اور توبہ کرتا مگر اس نے تو آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "اچھا! اچھا میرے پاس ابھی آٹا ہے چکی بند ہو گئی تو کیا اپنا پانی چھین لیا تو کیا میرا آٹا بھی چھین لیگا؟" یہ کہہ ہی رہا تھا کہ کھڑکی کے پاس وہی بوڑھا پھر دکھائی دیا۔ اسے دیکھکر چکی والا اور بھی جھلّایا اور بہت ڈانٹ کر پوچھا کہ "اب پھر کا ہیکو آیا ہے۔ اب کیا مانگتا ہے"۔ بوڑھا بولا "توبہ کر توبہ اِسکے پہلے پچھتایا تو نے اللہ سے گستاخی کی اور اس کے بندوں کو ستایا۔ بھوکوں کو آٹا دے اللہ معاف کریگا نہیں تو جس نے تیری چکی بند کردی وہ تیرا آٹا بھی چھین سکتا ہے"۔ چکی والے کو یہ باتیں بہت ہی بری لگیں اور بڑے غصہ میں آکر اس نے کہا "اچھا اچھا بس بہت بکواس مت کر۔ اچھا وہ میرا آٹا بھی لیلے۔ مجھے بھی لیے دکھیوں میں بھی تو اسے دکھیوں"۔ بوڑھا باتیں سنکر چلا گیا لیکن بہت دن نہ گزرے تھے کہ ایک روز بہت کڑا کے کا طوفان آیا۔ ایسا اندھیرا ہو گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں ملتا تھا اور وہ شور کہ خدا کی پناہ۔ بادل ایسے گرج رہے تھے کہ کانوں میں انگلیاں رکھو تب بھی دل ہل جائے۔ بجلی ایسی چمک رہی تھی کہ آنکھیں چندھیا جاتی تھیں اور کڑک کے مارے زمین ہل رہی تھی۔ ایک دفعہ اس زور سے بجلی چمکی کہ بس دن سا ہو گیا اور ایسی کڑکی کہ الامان۔ کڑک کر بجلی پنچکی پر گری اور ساری چکی اور مکان اس طرح جلنے لگا جیسے کسی نے بھس میں آگ لگادی ہو۔ آگ کی لپٹ سے ادھر ادھر کے پیڑ سب جلبس گئے اور پانی کا نام نہ تھا کہ کوئی بجھاتا اور پانی ہوتا بھی تو کوئی اس آگ میں کیا کرلیتا۔ چکی والا سارے جنگل میں دیوانوں کیطرح بھاگا بھاگا پھرتا تھا کہ لوگو دوڑو۔ دوڑو۔ مدد۔ مدد۔

یہ اسی طرح بوکھلایا ہوا دوڑ ہی رہا تھا کہ وہی بوڑھا سامنے آیا اور بڑی نرمی سے بولا "بھائی میاں۔ اب میں آخری مرتبہ تمہارے سامنے آیا ہوں اسلئے کہ تم مدد مانگ رہے ہو اور میرا کام ہے مدد دینا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ خیر دھیلا توبہ کر اور اللہ کے بندوں کو مت ستا"۔ چکی والا یہ باتیں سنکر بس آگ بگولا ہی ہو گیا اور چلا کر بولا "بس بس! تیری مدد تیری تو بہ سب بھاڑ میں جلئے۔ بے ایمان سامنے سے ہٹ جا۔ میری چکی لی، میرا آٹا جلایا اب مدد کرنے آیا ہے۔ سامنے سے دور ہو"۔ بوڑھے نے پھر بہت نرمی سے سمجھایا مگر چکی والے نے بہت زور سے چلا کر کہا "بس چل لمبا ہو۔ سامنے سے ہٹ۔ میری زندگی میری ہے اور اس میں کسی کو کچھ دخل نہیں۔ میں جو ہوں سو ہوں۔ وہی رہونگا۔ وہی سیکھنا پنچکی والا"۔ بڈھا غائب ہو گیا۔

صبح سیکھنا کے لکڑہارے اور گڈریے جب جنگل کو گئے تو دیکھا کہ چکی والا ایک پیڑ کی شاخ سے مرا ہوا لٹکا ہے۔ اس نے خود اپنا گلا گھونٹ کر جان دی تھی۔ گانوں والوں نے یہیں جنگل میں اُسے گاڑ دیا مگر سنا ہے کہ چاندنی راتوں میں لوگوں نے اسے ادھر اُدھر گھومتے دیکھا ہے۔ وہی آٹے سے بھرا ہوا کرتہ اور میلی ٹوپی پہنے گھومتا ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔

ڈرائنگ کے انعامی مقابلہ کا نتیجہ

"پیام تعلیم" میں اظہر حسین صاحب فاروقی کیطرف سے ایک اعلان ڈرائنگ کے انعامی مقابلہ کے لئے شائع ہوا تھا جس میں مسلم طلبا اور طالبات کی ہمت افزائی کے لئے علیحدہ علیحدہ ایک نقرئی تمغہ کا انعام رکھا گیا تھا۔ مگر جامعہ میں تعطیل ہو جانے کی وجہ سے نتیجہ کا اعلان نہ کیا جا سکا۔

ناظرین "پیام تعلیم" کو جو فائن آرٹس سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ معلوم کرکے مسرت ہو گی کہ مختلف اضلاع اور صوبوں سے جن طلبا نے اپنی ڈرائنگ اور پینٹنگ کے نمونے مقابلہ میں بھیجے انہیں نظر حسین صاحب متعلم درجہ نہم عربک کالج دہلی سب سے اول رہے اور دوسرا نمبر جامعہ کے ایک ہونہار طالبعلم شاہ عزیز الرحمٰن صاحب ثانوی اول کا رہا جنہوں نے صرف ۲ سال سے ڈرائنگ و پینٹنگ سیکھنا شروع کیا ہے۔ مندرجہ ذیل طلبا اگرچہ انعام نہ حاصل کر سکے مگر نمونے تقریباً سب کے اچھے رہے۔ اگر یہ لوگ اپنی مشق برابر جاری رکھیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لوگ بھی انعامات حاصل کر سکتے ہیں:۔

۱۔ محمد عبد المتین صاحب گوالیار ۲۔ محمد اشرف خانصاحب ناگپور (سی پی)
۳۔ سردار علی صاحب جالندھر سٹی ۴۔ سید عقیل علی عرف نظیر اسد شمالی ارکاٹ
۵۔ مسعود اختر صاحب جامعہ دہلی ۶۔ احمد مختار صاحب بہاولپور

مندرجہ بالا طلبا کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے طلبا کے نمونے بھی آئے جو بالکل مبتدی معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اس انعام کے نہ حاصل کرنے کا زیادہ افسوس نہ ہونا چاہئے۔ ان بچوں کے لئے یہی کیا کم ہے کہ وہ اعلیٰ درجوں کے طلبا کے ساتھ مقابلہ میں شریک ہوئے۔

طالبات کے لئے نہایت افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس مقابلہ میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اسکے دو وجوہ معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ شاید مسلم گرلس اسکول میں طالبات کو اس قسم کا ہنر سکھایا نہیں جاتا جو ان کے لئے بیحد ضروری اور کارآمد ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو مسلم گرلس اسکول کی استانیوں کو اسطرف توجہ کرنی چاہئے۔ دوسری وجہ غالباً یہ ہو کہ اس مقابلہ کے لئے زیادہ وقت نہ مل سکا۔ لیکن یہ خبر ناظرین کے لئے موجب مسرت ہو گی کہ ایک بہن محترمہ م۔ ب صاحبہ ممتاز نے اپنے ہاتھ کی ایک پینٹنگ کا نمونہ بھیجکر اپنے طبقہ کی اس کمی کی تلافی کردی اس لئے وہ انعام جو طالبات کے لئے مقرر کیا گیا تھا محترمہ ممتاز صاحبہ کی طرف منتقل کیا جاتا ہے

گیارہویں انعامی معمہ کا نتیجہ

اس معمہ کا صحیح حل:۔

"کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول
آج کھلا کے پھول خاک ہوا"

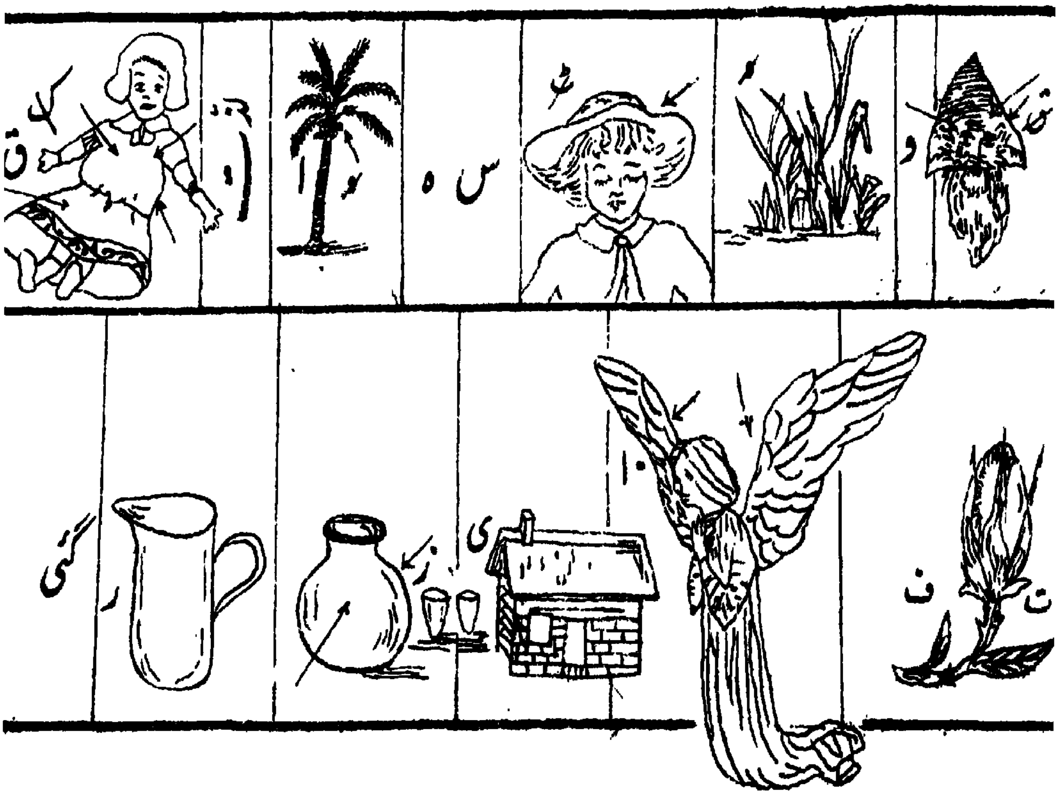
ہے۔ معمہ نہایت سادہ قسم کا تھا۔ پھر بھی بعض حل کرنے والوں کو لفظ "خاک" معلوم کرنے میں ضرور دشواری پیش آئی ہو گی کیونکہ جوابات میں اسی لفظ کی غلطی زیادہ دیکھنے میں آئی ہے۔ اس لفظ کی ترکیب یہ تھی کہ حرف "خ" علیحدہ ہے اور "ایک" کا مندسہ بعد میں۔ ایک کا رسم الخط جہاں ایک ہے وہاں "یک" فارسی میں اور "اک" "ے" کی تخفیف کے ساتھ بھی ہے۔ چنانچہ "خ + اک" خاک ہوا۔ بعضوں نے اسے "خ" + "ا" شمار کرکے "خا" سمجھا اور "ر" کا اضافہ کرکے "خار" بنایا۔ حالانکہ سمجھنے کی بات ہے کہ کلی جب کھل کر پھول ہوئی یعنی ایک چیز پیدا ہوئی اور بڑھکر جوان ہوئی تو جوانی کے بعد بڑھاپا اور پھر موت آنا یہی طریق فطرت ہے۔ اس لئے پھول کا مرجھانا اور زمین میں ملکر خاک ہونا یہی حالتیں مابعد لابدی ہیں۔

اس معمہ کے وصول شدہ ۲۰ حل میں سے ۱۵ صحیح تھے جنکی فہرست یہ ہے:۔

(۱) مسعود حسرت حمید الحق صاحب نامی۔ بالائے قلعہ علیگڑھ (۲) زیب النسا بیگم بنت جناب اسمٰعیل حسن سلطان جہاں منزل علیگڑھ (۳) سید محمد ادریس صاحب معرفت منوہر چک اکہنانہ بارہ جیٹی گیا (۴) محمد فاضل صاحب انصاری متعلم درجہ ہفتم آصف گنج اعظم گڈھ (۵) ع۔ س۔ صاحبہ معرفت محمد خلیل صاحب فاروقی بی۔ اے ایل ایل بی مترجم چیف کورٹ لکھنؤ۔ (۶) محمد ادریس صاحب طالبعلم درجہ ہفتم علیم مسلم ہائی اسکول کانپور (۷) مسز سید ظہیر احمد صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی وکیل فتحگڈھ یو۔ پی (۸) مسیح اللہ صاحب پنشنکار قصبہ سیانہ ضلع بلندشہر (۹) بیگم صاحبہ محمد شبیر صاحب صدیقی کلرک پوسٹ آفس بلندشہر (۱۰) نسیم احمد صاحب امداد فریدی محلہ جھنڈا شہید امروہہ (۱۱) منشی حامد حسن صاحب قادری دفتر الجمعیۃ دہلی (۱۲) سراج احمد صاحب معرفت محبوب احمد صاحب ٹرانسلیٹر ناگپور (۱۳) ایوب مرزا صاحب طالبعلم مدرسہ وسطانیہ کلمارنڈی (۱۴) قاضی مطیع الرحمان صاحب طالب علم چوگندرنگر ضلع کانگڑہ۔ پنجاب (۱۵) آ۔ خ صاحبہ ہمشیرہ مسٹر ممتاز احمد صاحب کمبوہ محلہ مارہرہ۔

بروئے قرعہ اندازی پہلے انعام کے مستحق نمبر ۱۱ اور دوسرے انعام کی مستحق نمبر ۲ قرار پائی ہیں۔ انعامات بصورت نقد بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دئے گئے ہیں۔

چودھواں انعامی معمّہ



یہ معمہ بھی ایک شعر ہے اور نامور شاعر کا - خود یہ شعر بتا دے گا کہ اس کا شاعر کون ہے اور اس شاعر کا نام بھی آپ بتائیں گے۔

پہلی تصویر سے دو لفظ مرتب ہوتے ہیں۔

اس معمہ کے حل پر ایک روپیہ انعام دیا جائے گا۔

اس کے جوابات اس "پیام تعلیم" کی اشاعت کے بعد ۲۰ دن کے اندر وصول ہونے چاہئیں۔

ہر حل کے ساتھ دو پیسہ کا ٹکٹ ملفوف ہونا چاہئے۔

حل بخدمت :-

م ۔ ب ۔ صاحبہ ممتاز مارہروی
کمبوہ محلہ۔
عقب مسجد خورد ۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

وصول ہونے چاہیے۔

بحکم جناب شیخ الجامعہ باہتمام ڈاکٹر سید عابد حسین پرنٹر و پبلشر بحسن انتظام مسٹر محمد مجیب صاحب بی۔اے (آکسن) جامعہ ملیہ پریس دہلی میں چھپکر دفتر "پیام تعلیم" قرولباغ دہلی سے شائع ہوا

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ		نرخنامہ اشتہار	
سالانہ	عہ	فی صفحہ	مئے
ششماہی	۱۲ر	نصف صفحہ	۵
فی پرچہ	۱ر	چوتھائی صفحہ	۳

ایڈیٹر: سید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۵ — ۷ و ۱۲ ستمبر ۱۹۲۸ء — نمبر ۹ و ۱۰

"تو کہاں ہے"؟

یہ پرخلوص جذبات غیض منزل ژاہگیر پٹنہ کی ایک بہن صاحبہ کے درد بھرے دل سے نکلے ہیں جن کے ساتھ امید ہے کہ ناظرین "پیام" کی آواز بھی شامل ہوگی۔ (ایڈیٹر)

اے زمین و آسمان کے مالک! عرش و کرسی کے بنانے والے! لوح و قلم کے بانی! سچ بتا تو کہاں ہے؟

بہتے ہوئے دریاؤں میں یا سمندر کے طوفانوں میں۔ سورج کی کرنوں میں یا چاند کے گورے گورے مکھڑے میں؟ تاروں کی گھٹاؤں میں ہے یا مینھ کی پھواروں میں؟ ندی نالوں کی دھاروں میں ہے یا ہرے بھرے مرغزاروں میں؟ سچ بتا تو کہاں ہے؟ چمن کے تختوں میں یا گلہائے رنگا رنگ کی پنکھڑیوں میں؟ بلبل کے نغموں میں ہے یا کوئل کی کوک میں؟ سچ بتا تو کہاں ہے۔ اے مالک تیرا جلوہ تو سنتی ہوں کہ ہر جگہ یکساں ہے، مگر تو ہر جگہ عیاں ہو کر بھی سب کی آنکھوں سے نہاں ہے۔ مسلم نے تجھے حرم میں پایا تو برہمن نے دیر میں تو وہ مالک ہے جو ہمہ دم اپنے بندوں کی خبرگیری میں سرگرم رہتا ہے۔ سبحان اللہ اگر تیری حمد نہ بھی کی جائے تو تو اس کا محتاج نہیں۔ مگر پوچھنا تو یہ ہے کہ تو کہاں ہے؟ میری عمر آہستہ آہستہ روز بروز گھٹتی جاتی ہے اور تیری قدرت کے مناظر جو ہمہ دم میری آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور پہنچایا کرتے ہیں، نظروں کے سامنے ہیں۔ مگر تیرا پتہ کوئی نہیں بتاتا۔ مولیٰ سچ بتا تو کہاں ہے؟ کیا تو عابد و زاہد کے تقوے میں نہاں ہے یا ان کی جبین نیاز میں ہویدا ہے، یا ان کی خلوت ہی میں تیرا جلوہ ہے۔ سچ بتا تو کہاں ہے؟ تجھ سے ملنے کی راہیں کیا ہیں! تجھے دیکھنے کی آنکھیں کون سی ہیں؟ اے مالک! مجھے چشم بینا دے جو میں تیری قدرت اور تیرا جلوہ دیکھوں۔ موذن نے اذان میں پایا تو ناقوس کی صدا میں بھی تو ہی نظر آیا۔ مگر تو میرے دل کے اندر رہ کر بھی دکھائی نہ دیا۔ اے اللہ! موسیٰ نے تجھے طور پہ دیکھا تو عیسیٰ نے فلک چہارم پر، یوسف نے تجھے زنداں میں پایا تو یعقوب نے نابینا ہو کر تجھے دیکھا۔ ایوب نے صبر و شکر میں تو داؤد نے زرہ کی کڑیوں میں تجھے پایا۔ اے مولےٰ! تیرا جلوہ تو ہر جگہ اور ہر ساعت یکساں ہے مگر آنکھوں سے پنہاں ہے۔

تیری قدرت کے مشاہدات، تیرے کرشموں کی نیرنگیاں، تیرے جلووں کی جلوہ آرائیاں ہر جگہ یکساں نظر آئیں۔ کوئی کافر ہو یا مسلم

(باقی [illegible])

شذرات

ایک ہمدرد کی ہمدردی

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ملحقہ مدارس میں نگون کا اسلامیہ ہیشنل اسکول بالکل ابتدا سے جامعہ کے ساتھ ملحق ہے۔ یہاں کے اساتذہ اور منتظمین نے جامعہ کے ساتھ ہمیشہ جس ہمدردی کا ثبوت دیا ہے اس سے "پیام تعلیم" کے پڑھنے والے واقف ہیں۔

ہم ذیل میں محمد حسین ملو صاحب مہتمم مدرسہ ہذا کے ایک خط سے چند سطریں نقل کرتے ہیں جو آپ نے جامعہ کو دیکھ کر رنگون واپس پہنچنے پر شیخ الجامعہ کو لکھا ہے۔

"دہلی کے قیام کے زمانہ میں آپ اور آپ کے رفقاء کار نے جس خلوص اور محبت کا اظہار میرے ساتھ کیا اس کا اثر میرے دل پر ہمیشہ رہے گا۔ جامعہ کو دیکھنے اور جامعہ کے کارکنوں سے ملنے کے بعد جو جذبات اور خیالات اپنے ساتھ لایا ہوں ان کا اظہار الفاظ میں کرنا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انشاء اللہ ان خیالات اور جذبات کو اپنے مدرسہ کی چار دیواری کے اندر عملی جامہ پہنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔

"میں نے جامعہ کے ہر شعبہ کو دیکھنے کے بعد ہر پہلو سے اس پر غور کیا۔ میرے نزدیک جامعہ ہی ایک واحد درسگاہ ہے جو ملک اور قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کر رہی ہے۔ میں آپ کی اور آپ کے رفقاء کار کی خدمت میں ہدیہ مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ حضرات نے ایسا مقدس اور اہم کام اپنے ذمہ لیا ہے جس کی ملک اور قوم کو شدید ترین ضرورت تھی۔ درحقیقت ملک اور قوم کے مردہ جسم میں حقیقی زندگی کی تازہ روح پھونکنے والے آپ حضرات ہی ہوں گے۔ اور ہندوستان کی آیندہ تاریخ میں جامعہ اور اصحاب جامعہ کا نام زرین حروف میں لکھا جائے گا"

موصوف نے اس خط کے ہمراہ مبلغ ۵۰ روپیہ "انجمن جامعہ فنڈ" کے لئے بھی ارسال فرمائے ہیں۔

ہم تہ دل سے موصوف کی توجہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ رنگون کا یہ اسکول برما میں صحیح اسلامی و قومی تعلیم کا مرکز بنے گا۔ اور دعا ہے کہ جامعہ اور جامعہ والے اپنے آپ کو ایسے نیک خیالات کا اہل ثابت کر سکیں جو موصوف نے ظاہر فرمائے ہیں۔

مبارک باد!

"پیام تعلیم" کے پڑھنے والوں کے لئے م۔ب ممتاز صاحبہ کا نام غالباً محتاج تعارف نہ ہوگا۔ آپ نے اپنے معموں اور دلچسپ قصوں اور پاکیزہ نظموں سے جب سے حصہ لینا شروع کیا ہے، اس وقت سے بچوں کے صفحے میں ایک جان سی پڑگئی ہے۔ "پیام تعلیم" کے چھوٹے بڑے تمام ناظرین و ناظرات اس مسرت افزا خبر کو سن کر بلاشبہ خوش ہوں گے کہ خدائے تعالٰی نے آپ کو ان کی چھوٹی ہمشیر کے الفاظ میں "چاند سا ایک بچہ" عطا فرمایا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس سے پیشتر بھی آپ کے دو بچے ہوئے تھے جو زندگی کی چند بہاریں دیکھ کر ماں کی گود کو خالی کر گئے۔ ا۔خ صاحبہ کی استدعا ہے کہ ناظرین و ناظرات بچہ کی صحت وری و درازیٔ عمر کی دعا فرمائیں اور کوئی صاحب یا صاحبہ بچہ کے لئے تاریخی نام یا قطعہ ارسال فرمائیں تو وہ اور م۔ب ممتاز صاحبہ بہت ممنون و مشکور ہوں گی۔

عذر گناہ!

بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض انتظامی خرابیوں کی وجہ سے پچھلی اشاعتوں کا پرچہ دیر سے نکلا گیا اور گزشتہ ۲۰ ستمبر کے پرچہ میں تو کتابت کی اتنی تاخیر ہوگئی ہے کہ ۱۲ رتاریخ سر پر آگئی اور ابھی پرچہ پورا نہیں لکھا گیا۔ کاتب صاحب کے زیادہ سے زیادہ صرف دو صفحے روزانہ لکھنے کی جو بے ڈھنگی رفتار ہے، اس کی بنا پر ہمیں اندیشہ ہے یہ کمی کبھی پوری نہ ہوگی اور اس کی وجہ سے ہر اشاعت کا پرچہ دیر سے نکالنا کچھ مناسب نہیں۔ لہٰذا ہم نے ۵ر اور ۱۲ر ہر دو تاریخوں کا پرچہ ملا دیا ہے اور امید ہے کہ آئندہ سے پرچہ وقت پر نکلا کرے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

(بقیہ صفحہ ۱)

گر تری نظر عنایت سب پر ایک سی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ تو بے نیاز ہے تجھے بندوں کی طاعت و عبادت کی حاجت نہیں

مولٰی میری کم سنی پر رحم کر اور عقل سلیم عطا فرما جس سے اپنے نیک و بد کی تمیز کر سکوں۔ الٰہی مجھے اور میرے کل بھائی بہنوں کو توفیق عطا فرما کہ راہ مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں اور تجھے معبود حقیقی سمجھ کر تیری بندگی میں رہا کریں۔ آمین ثم آمین۔

(ہندی ز۔ہ)

جدید روس میں تعلیم کا طریقہ

(از پنڈت جواہر لال نہرو)

(گزشتہ سے پیوستہ)

ان مسائل کے لئے نہایت تفصیلی پروگرام اساتذہ کے نام شائع کئے جاتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ صرف اُن کی عام ہدایت کے لئے ہیں۔ اس سے زیادہ مفصل پروگرام انہیں خود دوسرے اساتذہ اور طلبہ کے مشورہ سے بنانا ہے۔ یہ بھی کہدیا جاتا ہے کہ مصنوعی معلومات پیدا کرنے یا صرف پند و وعظ سنانے سے حتی الوسع احتراز کیا جائے بلکہ جہاں تک ہوسکے، طلبہ میں خود یہ صلاحیت پیدا کیجائے کہ وہ اپنے نتائج آپ نکال سکیں۔

اسکولوں پر اپنے قرب و جوار کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے اور یہی ماحول ان کے لئے معمل یا دار التجربہ کا کام دیتا ہے۔ دیہاتوں میں تو دیہی زندگی کا اثر غالب رہتا ہے۔ اگر کوئی اسکول کسی کارخانہ کے قریب واقع ہو تو اس کارخانہ کا اس پر بہت اثر نظر آئے گا، اور جغرافیہ، سائنس، حساب اور دوسرے ایسے مضامین پڑھائے جائیں گے جن کا کارخانہ میں بہت کام پڑتا ہو۔

شہری علاقوں میں تو تعلیم بالکل عام کردیگئی ہے لیکن دیہی رقبوں میں ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ کاشتکاروں نے تعلیم کے عام کرنے کی طرف بہت کچھ دلچسپی کا اظہار کرنا شروع کردیا ہے اور بعض مقامات پر انہوں نے خود مدارس قائم کئے ہیں۔ ایک اور دلچسپ بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ اوسطاً کاشتکاروں کے بچے شہر کے بچوں سے زیادہ ذہین اور تیز ہوتے ہیں۔ اسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کا قدرت سے زیادہ قریبی تعلق ہوتا ہے اور انکی اس قدرتی ترقی میں ان کا نصاب تعلیم مزید معاون ہوتا ہے۔

روس کے بعض حصوں میں زمین اتنی زرخیز نہیں ہے جس سے کسانوں کی گزران ہوسکے لہذا ایسی صورت میں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی اور کام کریں۔ یہ کام سب سے زیادہ بننے تننے کا ہے اور گھر کے کچھ آدمی جنمیں بچے بھی شامل رہتے ہیں، برابر معمولی کرگھوں پر بننے کا کام کرتے ہیں۔

گانوں کی تعلیم کا کسی قدر اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ ۱۹۱۳ء میں تمام گانوں کے اندر ۲۸۰۰ پڑھکس تھے لیکن ۱۹۲۶ء میں ان کی تعداد ۶۴۰۰ ہوگئی جو دورہ کرنے والے ڈاکخانوں کے لیٹر بکسوں کے علاوہ ہے۔ ان دورہ کرنے والے ڈاکخانوں کے کوچبان زراعتی معلومات کی چیزیں بھی تقسیم کرتے ہیں۔ ایک کسانوں کا اخبار جو ۱۹۲۳ء میں نکلنا شروع ہوا تھا، اسکی اشاعت اسوقت ۱۰ لاکھ ہے اور اس میں کسانوں سے متعلق ہر قسم کے معلومات سے بحث کیجاتی ہے۔ ہزاروں خطوط اس اخبار کے نام آتے ہیں جنہیں مختلف نوعیت کے استفسارات، حکام کے متعلق شکایات اور دوسرے امور درج ہوتے ہیں۔ ان شکایات کی باقاعدہ تفتیش ہوتی ہے اور ضرورت ہوتی ہے تو ان پر مناسب کارروائی بھی کیجاتی ہے۔

<u>متحرک تصویروں کے ذریعہ تعلیم</u> | سوویٹ لوگوں نے اپنے تعلیمی اغراض کے لئے سینما کی تصویروں سے بہت کام لیا ہے۔ ان کے ایک بڑے مشہور آرٹسٹ نے ابھی حال میں ایک فلم تیار کیا ہے جسکا نام "گانوں کی پالیسی" ہے۔ اس فلم میں کسانوں کی زندگی اور بالخصوص ان کے مشکل مسائل کے ہر ہر پہلو کو دکھلایا گیا ہے۔ اسمیں کوشش اس بات کی گئی ہے کہ دیکھنے والے ان دشوار مسائل کا مقابلہ کریں اور ان کے حل کرنے کی کوشش کریں۔

۱۹۱۷ء میں جو انقلاب ہوا تھا وہ دراصل شہر کے کام کرنے والوں نے شروع کیا اور گانوں کے کسان تو اسمیں رفتہ رفتہ بعد میں شریک ہوئے ایک عرصہ تک شہر اور گانوں کی یہ مخالفت برابر جاری رہی اور کسانوں کے دباؤ کا نتیجہ تھا کہ لینن نے نئی معاشی پالیسی پیش کی جو اصل اشتراکیت سے بالکل مختلف چیز تھی۔ ہر دو کے مقاصد میں یہ اختلاف آج بھی موجود ہے اور روس کی خانگی زندگی میں یہ ایک بہت نمایاں شے نظر آتی ہے۔ تمام ذمہ دار اشخاص اس بات کی کوشش میں ہیں کہ شہر اور گانوں کے درمیان ایک طرح کی خوشگواری پیدا کریں، اور لینن نے تو خاص اس غرض کے لئے ایک نیا لفظ ایجاد کیا تھا جس کے معنی ہیں اس طرح کی استواری اور ہمواری پیدا کرنا جیسی فاختہ کے پروں میں ہوتی ہے۔ ۱۹۲۳ء میں اسی غرض کے لئے مزدوروں کی ایک انجمن برائے اتحاد شہر و دیہات بنائی گئی تھی جسمیں

اسوقت کئی لاکھ ممبر ہیں اور جس کی متعدد شاخیں ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں تمام کارخانوں کی انجمنیں اور مزدوروں کے کلب اس مقصد کی تکمیل میں کوشاں رہتے ہیں اور اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ گانوں والوں سے میل جول بڑھائیں اور ان کے حالات کی ترقی و اصلاح میں ہر طرح کی مدد پہونچائیں۔

جہالت کے دور کرنے کا جو بیڑہ روس والوں نے اٹھایا ہے اس کے لئے وہ متعدد طریقوں سے کوشش کر رہے ہیں۔ اسی غرض کے لئے وہ ٹریڈ یونین مزدوروں کے کلب کسانوں کی انجمنیں امداد باہمی کی انجمنیں جیل خانے یہ سب جگہیں تعلیمی مرکز کے طور پر استعمال کیجاتی تھیں۔ بالغوں کے مدرسے زراعتی اور اقتصادی دونوں طرح کے کھولے گئے جو عام مدارس کی طرح روزانہ یا صرف اتوار کے روز ہوا کرتے تھے جہالت کو مٹانے کی غرض سے ایک غیر معمولی کمیشن بٹھایا گیا اور اسی غرض کے لئے ایک سوسائٹی بھی بنائی گئی جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ ان تمام انجمنوں اور سوسائٹیوں کا مقصد لوگوں کو صرف لکھنا پڑھنا ہی سکھانا نہ تھا بلکہ دراصل انہیں معاشرتی معلومات کا بڑھانا اور ریاست کی تعمیر میں اشتراک عمل کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ کتبخانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک میں ایک یا ایک سے زیادہ مطالعہ کے کمرے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دورہ کرنے والے بھی کتبخانے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی ارزاں کتابیں جنہیں کسانوں اور مزدوروں کے روزمرہ کے معاملات سے بحث ہوتی ہے، ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

ان سب کا نتیجہ یہ ہے کہ شہری آبادی اور کارخانہ کے مزدوروں میں ان پڑھ ہونا مفقود ہوتا جا رہا ہے لیکن کسانوں پر اب بھی اس تحریک کا بہت کم اثر پڑا ہے۔ ان میں یہ کوشش دوسرے ذرائع سے قطع نظر کر کے سرخ فوج کے ذریعہ کیگئی ہے جس میں زیادہ تر کسان ہی بھرتی ہوتے ہیں۔ اپنی فوجی ملازمت کے درمیان میں ہر کسان کو دو سال تک ایک خاص نصاب کے ماتحت لکھایا پڑھایا جاتا ہے، اور ملازمت کی علیحدگی سے کچھ پیشتر اسے اپنے گانوں میں تعلیمی اور تمدنی کام کا اہل بنانے کے لئے ایک خاص عملی نصاب سے گزرنا پڑتا ہے۔ سینکڑوں اشخاص فوج میں جاتے ہیں اور جب لوٹکر اپنے گھروں کو آتے ہیں تو وہ کم و بیش اس قابل ہوتے ہیں کہ اپنے گانوں کی حالت کو کچھ نہ کچھ بہتر بنا سکیں اور عام جہالت کو مٹا سکیں۔

ہزارہا قسم کے مخصوص مدارس اور درسگاہیں ہیں مثلاً تحقیقاتی ادارہ صنعتی اسکول، مزدوروں کے مدرسے، کسانوں کے اسکول، مسلوب الاعضا کے مدارس، موسیقی و مصوری کے اسکول وغیرہ وغیرہ۔ ایک سب سے زیادہ مشہور و معروف مدرسہ دماغی اور جسمانی نقائص کی تحقیقات کا ہے جسمیں بڑے بڑے ماہرین نفسیات، اطبا اور ماہرین تعلیم کام کرتے اور بچوں کی حالت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے تقریباً ۲۰ یونیورسٹیاں ہیں جن کے علاوہ ۲ اشترا کی یونیورسٹیاں ہیں۔ ان میں سے ایک "اورینٹل یونیورسٹی" کے نام سے ہے اور دوسری "سن یاٹ سین یونیورسٹی"۔ ان یونیورسٹیوں کا سب سے بڑا مقصد اشتراکی اصول اور ان کے طریقہ تبلیغ و اشاعت کی تعلیم دینا ہے۔

رواداری کا اظہار | انقلاب روس کے بعد عام طور سے یہ جذبہ پایا جاتا تھا کہ ہر اُس چیز کو تباہ و برباد کر دیا جائے جو انقلاب سے پہلے کی ہے۔ بعض بڑے بڑے روسی مصنفین کو حقارت کے ساتھ "شہری" کہکر پکارا جاتا تھا اور ان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کیجاتی تھی۔ اور مذہب خاصکر ان سب میں بڑا نشانہ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ جذبات دھیمے ہوئے اور اب ایک حد تک رواداری اور مسالمت پائی جاتی ہے۔ اب مذہب کے خلاف اسکولوں میں کوئی پروپیگنڈا نہیں کیا جاتا ہے اگرچہ تعلیم کی تمامتر بنیاد غیر مذہبی میلانات پر ہے۔ میکسیم گورکی نے فرانس کے مشہور فلسفی رومین رولاں کو جو خط لکھا ہے اور جو ابھی حال میں اخبارات میں شائع ہوا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زار کے زمانہ کے مصنفین کو کس قدر قبولیت عام حاصل ہے۔ ایک روسی خواہ وہ اشتراکی ہی خیال کا کیوں نہ ہو، ادب، مصوری اور موسیقی کا حد سے زیادہ قدردان ہوتا ہے۔ خود لینن کو بعض مشہور روسی ادبیات سے از حد دلچسپی تھی اور موسیقی سے وہ بہت متاثر ہوتا تھا۔

لوناکارسکی نامی کے متعلق جو آجکل وزیر تعلیم ہے، ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے اُس کے کیریکٹر کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ انقلاب کے ابتدائی ایام میں جبکہ خانہ جنگی ہو رہی تھی، یہ خبر آئی کہ ماسکو میں کریملن کے ایک حصہ کو برباد کر دیا گیا ہے۔ بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی لیکن اسوقت لوناکارسکی پر اس کا بہت اثر پڑا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے وہ لینن کے پاس گیا اور اپنا استعفیٰ اُس کے ہاتھ میں رکھدیا اور کہا کہ میں ان قدیم خوبصورت

عمارتوں کی تباہی کسی طرح نہیں برداشت کر سکتا۔ لیکن جب روسی فنون کی حفاظت کی ذمہ داری اُس کے ہاتھ میں دیدی گئی تو اُس نے بہت کہنے سننے سے اپنا استعفا واپس لے لیا۔ اب تو نا کارسکی محکمہ تعلیم کے اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے کتبخانوں، عجائب خانوں، مصوری اور سائنس کے اداروں، تھیٹروں، موسیقی، سینما، غرض روس کی تمام ثقافتی پہلو کا مختار کل ہے۔

وہ ایک شاعر ہے، ایک ڈرامہ نویس ہے، اور نئی نوع سے ایک محبت کرنے والا ہے، پھر بھی وہ ایک انقلاب پسند ہے اور ایک اشتراکی ہے۔ اس نے روسی نظام تعلیم کو وہ وسیع تمدنی حیثیت بخشی ہے جو آجکل اس میں ہر ایک نظر آ رہی ہے۔

ایک دوسرا شخص جس نے روسی تعلیم میں اس قدر انقلاب پیدا کیا، کر دیکھایا ہے جو لینن کی رفیقۂ حیات ہے۔ جلا وطنی کے زمانہ میں بھی اس نے تعلیم پر خاص توجہ رکھی اور "عام تعلیم اور جمہوریت" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ وہ بہت معمولی کپڑے پہنتی ہے اور اس کی صورت شکل کسی قدر غیر دلچسپ اور بدنما ہے لیکن محض چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس سے دلچسپی ہونے لگتی ہے۔ اس کی طبیعت کا اندازہ اس کے ان چند الفاظ سے ہو سکتا ہے جو اس نے لینن کی وفات کے بعد سوویٹ کانگریس میں ارشاد فرمائے تھے۔

"دوستو، مزدور اور مزدور بہنو، کاشتکار مرد اور عورتو!
میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔ تم لینن کی شخصیت کا ظاہرا احترام نہ کرو۔ اس کی یاد میں مجسمے نہ بناؤ۔ اُسے خود اپنی زندگی میں ان چیزوں کا خیال نہ تھا۔ یاد کرو کہ تمہارے اس ملک میں کس قدر غربت اور افلاس ہے۔ اگر تم لینن کے نام کی عزت کرنا چاہتے ہو تو تم بچوں کے گھر، کنڈر گارٹن، اسکول، کتبخانے، ہسپتال، شفا خانے اور لنگڑے لولے اور اپاہجوں کے لئے قیام و آرام کی جگہیں مہیا کرو۔"

(باقی)

رفتار تعلیم

حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹ بابتہ سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء

حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹ بابت سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء شائع ہو گئی ہے۔ یہ رپورٹ مختلف صوبجات کے تعلیمی اداروں کے ڈائرکٹران تعلیم کی رپورٹوں کا خلاصہ ہے۔ پنجسالہ رپورٹ بھی اس سال شائع ہو جائیگی۔ جس میں گذشتہ پانچ سال کی ترقی تعلیم کے متعلق مفصل معلومات ہونگی۔

پنجاب اور مدراس میں ترقی

سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء میں خلاف معمول ملک میں تعداد طلبا بہت زیادہ تھی۔ اعلیٰ تعلیمگاہوں کی تعداد میں ۹۳۶۲ کا اور طلبا کی تعداد میں ۲۰۹۰۶۷ کا اضافہ ہوا۔ سال ماسبق میں گو تعلیمگاہوں کی تعداد ۹۳۰۷۱ کا اضافہ ہوا تھا لیکن طلبا کی تعداد ۱۳۷۷۳۰ تک ہی پہنچی تھی۔ اس سال مستند اور غیر مستند مدارس میں طلبا کی تعداد میں ۷۰۰۰۹۴ اضافہ ہوا سال ماسبق میں صرف ۲۹۰۹۰۰ طلبا کا اضافہ ہوا تھا۔ رپورٹ سے مظہر ہے کہ مستند تعلیمگاہوں اور طلبا کی تعداد میں ہر صوبہ میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن مدراس کے صوبہ میں مدارس کے اضافہ میں زیادہ ترقی رہی۔ کیونکہ مندرجہ بالا ۹۳۶۲ میں یہاں ۳۵۵۰ مدارس کھلے۔ طلباء کی تعداد میں بھی یہیں پر زیادہ اضافہ ہوا۔ کیونکہ ۱۵۶۲۱ کی تعداد بڑھی۔ مدراس کے بعد صوبہ پنجاب ہے۔ جہاں ۱۴۰۲۵۰ طلبا کا اضافہ ہوا۔

آبادی سے تعلیم کی نسبت

مردوں کی تعلیم میں ۳۵ کی شرح کا اضافہ ہوا۔ گذشتہ دس سالوں میں کسی ایک سال میں زیادہ اضافہ ہے جو کسی ایک سال میں ہوا اور اب آبادی کی نسبت سے تعلیم یافتوں کی تعداد ۲ ½ فیصدی ہے۔ جو نہایت ناقابل اطمینان ہے۔ تاہم گذشتہ دس کی نسبت آبادی سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس وقت صرف ۷ر۴ فیصدی تعداد تھی۔ تعلیم نسواں کی رفتار بہت کم ترقی ہوئی۔ کیونکہ سنہ ۱۹۱۶ء میں ۹ر فیصدی تھی اور اب ۳ر۱ فیصدی ہے تمام صوبوں کی رپورٹ سے مظہر ہے کہ پنج قوموں کو تعلیم سے اب بھی بہت حد تک باز رکھا جاتا ہے۔ اور یہ ایک نئے حد پیچیدہ سوال ہے۔ بہار واڑیسہ کے ڈائرکٹر نے سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء کے متعلق اپنے صوبہ میں ایک گشتری کے اعداد ہم پہنچاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

پہلی جماعت کے طلبا میں سے ۹ فیصدی کو ایک سال کے بعد ترقی دی گئی۔ ایک سال سے زیادہ تعلیم کے بعد ۱۱ فیصدی کو ترقی دی گئی اور دو برس کی تعلیم کے بعد آٹھ فیصدی کو ترقی دی گئی۔

ذرائع اور اخراجات تعلیم

تعلیم پر مجموعی اخراجات کے متعلق رپورٹ سے مظہر ہے کہ اخراجات میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ یعنی ایک کروڑ نوے لاکھ نوے ہزار تین سو دس روپئے کا حالانکہ سال ماسبق میں ستانوے لاکھ گیارہ ہزار نوسو بہتر کا اضافہ ہوا تھا۔ اس امداد میں صوبہ کمیٹی نے ساڑھے بتیس لاکھ اور بنگال نے ۱۲ لاکھ روپئے سے حصہ لیا۔ مختلف صوبجات میں اخراجات کے نقشہ سے ظاہر ہے کہ حکومت کے امدادی بورڈ اور دیگر سرمایہ کو کتنی اختلافی نسبت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ صوبجات متحدہ کے اخراجات تعلیم یہ سرمائے ۷۵ فیصدی کے متحمل ہیں۔

اس کے برعکس بنگال میں مجموعی اخراجات پر صرف ۳۸ر۱ فیصدی کا بار ہے۔ صوبجات متوسط میں مجموعی اخراجات میں سے آمدنی فیس طلبا صرف ۲ر۱۱ فیصدی کی کفیل ہے۔ حالانکہ بنگال میں کل کے ۲ر۴۱ فیصدی اخراجات فیس طلبا سے نکالے جاتے ہیں۔ صوبہ مدراس مذکرہ ذرائع آمدنی کے علاوہ، دیگر ذرائع کی مستقل مدیں جو تعلیم کے باب میں لوگوں کی انفرادی کوششوں کے نتیجہ سے قائم ہیں۔ اس ذریعہ سے صوبہ کے ½ ۲۲ فیصدی اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ بمبئی میں دیگر ذرائع کی مد سے صرف ۲ر۱۱ فیصدی خرچ پورے ہوتے ہیں۔

صوبہ بہار واڑیسہ میں مقامی بورڈ سے ½ ۲۸ فیصدی اخراجات کیے نتے جاتے ہیں۔ مگر بنگال میں ان مقامی کمیٹیوں پر ۱ر۵ فیصدی صرفہ کا بار

انجنیری اور ڈاکٹری

مختلف شعبہ جات تعلیم کے طلبا کی تعداد نہیں بتائی جا سکتی ہے۔ مگر یہ امر قابل ذکر ہے کہ تقریباً دو سو طالب العلم انجنیری اور صنعت کی اعلیٰ تعلیم [illegible] اور نوسو سے زائد طالبعلم ڈاکٹری میں ملے۔ ایک سو پینتالیس طلبا [illegible]

سے وظیفہ پاتے ہیں۔ ان میں اکیس طالبات ہیں۔

(بقیہ رپورٹ آئندہ)

"علم کی روشنی پھیلاؤ"

بمبئی یونیورسٹی کے چانسلر گورنر بمبئی نے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر اپنی آخری تقریر میں طلبہ کو مخاطب کرکے فرمایا "اے نوجوانو! تم اپنے عہد کے تاجران روشنی ہو۔ اس ایوان سلیمانی سے علم و دانش کی روشنی حاصل کرنے کے بعد جب تم دنیا میں نکلو تو تمہارا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اس روشنی کو اپنے ہم وطنوں میں پھیلاؤ۔ جب روشنی کا یہ سب سے اعلیٰ ثبوت ہے۔" اختتام تقریر پر آپ نے فرمایا "محنت کا احترام کرو۔ زراعتی کمیشن کی رپورٹ شائع ہوگئی ہے۔ مگر جب اس وقت تک جب سے حسب آپ، تم لوگ اپنا کوٹ پتلون اتار کر رپورٹ کی ہدایات کے مطابق کھیتوں میں نہ پہنچو گے، بیکار ہو جاؤ گے۔ نوجوانو! محب وطنوں کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا کام نہیں کہ وہ اپنے دماغی قویٰ کے ذریعہ سرزمین وطن کے وسائل سے زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کریں۔"

مدراس یونیورسٹی میں گریجویٹوں کی بھرمار

مدراس یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد گورنر مدراس کی صدارت میں ۲۳ اگست کو منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں ۷۰۹ گریجویٹوں کو جو حاضر تھے ڈگریاں دی گئیں، ڈگری پانے والے گریجویٹ جو جلسہ میں شریک نہ ہوسکے انکی تعداد ۲۴۰۵ تھی۔ ڈگری پانے والوں کی اس کثرت کی وجہ سے حکام نے یہ انتظام کیا تھا کہ دو جلسے منعقد کئے جائیں۔ ایک جلسہ پہلے ہوا جسکی صدارت یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے کی تھی۔ اس جلسہ میں ۳۲۰ امیدواروں کو ڈگریاں دی گئیں۔

نصاب تعلیم میں تغیر کی ضرورت

۲۵ اگست ۲۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد گورنر بنگال کی صدارت میں منعقد ہوا۔ صدر نے اپنے خطبۂ صدارت میں بیکاری کے مسئلہ کا تذکرہ کیا، کہا کہ "یہ صورت حالات صرف ہندوستان ہی کے لئے مخصوص نہیں گو یہ مغربی ممالک کی بہ نسبت یہاں زیادہ پریشان کن ہے۔ یہ مسئلہ نہایت ہی اہم ہے۔ لیکن اسے ناقابل حل تصور نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ زیادہ تر اقتصادی مسئلہ ہے۔ یونیورسٹیوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مطمح نظر میں وسعت پیدا کریں اور ضروریات زمانہ کے مطابق اپنے نصاب تعلیم میں تغیر و تبدل اور ترمیم و تنسیخ کریں۔" آخر میں ہز ایکسیلنسی نے یونیورسٹی کی اس جد و جہد کی تعریف کی جو اس نے تعلیم نسواں کے متعلق کی ہے اور فرمایا کہ "ہر ملک کی ترقی کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس کی عورتیں تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہوں۔"

بمبئی میونسپلٹی کا تعلیمی کمیٹی سے عدم تعاون

سائمن کمیشن کی طرف سے ایک تعلیمی کمیٹی کا جو تقرر ہوا ہے اس کے سکریٹری کی طرف سے بمبئی میونسپلٹی کو ایک مکتوب بھیجا گیا تھا جسمیں میونسپلٹی مذکور سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنی طرف سے ایک یادداشت مرتب کرکے جسمیں کمیٹی کے سوالات کے جوابات درج ہوں بھجوائے۔ چنانچہ میونسپلٹی مذکور نے اپنا خاص اجلاس منعقد کیا جس میں مسٹر دہلوی کی طرف سے یہ قرارداد پیش ہوئی۔ کہ میونسپلٹی نہ تو یادداشت پیش کرنے کے لئے تیار ہے اور نہ سوالات کے جوابات بھجوانا چاہتی ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کے مساوی ہوگا۔ مسٹر ... راؤ نے یہ ترمیم پیش کی کہ میونسپلٹی میں سیاست کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ صرف یہ جواب دیا جائے کہ وقت تھوڑا ہے۔ اس لئے یادداشت مرتب نہیں ہوسکتی۔ رائیں لینے پر اصل قرارداد رہ گئی اور ترمیم منظور ہوگئی۔

تعلیم نسواں کیلئے چار ہزار کا وقف

مسٹر سدھیر چندر آچاریہ چودھری نے جو جمن سنگھ بنگال کا کھتاباجہ ضلع میں ایک بہت بڑے زمیندار ہیں اپنی ملکیت سے چار ہزار اور تین روپے کا ٹرسٹ مرتب کیا ہے۔ یہ ٹرسٹ یونیورسٹی میں تعلیم نسواں کی ترقی دینے پر خرچ کیا جائے گا۔ پنڈت مالوی جی اس کے سب سے بڑے ٹرسٹی مقرر کیگئے

مسلمانان روہیلکھنڈ کی تعلیمی کوششیں

مسلمانان روہیلکھنڈ کی تعلیمی کانفرنس خان بہادر محمد فضل الرحمٰن خاں انصاری رکن مجلس منتخبہ کی صدارت میں ۹ ستمبر کو بدایوں میں منعقد ہوئی۔

کوائف جامعہ

گزشتہ ماہ اللہ بخش نامی ایک مشہور جادوگر کا کھیل جو دنیا کے چند مشہور جادوگروں میں سے ہے جامعہ میں ہوا۔ اس نے کئی ایک تاش کے کھیل دکھائے، بعض چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیں اور آخر میں فرمائش کے مطابق بعض چیزیں جادو کے ذریعہ سے منگوائیں اس کا ایک تماشہ مخصوص طور پر اساتذہ کی موجودگی میں ہوا جس میں اس نے اپنی تماشوں کے ساتھ جو اس نے پہلے دن کئے تھے بعض نئی چیزیں بھی دکھائیں۔ مثلاً ایک شخص پر اس نے ایسا جادو کر دیا کہ اس سے جو بات کہی جاتی وہ اس کے خلاف کرتا مثلاً اس سے کہا جاتا کہ کھڑے ہو تو وہ بیٹھ جاتا تھا کہا گیا کہ بیٹھ جاؤ اور وہ لیٹ گیا۔ ایک چیز جو سب میں حیرت انگیز دکھائی گئی، وہ چیزوں کا فرمائش کے مطابق منگانا تھا۔ مثلاً اس سے کہا گیا کہ میٹھے چاول اور آم منگا دو۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں چیزیں حاضر کر دیگئیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ مسمریزم کے زور سے کرتا تھا۔ جس مخصوص آدمی کو بلا کر اس پر مسمریزم کر دیا، وہ مجبوراً وہی باتیں کہتا یا کرتا جو وہ چاہتا، اور وہ چیزیں جو منگانے کے لئے کہی جاتیں پہلے سے موجود ہوتیں۔

شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے لکھنؤ کانفرنس سے واپسی کے بعد انجمن اتحاد کی زیر سرپرستی کانفرنس مذکور کے حالات و نتائج پر ایک تنقیدی تقریر فرمائی جو عام طور سے بہت پسند کی گئی۔ آپ نے وہاں کے حالات و واقعات بیان کرنے کے بعد بہت خوب فرمایا کہ یہ کانفرنس زیادہ تر اعتدال پسند لوگوں کی کانفرنس تھی جس میں تقریریں نہایت زور شور کی ہوئیں اپنے دعووں کے ثبوت میں دلائل و براہین نہایت قوی پیش کئے گئے۔ لیکن ملک کے اندر کام کرنے کے لئے ان میں سے کوئی نہیں نکلے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ریاستوں کے متعلق جس وقت ایک رزولیوشن پیش ہوا اس وقت بجز منی لال کوٹھاری کے کیا ہندو کیا مسلمان ہر ایک لیڈر اس کی تائید و حمایت میں رطب اللسان تھا۔ اس کے علاوہ عام طور سے کانفرنس کو کامیاب بنانے کیلئے ہر وہ تدبیر کی گئی جو عموماً کانفرنسوں کو کامیاب بنانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

جامعہ کے نوجوانوں کے سامنے شیخ الجامعہ نے ہندوستان کی موجودہ پبلک زندگی کا جو نقشہ پیش کیا، وہ ان کے لئے اپنے اندر ایک درس عبرت رکھتا تھا۔

بحمد اللہ کہ جامعہ کے لائق پروفیسر ای۔ جے کیمباٹ صاحب مکان سے واپس آگئے اور اب آپ کے آنے کی وجہ سے ورزش اور کھیلوں میں نئے سرے سے جان پڑ گئی ہے۔ ہاکی ٹیم جو اب تک میچوں میں برابر ہارتی رہی ہے، آپ کی نگرانی اور مشق سے بہتر ہونے اور جیتنے لگی ہے۔ اب تقریباً ہر شام کو پابندی سے ہاکی کی پریکٹس ہوتی ہے۔

یہ پہلا موقع ہے کہ جامعہ نے اپنی ٹیم ہاکی کے ٹورنامنٹ میں [illegible] ہے۔ "ظفر یاب کلب" کے نام سے آج کل ایک ٹورنامنٹ ہو رہا ہے جس میں ۱۰ سال سے کم کھیلنے والوں کی ٹیمیں داخل ہوئی ہیں [illegible] میں ایک ٹیم جامعہ کے مدرسہ شاخ کی ہے اور دو [illegible] بی ٹیم ہے۔ ۵ ستمبر سے میچ شروع ہوگئے ہیں۔ پہلا [illegible] "ظفر یاب کلب" اور "پنجابیہ ٹیم" کے درمیان ہوا [illegible] ایک گول سے جیتی۔ یہ قابل افسوس امر ہے کہ ہر دو ٹیمو [illegible] کی وجہ سے شرائط کے خلاف ۱۰ سے زائد کی عمر کے کھلاڑی [illegible] ان ٹیموں کو شکایت ہے جن میں ۱۰ سال سے [illegible] اتفاق کہ دوسرا میچ جامعہ کی آپس ہی کی دونوں [illegible] کی بی ٹیم ۲ گول سے جیتی۔ دوسرے میچ ابھی باقی ہیں [illegible]

---

۱۰ ستمبر کو "انجمن اساتذہ" (اسٹاف کلب) کا ایک جلسہ [illegible] دعوت پر منعقد ہوا جس میں انجمن مذکور کا جدید انتخاب عمل میں [illegible] صاحب فاروقی منتخب کئے گئے اور مجلس انتظامیہ کیلئے [illegible] صاحب فاروقی اور شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی [illegible] منتخب کیا گیا۔ [illegible] شخص کا انتخاب متفقہ طور پر عمل میں آیا اسلئے کہ [illegible] نے واپس لے لئے تھے۔

قواعد وضوابط شاخہائے مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی

رخصت اساتذہ

۳۴ مدرسین کو سال بھر میں حسب ذیل رخصتیں ملا کریں گی:-

(۱) مدرسہ کی جملہ تعطیلات متفرق (ب) ملیریا کے زمانہ میں (مثلاً ۱۵ ستمبر تا ۱۵ اکتوبر تک) یا رمضان شریف میں ایک ماہ کی تعطیلات مدرسہ (ٹھیک تاریخ کا تعین موسم کے لحاظ سے ہوگا)

(ب) گیارہ یوم اتفاقی رخصت مدرسین کو ایک ماہ کی مدت کے عوض ایک یوم کے حساب سے رخصت اتفاقی مل سکے گی۔ ... اور پیشگی لینے کا بھی حق ہوگا۔

(ج) گیارہ یوم علالت - رخصت مدرسین کو ایک ماہ کی مدت کے عوض ایک یوم کے حساب سے رخصت علالت مل سکیگی (دو چھ ماہ کے بعد) ... اور پیشگی رخصت کا بھی حق ہوگا۔

(د) ایک ماہ علالت (رخصت تنخواہ پر) اس کے حقدار صرف وہ مدرسین ہوں گے جنھوں نے کم از کم چھ ماہ مسلسل خدمت انجام دی ہو۔

(ہ) گیارہ یوم رعایتی (سال بھر کام کرنے کے بعد یہ رخصت مل سکتی ہے جس میں ... اور مدرسہ کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر ملے گی۔ اگر ... حرج ہوتا ہو تو یہ رخصت نہیں ... بلکہ کسی دوسرے وقت کے لئے جمع ہو جائے گی)

رخصت اتفاقی تعلیمی سال ختم ہونے پر سوخت ہو جائے گی۔

جامعہ کے بڑے مدرسہ میں جس روز نئی جماعتیں بنکر تعلیم شروع کیا جائیگی وہ دن سے تعلیمی سال کا آغاز سمجھا جائے گا۔ اگر جامعہ میں سالانہ امتحانات ہوتے ہی تعطیلات کلاں ہو جائیں تو تعطیلات ختم ہونے پر نئے تعلیمی سال کا آغاز سمجھا جائے گا۔

رخصت علالت بھی اسی سال کے اندر مل سکیگی بعد میں سوخت سمجھی جائے گی۔

کسی مستند حکیم یا ڈاکٹر کی سفارش ضروری ہوگی۔ ورنہ رخصت علالت بلا تنخواہ سمجھی جائے گی)

۳۵۔ رخصت رعایتی جمع رہے گی۔ لیکن تین سال کی مجموعی رخصتوں میں ۳۳ ایام سے زائد جمع نہ ہوگی۔ ۳۳ ایام سے زائد کی رخصت سوخت سمجھی جائے گی۔

۳۶۔ رخصت اتفاقی اور رخصت رعایتی بزمانہ علالت بھی مل سکتی ہے۔

۳۷۔ سالانہ تعطیلات (ایک ماہ) کے ساتھ رخصت اتفاقی نہیں ملائی جا سکتی۔ البتہ بیماری کی یا رعایتی رخصت مل سکتی ہے۔

۳۸۔ سالانہ امتحانات کے قریب ہونے پر رخصتیں نہیں ملیں گی البتہ ضرورت یا علالت کی صورت میں مدرسہ کی ضروریات کے لحاظ سے دی جایا کریں گی۔

۴۰۔ مدرسہ کی تعطیل سے پہلے اور بعد میں اگر چھٹی لی جائے گی تو تعطیل کا زمانہ بھی رخصت میں محسوب ہوگا مثلاً جمعرات اور سنیچر کو اگر رخصت لی گئی تو جمعہ بھی رخصت میں شمار ہوگا اسی طرح اگر ایک سے زیادہ تعطیلات ہوں تو بھی یہی قاعدہ نافذ ہوگا۔ اور سب تعطیلات رخصت میں شمار ہوں گی۔

۴۱۔ **تعطیلات**

(الف) شاخ صدر بازار میں جمعہ کے روز چھٹی رہا کرے گی۔

(ب) ایک ماہ کی موسمی تعطیلات ہوا کریں گی۔

(ج) متفرق تعطیلات حسب ذیل ہوں گی:-

(عیسائی) نیو ایرز ڈے ایک یوم (یکم جنوری) ایسٹر سنڈے ایک یوم۔ کرسمس ڈے ایک یوم (۲۵ دسمبر)

(مسلم) محرم ۳ یوم (۸ - ۹ - ۱۰) بارہ وفات ایک یوم - سترھویں شریف ایک یوم (۱۷ ربیع الثانی - مقامی) معراج مبارک ایک یوم (۲۷ رجب المرجب) شب برات ایک یوم (۱۴ شعبان) - شب قدر وعید الفطر ۵ یا ۶ یوم (۲۷ رمضان تا ۲ شوال) یوم الحج ایک یوم وعید الضحیٰ ایک یوم و ایام تشریق ۲ یوم - ستھویں شریف ... ۱۸ شوال - مقامی

(ہندو) بسنت پنچمی ایک یوم - ہولی ایک یوم - بیساکھی ایک یوم - دسہرہ ایک یوم - دیوالی ایک یوم - سورج گرہن اگر اوقات مدرسہ میں ہوگا تو ایک گھنٹہ پہلے مدرسہ بند ہو جائے گا

(قومی) قومی دن (۲ ...) ایک یوم تاسیس (۲۵ اکتوبر) ایک یوم

بچوں کے صفحے

چھدّو

(از رقیہ ریحانہ)

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ اُس کا نام تھا چھدّو۔ اس لڑکے کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو کوئی کام کرتے دیکھتا تو جھٹ کہتا "میں بھی یہی کروں گا میں بھی" بس دن بھر یہی "میں بھی، میں بھی" کہتا رہتا تھا۔ کبھی کھڑکی میں سے دیکھتا کہ کوئی گھوڑے پر سوار سڑک پر جا رہا ہے تو کہتا "میں بھی سوار ہوں گا" باغ میں کھیلنے جاتا اور جھاڑی میں سے کوئی چڑیا پھر سے اڑتی تو یہ کہتا "میں بھی اڑوں گا" اس کے گھر سے کچھ دور ایک تالاب تھا۔ اس کے کنارے کھیلنے جایا کرتا اور ننھی ننھی مچھلیوں کو پانی میں تیرتے دیکھتا تو کہتا "میں بھی تیروں گا"

ایک دن ایسا ہوا کہ اس کے ماں باپ کہیں باہر گئے بہن کسی کام سے کھیت پر گئی تھی۔ یہ گھر میں بالکل اکیلا تھا۔ ایک کونے میں اس کے باپ کا چابک رکھا تھا۔ اُسے اس نے اٹھا لیا اور دروازہ پر جا کر سڑا سڑ ایک پتھر پر چابک چلانا شروع کیا اور کہنا شروع کیا کہ "چل، چل، نہیں تو مارتے مارتے مار ڈالوں گا" معلوم نہیں کیا بات ہوئی کہ تھوڑی دیر میں ایک گھوڑا سفید جیسے براق، اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ شاید یہ بات ہوئی کہ پتھر نے اللہ میاں سے دعا کی کہ یہ لڑکا مجھے بیکار مارتا ہے۔ میں کیسے چلوں چل سکتا تو اسے کہیں لیجاتا۔ اللہ میاں نے اس کی سن لی اور چھدّو کے لئے یہ گھوڑا بھیج دیا۔ گھوڑے پر ایک سنہرا خوبصورت زین کسا ہوا تھا۔ گھوڑا کچھ دیر تو گردن جھکائے کھڑا رہا پھر اپنے دونوں اگلے پاؤں موڑ کر گھٹنوں کے بل جھک گیا اور چھدّو سے کہا کہ "آؤ، بیٹھ جاؤ" پھر کیا پوچھنا تھا۔ چھدّو تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ جھٹ کود کر سنہرے زین پر بیٹھ گیا اور لگا چلانے کہ "اوہو، ہوہو۔ میں تو گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں تو گھوڑے پر سوار ہو گیا"

باہر کھیت کی مینڈ پر چھدّو کی بہن منی بیٹھی تھی۔ اُس نے بھائی کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو چلا اٹھی "ارے چھدّو، چھدّو، کدھر چلا۔ گھوڑے پر" چھدّو بولا "ہم تو دنیا دیکھنے جاتے ہیں۔ آ تو بھی آتی ہے تو آ۔ دیکھ یہ جگہ ہے۔ پیچھے بیٹھ جانا۔ آتی ہے؟" منی نے کہا "نہیں بھیا۔ میں تو اماں ابا کے پاس ہی رہوں گی"۔ "اچھا تو تیری خوشی۔ میں تو جاتا ہوں" چھدّو نے جواب دیا اور زور سے گھوڑے کے ایک چابک رسید کیا اور گھوڑا ایسا اڑا جیسے ہوا جاتی ہو۔

پہلے تو ایک بڑا سا میدان پڑا۔ اُس پر گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا نکل گیا۔ پھر ایک بہت اونچے پہاڑ پر چڑھا اور دوسری طرف سے اُتر کر ایک گھنے جنگل میں پہونچا۔ جنگل ختم ہوا تو ہرے ہرے کھیت آئے۔ ہر طرف کھیتی لہلہا رہی تھی اور لال اور نیلے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کھیتوں سے نکلے تو پھر ایک جنگل آیا۔ لیکن عجیب طرح کا جنگل تھا۔ اس کے پیڑ سب بہت چھوٹے چھوٹے تھے اور ایسے گھنے کہ اس میں سے گزرنا مشکل تھا۔ مگر اس گھوڑے کے سامنے سب کچھ آسان تھا۔ اسے بھی طے کر لیا۔ پھر ایک ریت کی دیوار آئی۔ گھوڑا اس پر بھی چڑھا مگر پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ اسلئے تیزی ذرا کم ہو گئی۔ ریت کی دیوار خوب چوڑی تھی۔ اوپر پہنچے تو دیکھا کہ نیچے سمندر لہریں مار رہا ہے۔ جہاں تک نظر جاتی تھی پانی ہی پانی تھا۔ سب نیلا ہی نیلا۔

گھوڑے نے کہا "اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔ میں آگے نہیں جا سکتا۔ بس اب اترو، میاں چھدّو!" چھدّو نے کہا "واہ نہیں تو اور آگے چلونگا۔ اور آگے، اور آگے" گھوڑے نے "اترتے ہو کہ اترو نہیں تو.....

....." اتنا کہا تھا کہ چھدّو نے زور سے چابک مارا اور کہا "اچھا نہیں تو ......" گھوڑا اس زور سے اچھلا اور ایسی دولتی ماری کہ میاں چھدّو دھڑام سے آگے آن پڑے۔ اور ریت کی دیوار سے ایسا لڑھکا کہ سیدھا سمندر میں پہونچا۔

سمندر میں گر کر یہ ڈبکیاں کھانے لگا۔ ایک لال سنہری مچھلی جلدی جلدی تیر کے آئی اور اُس کی ٹانگوں کے بیچ میں آ کر ٹھہر گئی۔ چھدّو کو ذرا سہارا ملا اور اُس نے اپنا بدن اوپر کو اٹھایا اور کہا "آہا۔ میں تو پھر سواری

کرونگا"۔ مچھلی بولی "نہیں میاں سواری نہیں کروگے تیروگے" "اہاہاہا تیروں گا۔ یہ تو اور بھی اچھا ہے"۔

اب اس مچھلی کے سہارے حمیدو میاں نے سارے سمندر میں تیرنا شروع کیا۔ چاروں طرف سے ننھی ننھی چمکتی ہوئی مچھلیاں آآکر جمع ہونے لگیں۔ حمیدو کو تیرتا دیکھ کر انہوں نے خوب ہنسنا اور ناچنا شروع کیا۔ ادہر سے دریائی چڑیوں نے ایک دوسرے سے چلا چلاکر کہنا شروع کیا "اری دیکھو تو۔ ذرا دیکھو تو۔ حمیدو کس مزہ سے تیر رہا ہے"۔

تیرتے تیرتے جب دور نکل گئے تو ایک جہاز ملا۔ جہاز پر حمیدو کا باپ تھا۔ چاروں طرف حمیدو کو دیکھتا اور ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ بھائی تمہیں تو نہیں دکھائی دیا" حمیدو نے جو باپ کی آواز سنی تو چپکے سے مچھلی سے کہا "ارے غوطہ لگا۔ جلدی سے۔ غوطہ۔ نہیں وہ دیکھ لینگے"۔

مچھلی نے ایسا گہرا غوطہ لیا کہ سمندر کی تہ کو پہونچی۔ وہاں طرح طرح کی سیپیاں تھیں۔ رنگ برنگ کے گھونگے تھے اور ایسے ایسے درخت کہ حمیدو نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔ حمیدو نے جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا تو آنکھوں میں پانی بھر گیا اور یہ لگا چیخنے کہ "بس بس اب اوپر چلو اوپر۔ میرا دم گھٹتا ہے"۔ مچھلی اوپر نکلی اور حمیدو نے پانی سے سر نکالا ہی تھا کہ ایک بڑا سا پرندا اوپر سے آیا کچھ کالا کچھ سفید اور اس نے حمیدو کو چونچ میں اٹھا لیا اور اپنے پر خوب پھیلا کر اسے ہوا میں اچھالا اور اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ حمیدو چلایا "اوہو ہوہو۔ اب تو میرے پر ہوگئے۔ میں تو اڑوں گا۔ میں تو اڑونگا۔"

یہ پرندا اونچا اڑا ہی چلا گیا۔ رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ ادھر سورج برابر نیچا ہوتا جاتا تھا اور آخر کو بالکل غائب ہی ہوگیا۔ حمیدو کے قریب سی عورت گزری جو بڑے بڑے نہایت "ڈھیلے بالکل کالے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ یہ رات تھی اور اوپر سے زمین کو جارہی تھی لیکن پرندا اور حمیدو تھے کہ اوپر ہی چلے جاتے تھے اور اڑتے اڑتے چاند اور تاروں کی بستی میں پہونچ گئے۔ ننھے ننھے چمکتے ہوئے تاروں نے کہا "میاں حمیدو۔ سلام علیکم۔ کہاں سے آتے ہو۔ اب تو بہت دیر ہوگئی ہے۔ تمہارے تو سونے کا وقت ہے"۔ مگر حمیدو نے کہا "میں نہیں سونے کا۔ میں تو اڑوں گا۔ اوپر چلا جاؤنگا اوپر۔ میں تو آسمان کے اندر جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ یہ سورج دوسری طرف سے کیسے نکلتا ہے"۔ ستارے خوب کھلکھلا کر ہنسے۔ ایسے کہ آنکھیں بند ہوگئیں اور نیچے سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوا کہ یہ جھل مل جھل مل کر رہے ہیں۔ اور پرندے نے کہا کہ "تم آسمان میں جانا چاہتے ہو۔ وہاں تو میں بھی نہیں جاسکتا۔ تمہیں ایسے ہی جانا ہو تو بادلوں کے ساتھ جاؤ۔ میں اب آگے نہیں جاتا"۔ "اچھا تو میں بادل کے ساتھ جاؤں گا۔ چلو مجھے بادل کے پاس پہونچا دو۔ بس چلو جلدی۔ چلو۔ چلو"۔

پرندے نے اپنا رخ موڑا اور سیدھے ہاتھ کی طرف سے کچھ بادل آرہے تھے ان کی طرف چلا۔ اسے دیکھکر ایک کالا کالا بادل بھی اس کی طرف لپکا اور قریب آکر حمیدو کو گود میں لے لیا۔ اس کی گود بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی تھی اور ایسی نرم جیسے حلوا۔ بادل حمیدو کو گود میں لیکر جو چلا تو حمیدو کو ایسا لگا جیسے اس کے گالوں پر دو بوندیں گریں۔ دو بڑی بڑی گرم گرم بوندیں۔

حمیدو کچھ اداس سا ہوگیا اور کہنے لگا کہ "یہ تو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے میری ماں کے آنسو ہوں"۔ بادل نے بتایا کہ "ہاں بیٹا۔ یہ تیری ماں کے آنسو ہیں۔ وہ تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی تھی اور ایک جگہ بیٹھی رو رہی تھی کہ میں پاس سے گزرا تو میں یہ دو آنسو ساتھ لیتا آیا۔ بس اب اداس مت ہو۔ انہیں پونچھ ڈالو۔ ہم بس اب آسمان پہونچتے ہی ہیں۔ منہ ہاتھ خوب صاف ہونے چاہئیں۔ وہاں فرشتوں کا پہرہ ہے غلیظ آدمی کو اندر نہیں آنے دیتے"۔ یہ باتیں دیکھکر حمیدو نے رونا شروع کیا اور اتنا رویا اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ وہ بادل سے سسک سسک کر کہنے لگا "نہیں میں اب آسمان میں نہیں جاؤنگا۔ میں سورج کو بھی نہیں دیکھوں گا۔ مجھے اب کچھ درکار نہیں۔ مجھے تو گھر لے چلو۔ میں اپنی اماں کے پاس جاؤں گا۔ بس"۔

حمیدو نے یہ کہا ہی تھا کہ بادل بڑی تیزی سے نیچے کو چلا۔ سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ یہ جا وہ جا اور ایک جگہ خوب نیچے پہونچکر بادل نے حمیدو کو گود سے نیچے ڈال دیا۔ یہ دھم سے ایک چمیلی کے پیڑ کے پاس گرا۔ اس نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ماں دونوں ہاتھوں سے چمیلی کی شاخیں ہٹا رہی ہے خوشی سے باچھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور چلا رہی ہے "ارے لوگو دیکھو میرا حمیدو یہ ہے۔ میرا حمیدو یہ ہے"۔ اسی وقت سورج بھی اوپر سے نکلا اور چمیلی کی ٹہنیوں میں سے جھانک کر اس نے حمیدو کا منہ دیکھا اور کچھ اس طرح مسکرایا کہ اسکا سارا چہرہ اس مسکراہٹ سے دمکنے لگا۔

چودھواں انعامی معمہ

(۱)



رشید اور مجید دونوں ہم مکتب اور ہمسایہ لڑکے تھے دونوں ایک مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ ایک دن جب کہ مدرسہ کی چھٹی تھی دونوں بچے کھیل کود کیلئے گاؤں کی طرف چلے چلتے وقت دونوں بچے اپنا ناشتہ۔ آری۔ بسولا۔ گیند۔ بلا اور ایسی ہی چیزیں ہمراہ لے گئے۔ ان کا کتا "جھبرا" بھی ساتھ تھا۔ گاؤں کے باہر ایک نالہ تھا اس پر ایک لکڑی کا تختہ پل کے طور پر رکھا ہوا تھا۔ ابھی یہ دونوں تھوڑی دیر ہی کھیلے تھے کہ رشید کے دل میں ایک خیال آیا اور اس نے مسکرا کر مجید سے کہا کہ آؤ مجید! اس آری سے تختہ کو کاٹ دیں اور تھوڑا سا باقی رہنے دیں جب گوالے آئیں گے یا ان کے جانور اور وہ اس پر سے گزرتے وقت نالے میں گر پڑینگے تو عجب لطف آئیگا۔

۲



مجید نے اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ رشید نے آری سے تختہ کو کاٹ ڈالا۔ جب یہ دونوں تختہ کاٹنے میں مشغول تھے تو ان کا جھبرا ان کے ناشتہ کا ملاحظہ کر رہا تھا جب تختہ کاٹ چکے تو اپنے ڈیرے پر واپس ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ جھبرا رشید کی ٹکیہ منہ میں دبائے ہے۔ دونوں اسے مارنے دوڑے۔ جھبرا تختہ پر سے ہوکر نالہ کے اُس پار بھاگا۔ یہ دونوں بھی اس کے پیچھے پیچھے غصہ میں بھرے ہوئے بھاگے لیکن

۳



جوں ہی یہ بیچوں بیچ تختہ پر آئے تختہ ان کے بوجھ سے ٹوٹ گیا اور دونوں دھڑام سے نالہ میں آپڑے تمام کپڑے پانی میں ڈوب گئے اور ......

.....

معمہ

یہ بھی تصویری کہانی کا ایک معمہ ہے یہ کہانی چار حصوں میں تقسیم ہے۔ تین حصوں کو تصویر اور عبارت دونوں میں ظاہر کر دیا ہے۔ چوتھا حصہ مطلوب ہے۔ چوتھے حصہ کو تصویر اور عبارت دونوں میں لکھ کر کہانی کو پورا کیا جائے۔ نیز اس کہانی سے متعلق فارسی یا اُردو کی زبان میں ایک موزوں شعر یا سرخی دعنوان بھی قایم کیا جائے۔

نوٹ:۔ تصویر کی موزونیت پر دو روپیہ کا اور عبارت کی موزونیت پر ایک روپیہ کا انعام دیا جائے گا۔ حل اس پتہ پر:

م۔ ب۔ ممتاز مارہروی۔ کمبوہ محلہ عقب مسجد خورد
مارہرہ ضلع ایٹہ

تمام حل تاریخ اشاعت "پیام تعلیم" کے ۲۰ روز بعد تک وصول ہو جانا چاہئے وصول ہونے چاہئیں
ہر حل کے ساتھ دو پیسہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
اگر تصویر اور عبارت دونوں میں حل ارسال کیا جائے تو ایک آنے کا ٹکٹ ملفوف ہونا چاہیئے۔ فقط

پندرھواں انعامی معمّہ

نیچے کچھ فقرے لکھے جاتے ہیں - ہر ایک میں ایک پھل کا نام چھپا ہوا ہے ان پھلوں کو چنیے :-

طریق :- مثلاً یہ دیکھیے ایک فقرہ ہے "ایک آدمی ٹھاکر صاحب کو ملا لایا پھر کیا تھا ؟ لاٹھی چلنے لگی"

اس میں "آدمی" کا "می" اور "ٹھاکر" کا "ٹھا" ملکر "میٹھا" بن گیا - اسی طرح مندرجہ ذیل فقروں کے پھلوں کو چنیے :-

۱- ہم تو کھانا کھا مزے سے پڑکر سو رہے تھے -

۲- اس میں گدھے خچر سب ہری ہری گھاس چرتے پھر رہے تھے -

۳- ظالم دیکھ جور و ستم کا نتیجہ اور مظلوموں کی آہوں کو دیکھ -

۴- تم نے بزم ادب میں آخر وہ شاٹ کس کو دیا -

۵- ہماری بات تم نے آخر نہ مانی -

۶- ہم نے آج خوب کھیر کھائی -

۷- آج یہاں سردی بہت ہو رہی ہے -

۸- کوٹھی کا پچھلا صحن پردہ دار رکھنا ہے تو کسی قسم کی آڑ وغیرہ کا انتظام کر لیجیے -

۹- اکثر ملکوں کی سرحد پر خون خرابے رہتے ہیں یہاں گولی چل گئی تو کیا انوکھی بات ہوئی -

۱۰- میرا اس خاندان میں کسی سے ملنا ملانا نہیں ورنہ آپکی سفارش کرنے میں مجھے ذرا تامل نہ ہوتا -

۱۱- افریقہ میں کئی ایسے بندر بھی پائے جاتے ہیں -

۱۲- یہاں گوردوارہ پر تو پولیس پہلے ہی سے اکالیوں کے انتظار میں کھڑی تھی - پہنچتے ہی تصادم ہو گیا -

۱۳- بھائی ہم سے بار بار بازار نہیں جایا جاتا اب جو چیز رہ گئی ہو خود جا کے لائیے -

۱۴- جہاز کا مستول تو تم جانتے ہو یا نہیں -

۱۵- ننھی جو چلی گھر سے چیزیں لینے بلی بھی میاؤں میاؤں کرتی ساتھ چلی -

۱۶- شادی دھوم دھڑکے سے بیشک کرتے مگر نہ باجا منگاتے اور نہ ہی نوبت بجوائیے -

ہدایات

(۱) اس معمہ کے جوابات ۱۰ر اکتوبر ۴۰ء تک پہنچ جانے چاہئیں -

(۲) جوابات بنام

شیخ عبدالرحمٰن جامعہ ملیہ اسلامیہ

قرول باغ دہلی کے پتہ پر آنے چاہئیں -

(۳) جواب میں صرف فقرے کا نمبر اور اس کے ساتھ پھل کا نام لکھا ہو -

(۴) ہر حل کے ساتھ ایک ٹکٹ ہونا چاہیئے -

(۵) اول انعام چار روپئے قیمت کا ہوگا -

(۶) ایک سے زائد حل آنے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا -

بارھویں انعامی معمّہ کا نتیجہ

یہ معمہ نہایت آسان تھا جس کا صحیح حل تھوڑی سی فکر سے بآسانی ہو سکتا تھا، لیکن پھر بھی بعض لوگوں نے اس کے حل میں غلطی کی -

بہر حال صحیح حل یہ ہے :- "اجمل خاں" جس کے انعام پانے والوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

اول انعام :- عبدالسمیع خاں (رائچور) مبلغ ۵ر

دویم انعام :- حبیب احمد (لدھیانہ) مبلغ ۳ر

سویم انعام :- احمد اللہ (بجنور سٹی) مبلغ ۲ر

دس خوشنما اور خوشکن ہدیے مندرجہ ذیل لوگوں کو بروئے قرعہ اندازی دئے گئے ہیں -

(۱) سید فخرالدین (دہلی)

(۲) یوسف کاکا - (رنگون)

(۳) سید کمال حسین (سامانہ ریاست پٹیالہ)

(۴) مطلوب انصاری (علی گڑھ)

(۵) شبلی (کوہاٹ)

(۶) ابوالکلام محمد فخر عالم (آرہ)

(۷) ذکیہ بیگم (سولن)

(۸) ستار احمد (گیا)
(۹) غ - س معرفت محمد خلیل فاروقی (لکھنؤ)
(۱۰) اظہر عباس (دہلی)

نوٹ: - تمام انعامات اور ہدیے منی آرڈر اور ڈاک کے ذریعہ بھیجدئے گئے ہیں۔ (اسد عباس)

گیارھویں انعامی معمّہ کا نتیجہ

اس معمّہ کا صحیح حل مرزا غالب مرحوم کا شعر

ہو بو بلبل ہیر دِ تکرار اسد
غنچۂ منقار رنگِ ہو زیرِ بال

ہے - باوجود معمّہ سہل ہونے کے صرف چار حل

(۱) محمد صغیر صاحب طالب علم توسط ڈاکٹر محمد حسن صاحب محلہ بیارپور اعظم گڈھ -
(۲) مسٹر سید ظہیر الدین صاحب ایم - اے ایل ایل بی وکیل فتح گڈھ -
(۳) سید انوار الحسن صاحب معرفت سید حسن صاحب کورٹ انسپکٹر - سرائے حکیم - علی گڈھ - اور
(۴) ز - خ صاحبہ ایجپور

کے وصول ہوئے ہیں - اوّل الذکر تین حل صحیح ہیں اور چوتھا غلط - قرعہ کی رو سے پہلے انعام کے مستحق نمبر ۱ اور دوسرے کے نمبر ۲ قرار پائے ہیں - فقط

تیرھویں انعامی معمہ کا نتیجہ

اس معمہ کے صرف دو حل وصول ہوئے - اگرچہ خیال یہ تھا کہ ہونہار طلبا اس تصویری کہانی کے معمہ سے ضرور دلچسپی لیں گے - کیونکہ ایکطرف تو بچوں کو ویسے ہی تصویروں سے خاص شوق و شغف ہوتا ہے پھر اس معمہ میں ایک تو ڈرائنگ کی ترغیب تھی دوسرے مضمون نگاری کی - امریکہ اور انگلستان کے ان انگریزی رسالوں میں جنکا تعلق طلبا اور پرائمری ایجوکیشن (تعلیم ابتدائی) سے ہوتا ہے اکثر و بیشتر ایسے ہی معمے دیکھنے میں آتے ہیں - میں نے چاہا تھا اور میری اب بھی خواہش ہے کہ معموں سے جہاں بچوں کے ذہن و فکر پر اسکا اثر پڑے وہاں انکو مضمون نگاری، نتیجہ رسی اور ڈرائنگ کا شوق بھی پیدا ہو -

ان دونوں حل میں عزیزہ صنیفہ خاتون سلمہا بنت سید منظور الحق صاحب - موضع بھاتو بارا چی ضلع گیا کا حل صحیح اور درست ہے لہذا عزیزہ ہی کو انعام کا مستحق ٹھیرایا جائے جو عبارت عزیزہ نے لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے کہ :-

"حسین اور جمیلہ دونوں خوشی خوشی گھر واپس آئے - پارسل کو رکھدیا اور قبلہ رو ہوکر سربسجود ہو گئے اور اسطرح اللہ پاک کا دوگانہ ادا کیا پھر پارسل کھولا اس میں بہت ساری خوش ذائقہ مٹھائیاں اور کچھ روپیے پائے مٹھائیاں تو بچوں نے ہنسی خوشی سے کھائیں اور روپیہ سے اپنی عقل کے مطابق ایک چھوٹی سی دکان کھولدی جو آگے چلکر بہت بڑی اور مشہور ہو گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بچوں کے دن پھر گئے"

دوسرا حل خلیل الرحمن و محمد عبداللہ طالب علمان جماعت ہفتم و ششم ورناکیولر اسکول چک نمبر ۹۴ ڈاک خانہ خشنگری نے بھیجا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ "اس پارسل میں ایک موٹر نکلی جس سے وہ دونوں بچے کھیلنے لگے" - فقط

خاکسار (م - ب)

بچوں کا کتب خانہ

دنیا کے بسنے والے

حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندوں، بدو عربوں، افریقہ کے بونوں اور جاپان، سوئٹزرلینڈ اور ان ملکوں کے لوگوں کے حالات جہاں ہر روز برف گرتی ہے۔ سید بشیر حسین زیدی صاحب بی۔ اے (کنٹب) بیرسٹرایٹ لا ہیڈ ماسٹر یونیورسٹی اسکول علیگڑھ نے بچوں کیلئے آسان زبان میں لکھی ہے۔ کتاب میں تقریباً ۵۰ تصویریں ہیں جنمیں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھکر ہنسی ضبط کرنا محال ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے۔ ٹائیٹل خوبصورت اور رنگین ہے۔ قیمت صرف ۶ر

تاریخ ہند کی کہانیاں

بنت نصیرالدین ہمدویہ نے سینکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی تاریخی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں لکھی ہیں کہ کوئی بچہ کتاب شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑ نہیں سکتا۔ ماں باپ یہ کتاب اپنے بچوں کو اسلئے دیتے ہیں کہ اسے پڑھکر بچوں کو تاریخی معلومات ہوتی ہیں اور بچے اسلئے پڑھتے ہیں کہ قدیم ہندوستان اور اسکے باشندوں کے متعلق اس سے زیادہ دلچسپ کہانیاں انھیں مل نہیں سکتیں۔ قیمت صرف ۴ر

ترکوں کی کہانیاں

اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت و جرأت کی چند صحیح اور سچی کہانیاں ہیں جنکے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے اور ان ترک بچوں کی طرح وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتاب بھی بس اب ختم ہو چکی ہے۔ صرف چند باقی رہگئی ہیں۔ اگر فوراً طلب نہ کیجئگا تو پھر دوسری بار چھپنے تک انتظار کرنا ہوگا۔ آج ہی خط لکھ دیجئے۔ قیمت صرف ۴ر

گدھے کی آپ بیتی

یہ کونٹس صاحب کی پر مذاق کتاب ہے۔ اسمیں ایک بہت بڑے ہوشیار گدھے نے اپنی زندگی کے بڑے مزیدار حالات بیان کئے ہیں اور ان نوکروں کو برا بھلا کہا ہے۔ گدھا دھوبی کے یہاں رہتا تھا وہاں سے بھاگ نکلا کہیں کانجی ہوس میں گیا کہیں خانہ بدوشوں کے ہاتھ پڑا۔ ایک نمائش کی گدھا دوڑ میں بھاگا۔ پھر سرکس کمپنی میں نوکر ہو گیا اور طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنسنے کے بعد آخر ایک نئے مالک کے ہاں آرام سے رہنے لگا۔ ہر شخص اس کتاب کو پڑھکر بے اختیار ہنس دیتا ہے۔ قیمت ۱۰ر

بہار کے پھول

جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری کی پیاری پیاری ۲۰ عمدہ نظموں کا مجموعہ جس میں عید، شب برات اور دیوالی دسہرہ کے تہوار پر گنگا اشنان پر اور بہار بسنت اور برسات کے موسم پر بہت کی سہانی اور میٹھی میٹھی صدا پردھوبی کی چھوٹی چھوٹی بڑی مزیدار نظمیں ہیں۔ اسی طرح بھائی کی یاد نیتری ڈھنگ، مجھکو بہتری پر نظمیں۔ قیمت ۸ر

چن چن

چین کے ایک ننھے چن چن کی کہانی جس نے اپنے ایک دوست کی چوری کی اس گناہ کیوجہ سے اسکے گال سوج کر کپا ہوگئے۔ سب کے بتیرے علاج کئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر پورن ماشی کی راتیں وہ جنگل میں گیا اور بونوں نے اس سے چوری کی توبہ کروا کر اسکے گال ٹھیک کر دیئے۔ قیمت ۵ر

سیرت پاک

ہمارے نبیؐ

خدا کے پیارے ہمارے نبی محمد مصطفیٰؐ کی پاک زندگی کی کہانیاں نہایت آسان زبان میں۔ اس کتاب میں آپکے بچپن سے آخر عمر تک کے تمام حالات درج ہیں۔ بچے بڑی بیکراری سے پڑھتے ہیں۔ چھوٹی سی خوبصورت کتاب ہے۔ اسکے لکھنے والے ہندوستان کے مشہور پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم اے ہیں۔ صرف چند کتابیں باقی رہگئی ہیں فوراً منگا لیجئے ورنہ دوسری بار چھپنے کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت صرف ۴ر

سرکار کا دربار

از احمد الیاس حسب مجیبی۔ رسول مقبول صلعم کی سیرت پر بچوں کیلئے آسان اور سہل انداز بیان میں پیدایش سے وفات تک کے مفصل حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ تمام واقعات بھی آجائیں اور بچوں کے دماغ پر کچھ بار بھی نہ پڑے۔ خانہ کعبہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کی عکسی تصویریں۔ سرورق نہایت دلکش اور خوبصورت جسپر روضۂ پاک نبی کریمؐ کے فوٹو نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کتابت اور طباعت نہایت پاکیزہ۔ حجم تقریباً ۱۰۰ صفحات قیمت ۶ر

ہمارے رسولؐ

خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تفسیر کے پروفیسر ہیں قرآن شریف کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ یہ تفسیر بڑی عمر کے لوگوں کیلئے ہیں لیکن ہماری درخواست پر خواجہ صاحب نے چھوٹے بچوں کیلئے بھی لکھی ہے جسمیں رسول کریم صلعم کے حالات زندگی ہیں۔ زبان اتنی سہل و طرز بیان ایسا موثر ہے کہ بچوں کے دلمیں اچھے کام کرنے اور خدا کے حکم ماننے کا خود بخود شوق پیدا ہوتا ہے۔ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:- مکتبۂ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دھلی

مطبوعہ: بہ تیخ الجامعہ باہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر زیر اہتمام مسٹر محمد مجیب بی اے (آکسن) مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں طبع ہو کر دفتر "پیام تعلیم" قرولباغ دہلی سے شائع ہوا

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیامِ تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ

ششماہی عہ

فی پرچہ ؎

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ للعہ

نصف صفحہ ۵

چوتھائی صفحہ ۳

ایڈیٹر:- سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۵	۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء	نمبر ۱۱

شذرات

پانسو روپئے کا انعام

کسی شعبہ یا فن کی ترقی کا ایک بہترین ذریعہ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اس کے متعلق انعامی اعلان شائع کرکے اس مضمون یا موضوع پر اعلیٰ مضامین اور مقالات طلب کئے جائیں۔ چنانچہ حیدرآباد کی انجمن ترقی تعلیم و ثروت نے پانسو روپئے کا ایک گرانبہا انعام اس شخص کو دینے کا اعلان کیا ہے جو ریاست حیدرآباد کی معاشی حالت پر بہترین مضمون لکھ کر پیش کرے۔ اعلان مذکورہ میں جو سکریٹری انجمن کی طرف سے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے مضمون کے ان پہلوؤں پر خاص طور سے توجہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے:—

۱- ملک کی ثروت بحیثیت مجموعی بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے اور بہر صورت بحیثیت مجموعی بڑھ رہی ہو یا گھٹ رہی ہو انفرادی طور سے مختلف طبقات پر کیا اثر ہوا؟

۲- گرانی کے وجوہ کیا ہیں اور اس سے مختلف طبقات کی معاش پر کیا اثرات ہوئے؟

۳- متمدن ممالک میں بخار و برق کی طاقتوں کے استعمال کے رواج کی وجہ سے قدیم دستی صنائع میں زوال آگیا ہے اور جدید اصول ثروت و معیشت قرار پائے ہیں، حیدرآباد میں کن اصولوں پر فلاح معیشت کی بنا رکھنی چاہئے؟ اس میں تفصیل سے بتانا ہوگا کہ کس طور سے بنا رکھی جانی، مقامی حالات ملک رکھی جاسکتی ہے۔

اس کے علاوہ مدت ایک سال رکھی گئی ہے اور مضمون کا حجم فلسکیپ سائز کے کم از کم سو صفحوں کا ہونا چاہئے۔ زبان کے لئے کوئی قید نہیں ہے، مضمون نگار کو اختیار ہے کہ اسے جس زبان میں سہولت معلوم ہو مضمون لکھے گو حیدرآباد جیسے مرکز اردو سے تو یہ توقع تھی کہ اردو کی قید لازمی ہوگی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انجمن مذکور کو ریاست کی لسانی خصوصیت قائم رکھنے سے زیادہ اس کی معاشی اور ثروتی ضروریات کا اندازہ کرنا ہے۔ بہرحال امید ہے کہ معاشیات سے دلچسپی رکھنے والے طلباء اس موضوع پر طبع آزمائی کریں گے اور شرکاء خواہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، ریاست کی اصل معاشی خرابیوں اور ان کی تدابیر کو بتانے میں کسی اور لحاظ کو دخل نہ دیں گے بلکہ ملکی مفاد کو پیش نظر رکھ کر اظہار خیال کریں گے

ملک کی حقیقی خدمت

شاعرانہ انداز بیان میں ہمارے دیہات اور گاؤں گویا مناظر قدرت اور رحمت الٰہی کے سب سے بڑے مرکز سمجھے جاتے ہیں لیکن ذرا نظر غور سے دیکھا جائے تو یہی گاؤں اور دیہات ہر طرح کی مصیبتوں اور لعنتوں کا گھر معلوم ہوں گے اور اس لحاظ سے وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ سارے ہندوستان کے تنزل و انحطاط کا سبب ہیں، اس لئے کہ ہندوستان کے ہر دس آدمیوں میں سے نو کھٹی گاؤں اور دیہات کا رہنے والا ہوتا ہے۔ ہم جب کبھی ملکی اور قومی ترقی و اصلاح کا نام لیتے ہیں تو اس سے اکثر ہماری مراد ان دس میں سے صرف اس ایک آدمی کی فلاح و بہبود ہوتی ہے جو شہر کا رہنے والا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہماری بڑی سے بڑی تحریک کا بھی عموماً ہندوستان کے عام حالات پر کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے کہ آبادی کا سواد اعظم اس سے بالکل بے تعلق اور بے بہرہ رہتا ہے۔ لہٰذا اگر ملک کی حقیقی خدمت اور ہندوستان کی واقعی فلاح و بہبود مقصود ہے تو ہمیں ان بے زبان اور بے دست و پا انسانوں کیطرف رجوع کرنا چاہیئے جو ہماری شہری آبادی سے کوسوں دور گاؤں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں۔

پریم مہاودیالیہ برندابن اس لحاظ سے قابل ستائش ہے کہ اس نے اپنے ہاں دیہاتوں کے کام کرنیوالوں کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک باضابطہ جماعت کھولی ہے جس کا نصاب تعلیم بالخصوص ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو دیہات اور دیہات والوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جس کی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ صرف ڈھائی سال ہے۔ عام دلچسپی پیدا کرنیکے خیال سے اسنے اپنی طرف سے دس ایسے طلبا کو وظائف دینے کا بھی اعلان کیا ہے جو اس کی چند شرائط کے مطابق تعلیم حاصل کرینگے۔

یہ پریم مہاودیالیہ غالباً دیس کے پریمی اور ملک کے مشہور محب وطن راجہ مہندر پرتاپ کا قائم کردہ ہے جو وطن سے محبت و پریم رکھنے کے جرم میں، عرصہ ہوا جلا وطن کر دیئے گئے تھے اور جو آج باوجود وطن سے دور ہونیکے اپنے وطن کی خدمت کیلئے جو کچھ ممکن ہوتا ہے برابر کرتے رہتے ہیں۔ ایک ایسے محب وطن کی قائم کی ہوئی تعلیم گاہ سے ایسے ہی ملک و قوم کے لئے مفید اور کارآمد کام کی توقع ہو سکتی تھی۔ پرنسپل مہاودیالیہ کی طرف سے جو دستور العمل اور نصاب تعلیم ہمیں موصول ہوا ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نئی جماعت کا مقصد "دیہاتی زندگی اور کاموں سے متعلق مختلف مضامین میں نظری اور عملی" دونوں طرح کی تعلیم دینا ہے۔ قواعد کے مطابق اس میں شریک ہونے کے لئے صرف وہ لوگ درخواست بھیج سکتے ہیں جو (۱) یہاں کی تعلیم ختم کرنے کے بعد کم سے کم ۱۰ سال تک دیہاتوں میں کام کرنے کا عہد کریں (۲) کم سے کم میٹریکولیشن تک پڑھ چکے ہوں۔ (۳) غیر شادی شدہ ہوں اور (۴) عمر میں ۲۶ سال سے زیادہ نہ ہوں"۔ وظائف پندرہ سے بیس روپئے تک دس ایسے طلبا کو دیئے جائیں گے جو (۱) تعلیم کی پوری مدت تک رہیں اور (۲) اس بات کا عہد کریں کہ ختم تعلیم کے بعد دس سال تک ان کی خدمات ذمہ دار ارکان کے ہاتھ میں ہوں گی"۔

اس جماعت کے کام کا اندازہ کسی قدر اس کے نصاب تعلیم سے ہو سکتا ہے۔ نظری مضامین میں مبادی معاشیات کے علاوہ ہندوستان کے مختلف معاشی مسائل مثلاً لگان، گھریلو صنعتیں اور انجمنہائے امداد باہمی وغیرہ بھی شامل ہیں۔

دوسری چیز ہندوستان کے نظام حکومت اور دوسرے صیغے مثلاً ڈسٹرکٹ بورڈ اور عدالتی پنچایتوں کے حدود و اختیارات،

تیسری چیز صفائی اور حفظان صحت،

چوتھی چیز تعلیم بالخصوص ابتدائی تعلیم،

پانچویں چیز صنعتی تعلیم جیسے سوت کاتنا، روئی دھننا، کپڑا بننا، زراعتی اوزاروں اور ان کا استعمال، مریض و مجروح کی امداد اور تھوڑا بہت حساب کتاب بھی شامل ہے۔

عملی تعلیم میں سوت کاتنے والوں اور کپڑا بننے والوں سے لین دین رکھنا، دیہاتوں میں جاکر ان کی معاشی حالت اور صحت و صفائی کا بغور مطالعہ کرنا، ابتدائی تعلیم کے لئے اسکول کھولنا، مریضوں اور مجروحوں کی طبی امداد کرنا اور دوسرے مشاغل کے متعلق عملی تجربہ حاصل کرنا ہے۔

اس تعلیم کو حاصل کرکے اور سچی محبت اور حقیقی خدمت کا جذبہ لے کر جو جماعت دیہاتوں میں کام کرنے کے لئے نکلے گی، وہ ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ فائدہ اپنے ابنائے وطن کو واقعی طور پر پہنچا سکے گی۔ اگرچہ ذمہ دار ارکان نے بالکل ابتداء ہی میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ اس جماعت میں شرکت کے لئے کسی مذہب و ملت اور فرقہ و قوم کی شرط نہیں ہے، لیکن قدرتی طور پر اس میں برادران وطن ہی شریک ہو سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں میں ایسی خاموش اور حقیقی خدمت کرنے والی کوئی جماعت نہیں اور اسکی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں خاموش خدمت کرنے کا جذبہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ کاش وہ شور اور ہنگامہ کو چھوڑ کر خاموش اور بے لوث خدمت کرنا بھی سیکھتے!

علوم وفنون اور دنیا کا مستقبل

دنیا گزشتہ تیس برس سے قبل لاسلکی، ہوائی جہاز اور موٹرکار وغیرہ ایجادات کے متعلق کچھ زیادہ باخبر نہ تھی، لیکن جب یہ چیزیں عالم خیال سے عرصۂ وجود میں آگئیں تو لوگوں نے خیال کیا کہ اب علوم ترقی کی آخری چوٹی پر جا پہونچے، اور علوم وفنون کے ذریعے جس قدر ترقی ممکن تھی انسان اسے حاصل کر چکا مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم علماء اور ماہرین فن کے جدید انکشافات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو محسوس ہوتا ہے کہ اب تک جو ایجادات عمل میں آچکی ہیں وہ بوسیدہ ہوتی جاتی ہیں اور ان کی روشنی ماند ہورہی ہے۔

ماہرین کیمیا کو معلوم ہوا ہے کہ دنیا حیرت انگیز سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے معمورہ عالم کی اکثر آبادیوں میں قابل زراعت زمین کا دامن تنگ ہوتا جارہا ہے، اور پیداوار اپنی کثرت کے باوجود انسانوں کی غذا کے لئے کافی نہیں اس لئے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ سامان غذا بھی کارخانوں سے پیدا کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں ہر غذا کی خاص طور پر تحلیل کی گئی اور اس کے خواص اور خلاصہ کی شناخت کی گئی اور اس کے بعد کارخانوں سے ایسی ایسی ٹکیاں تیار کی گئیں جو اپنے اندر بالکل اصلی غذا کی تاثیر رکھتی ہیں۔ مشہور فرانسیسی فاضل مارسل برٹلاٹ نے اپنی تیار کردہ ٹکیوں کا نہایت کامیاب تجربہ کیا ہے اور موصوف کو زبردست امید ہے کہ اپنی زندگی میں وہ ان تجربات کو حد کمال تک پہونچا سکیں گے جو اصل مطلوب ہے۔

ان ٹکیوں کا چار مردوں اور دو عورتوں نے تجربہ کیا اور تین ہفتہ تک روزانہ ایک مقررہ مقدار میں تین مرتبہ کھاتے رہے، تیسرے ہفتہ کے اختتام پر تین مردوں کا وزن کچھ خفیف سا کم ہوا دو اپنی حالت پر رہے اور ایک کا وزن دو کیلوگرام زیادہ ہو گیا۔

اب تک علمائے کیمیا ایسے عناصر کی تلاش وتحقیق میں مصروف تھے جو غذا کے لئے بہت زیادہ مناسب ہوں تاکہ اپنی ٹکیوں میں ان کی آمیزش کریں اور ہم باورچی کے مصارف اور روزانہ دو گھنٹے تین گھنٹے پکانے کے لئے وقت صرف کرنے سے محفوظ ہو جائیں، عام طور سے یقین کیا جاتا ہے کہ اس تلاش وتحقیق میں علماء اور ماہرین فن کو کامیابی ہوگی۔

اور اگر ایسا ہو گیا تو عورت کو کھانے پکانے کے علاوہ اپنے لئے کوئی دوسرا مشغلہ تلاش کرنا ہوگا اور اسی طرح ہم کو اپنے باورچی خانہ کا جغرافیہ اور نقشہ بھی بدل دینا پڑے گا اور پھر محسوس ہوگا کہ جس گھر میں ہم رہتے ہیں وہ کافی وسیع اور کشادہ ہے اور ہاں اس اختراع سے گھر کی خادمہ کو مسرت ہوگی وہ مزید براں اس لئے کہ اب نہ اس کو کھانے پینے کے برتن دھونے ہوں گے اور نہ ان کی صفائی کا اس قدر اہتمام کرنا ہوگا جتنا اس سے قبل تھا۔

سب سے زیادہ تعجب خیز جو ایجاد پیش کی جارہی ہے وہ یہ کہ انسان نیند کیوقت میں کمی کرسکے، حتی کہ صرف دس منٹ میں ساری رات کا کام انجام پا جائے اور انسان پھر اپنے اندر وہی بیداری کی چستی اور نشاط محسوس کرنے لگے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک ایسے کیمیائی مرکب کا تجربہ کیا جارہا ہے جس کے استعمال کے بعد انسان صرف دس منٹ کی نیند پر کفایت کرنے لگے۔

ماہرین فن کا خیال ہے کہ یہی دس منٹ کا وقفہ انسان کے لئے آرام کرنے کا حقیقی وقت ہے، اس کے بعد ہم جس قدر وقت سونے میں صرف کرتے ہیں وہ مسلسل خواب پریشاں کے سوا کچھ نہیں، اور اگر اس سلسلہ میں علماء فن کی امیدیں پوری ہوگئیں تو ہمارے لئے یہ بھی ممکن ہو جائے گا کہ ہم جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں سو جائیں نیز اس اختراع کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین کا جس قدر حصہ ہم اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور اس پر مکان تعمیر کرتے وقت ڈائننگ روم (کھانے کا کمرہ) سے لیکر ویٹنگ روم (ملاقات کا کمرہ) تک بناتے ہیں اس میں غیر معمولی کمی ہو جائے گی اور ہم کو بہت سے کمروں کی ضرورت نہ ہوگی اور سب سے زیادہ انقلاب یہ ہوگا کہ کام میں دوچند اضافہ ہو جائیگا اور رات کو بالکل دن بنا سکیں گے۔

انسان بظاہر ان باتوں کو خرافات کی فہرست میں داخل کردیگا لیکن ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ امریکن موجد اڈیسن نے ثابت کردیا کہ ہم سونے میں ضرورت سے زیادہ وقت صرف کرتے ہیں اپنے اس دعوے کی صحت کے لئے اس امریکن موجد نے ہر رات صرف دو گھنٹے کی نیند لیکر دنیا کو بتا دیا کہ اس کا خیال غلط نہیں ہے اب تک یہ موجد عمدہ تندرستی کے ساتھ زندہ ہے حالانکہ اس کی عمر ۸۰ برس سے زیادہ کی ہو چکی ہے۔

بعض علماء اس فکر میں بھی ہیں کہ آب وہوا کو اپنے قبضہ اور اختیار میں کیا جائے چنانچہ ناروے اس سلسلہ میں تمام قوموں سے آگے ہے وہاں کے باشندے اپنے کھیتوں کو سخت سردیوں کی مضرت رساں فضا اور

کہر وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لئے سارے کھیت پر ایک قسم کی بھاپ پھیلا دیتے ہیں۔ بھاپ کی گرم چادر اوڑھ کر کھیت سردی کے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ علماء فن اس وقت پر بھی سوچ رہے ہیں کہ گھروں اور سڑکوں کو زمین کی سردیوں میں ناسکتی کی موجوں سے اس طرح گرم رکھیں کہ لوگ سرما کی تکلیف سے بالکل بچے رہیں۔

بجلی کی پیدائش اور حصول کے لئے ہم ہم کو اب ہوا کی بجلی کی طرف متوجہ کر رہا ہے اور ہم عنقریب دیکھیں گے کہ انگلستان کے کھیتوں میں ہوائی چکیاں نصب ہیں جو اپنی برقی قوت سے سارے شہر کو امداد پہونچا رہی ہیں۔

علاوہ ازیں غالباً ہم تھوڑے ہی عرصہ میں کوئلہ۔ پٹرول اور بجلی سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے اگر ہم ریڈیم کی کافی مقدار حاصل کر سکے، کیونکہ ایک رطل ریڈیم سے وہی کام لیا جا سکتا ہے جو ۱۵۰ ٹن ڈائنامیٹ سے۔ اور اس کا زبردست امکان ہے کہ علماء اس میں کامیاب ہو جائیں، کیونکہ جب سے میڈم کیوری اور اس کے شوہر نے ریڈیم کے مادہ کا انکشاف کر لیا ہے اور جب سے کہ سلسلہ علاج میں اکس ریز کا اضافہ ہو گیا ہے علماء اس کی تلاش میں شب و روز منہمک اور مصروف ہیں۔

پٹروگراڈ کے کسی روسی فاضل نے ایک ایسا آلۂ حرکت ایجاد کیا ہے۔ جس کی قوت براہ راست آفتاب سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس آلہ کو حرکت میں لانے کے لئے کوئلہ وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ جب تک آفتاب غروب نہیں ہوتا یہ آلہ برابر متحرک رہتا ہے۔

اس وقت برلن میں جرمن ڈاکٹر ہابر اپنے ان تجربات کی تکمیل کر رہا ہے جن کے ذریعے ہم بغیر بڑھاپا محسوس کئے ہزار برس تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کسی مخصوص درخت سے ایک مرکب تیار کر رہے ہیں جن کا نام وہ انزیم رکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اس کا ذرا سا حصہ بھی اگر استعمال کیا جائے تو انسان اپنی پوری عمر تک جوان رہ سکتا ہے۔

بعض ماہرین کیمیا اس تلاش میں ہیں کہ ردی قسم کے کوئلے سے پٹرول حاصل کریں ان کا خیال ہے کہ ناکارہ کوئلوں سے جو پٹرول حاصل ہوگا وہ اپنے اثر کے لحاظ سے معدنی پٹرول سے بہت زیادہ قوی ہوگا اور پھر قیمت کے اعتبار سے وہ بالکل ارزاں ہوگا۔

نہیں معلوم مستقبل میں علم ہم کو کہاں تک لیجاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کو اپنی زندگی میں دیکھ بھی سکیں گے یا ہمارے بعد کی نسل اس کو دیکھے گی یا یہ کہ یہ سب مسلسل خواب پریشاں کی منتشر کڑیاں ہیں اگرچہ یہ سب باتیں ہم کو ایسی معلوم ہوتی ہیں جن کو وہم اور خیال سے زیادہ وقعت نہیں دی جا سکتی لیکن اس میں شک نہیں کہ کم یا زیادہ جو کچھ بھی مستقبل قریب میں اختراع کیا جائے گا اس کا ہماری روزانہ زندگی کے موجودہ نظام پر زبردست اور انقلاب انگیز اثر پڑے گا، بہرحال ہم علماء فن اور ماہرین علوم کی تلاش و تحقیق کو اہمیت کی نظروں سے دیکھتے ہیں کیونکہ دنیا تمدن اور اختراع کی اس منزل پر اس قسم کے خوابوں کو سچا کر دکھانے کی کوشش ہی سے پہونچی ہے۔

(عبدالحمید نعمانی، خلافت کمیٹی بمبئی)

بچّوں میں جذبہ اطاعت کا نشوونما

(ایک ماں کے قلم سے)

ہر بچہ کا سب سے پہلا سبق اطاعت ہونا چاہیئے اگر کوئی بچہ دی ہوئی چیز کے کھانے سے انکار کر دے تو اس کی ماں کا بہترین و مناسب غذا کا تیار کرنا اور غذا کے اجزا کا ٹھیک ٹھیک مہیا کرنا غرض کہ تمام یہ دردسری بالکل رائگاں ہو جائے گی۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بچہ کی تربیت اس کے پالنے ہی سے شروع کر دینی چاہیئے۔ زیادہ عرصہ تک ماں کا دودھ پیتے رہنے سے اکثر برے نتائج دیکھنے میں آتے ہیں اور یہ سنا جاتا ہے کہ چونکہ بچہ کچھ اور کھاتا نہیں اس لئے دودھ نہیں چھڑایا جا سکتا ایسے بچہ کا ہاضمہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھوک خراب ہو جاتی ہے اس کو چاٹ، مٹھائی اور ایسی ہی چیزیں کھانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دو سال کی عمر میں اس کی اشتہا بالکل برباد ہو جاتی ہے اور لذت طعام سے وہ بالکل محروم ہو جاتا ہے۔

مزید براں بچہ کی اطاعت ہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ قابل اعتماد بن جاتا ہے اور والدین کا بچہ پر اعتماد کرنا بچہ کے مزاج اور چال چلن کی درستی میں بڑا اثر رکھتا ہے۔ ضدی اور خودرائے بچہ کو اتنی آزادی نہیں دی جا سکتی جتنی کہ فرمانبردار اور تربیت یافتہ بچہ کو۔ اور اگر والدین مستقل مزاج ہیں تو یہ سبق کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ بچہ کو جس قدر کم احکامات دیئے

جائیں اسی قدر اچھا ہے حقیقت میں ایسی باتوں کے متعلق حکم دیا جائے یا ممانعت کی جائے جو واقعی کچھ اہمیت رکھتی ہوں لیکن اگر ایک دفعہ حکم دیدیا گیا ہو تو اس کی تعمیل ضروری ہے پھر اس میں کسی دلیل و عذر کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے

بچوں کے ساتھ حقیقی محبت اور تجربہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان سے اطاعت کرانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی کام بظاہر تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے تو بچہ کی توجہ کسی دلچسپ کام کی طرف اس طرح متوجہ کردیں "دیکھو پہلے اپنے کھلونے صفائی سے ایک طرف رکھ دو اور پھر میرے اس کام میں مدد کرو" یہ ایسا جملہ ہے کہ بچہ بہت لطف اندوز ہوتا ہے اور اس طریقہ سے بچہ کو جو چیز چاہیں کھلا پلا سکتے ہیں پہلے ایسی چیز دو جس سے بچہ کو دلچسپی نہ ہو اور اس بات کا یقین دلا دو کہ اب مرغوب چیز دی جائے گی اس طریقہ سے مزاج درست ہو جاتا ہے اور یہ کوئی رشوت نہیں ہے۔

بچہ کے چال چلن کو درست کرنا ضروری ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ ذرا ذرا سی معمولی باتوں پر بھی بچہ پر حکمرانی کی جائے عقلمند ماں یا دایہ بچہ پر حکومت کرکے اس کے جذبات کو مردہ نہیں کرے گی۔ اس قسم کے طرز عمل کو ضبط نہیں کہیں گے بلکہ بیجا سختی سے تعبیر کریں گے۔ جب کوئی بچہ کسی کام کے کرنے کی اجازت مانگے خواہ اجازت دیدی جائے یا نہ دی جائے، جواب نہایت مختصر اور مناسب ہونا چاہیئے ہچکچاہٹ یا اظہار بے اطمینانی یا انکار کے اخلاقی دلائل بچوں کے سامنے بیان کرنے سے ان کا مزاج اور چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ ہمارے دلائل کے جواب میں وہ انھیں کا یہ جملہ پیش کردیں گے:—

"جب ہاں کرو تو اپنی ہاں پر قائم رہو اور جب نہیں کہو تو نہیں پر قائم رہو" بچہ تو بس یہ بات معلوم کرنا چاہتا ہے کہ چیز جو اس نے مانگی وہ اس کو ملے گی یا نہیں اس کے متعلق دلائل اور اس کے نفع و نقصان سے اسکو کوئی غرض نہیں۔ بگڑا ہوا بچہ جسکو امید ہو کہ دلائل سے بڑوں کے فیصلہ کو رد کردیگا ہمیشہ رد و کد ہی کرے گا "ہمارے لئے یہ بات کیوں تھی" یا "ہمکو یہ چیز کیوں نہیں مل سکتی" اگر سبب دریافت کیا جائے اور بچہ کو اس میں دلچسپی ہو اور جواب ہم دے سکتے ہوں تو مختصر جواب دیں لیکن عموماً اس بات کی تشریح اس عمر کے لئے مناسب نہیں۔

یاد رکھو کہ ایفائے وعدہ ہمارے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا بچہ کے لئے احکام کی تعمیل۔ پس ہمکو ایسے وعدے نہ کرنے چاہئیں جنکو ہم پورا نہ کرسکیں میں نے ایک ماں کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ بہت خوش ہوئی جب اسکی لڑکی نے اس سے کہا کہ اماں تمہاری ہاں اور نہیں ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ وعدہ خلافی یا دھوکہ بازی خورد سال بچہ کے حق میں ایک ایسا زخم ہے جو کبھی نہیں بھرتا۔

ارادتاً نافرمانی خواہ کسی عمر میں ہو ضرور سزا کی مستوجب ہے۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ بچہ کو بتا دیا جائے کہ اگر فلاں کام کروگے تو یہ سزا ملے گی اور اگر سزا دینا ضروری ہو جائے تو اس کو یاد دلا دیا جائے کہ پہلے کہہ دیا گیا تھا۔ اس طریقہ سے والدین جلد بازی سے بچ جاتے ہیں اور بچہ کو اصل حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اکثر عورتیں بچہ کو موٹر وغیرہ کے سامنے جانے سے روکتی ہیں اور جب وہ نہیں رکتا تو اس کے تھپڑ مارتی ہیں لیکن میں نے تین بار ایسے موقعوں کو ہنسکر ٹال چکی ہیں۔

بعض بچے ایسے بھی ہیں جن کو نافرمانی کے کرنے میں خوشی ہوتی ہے اور جن پر سزا کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ بچوں کی ایسی حرکات کو بچپن اور بیوقوفی محمول کریں تو رفتہ رفتہ اصلاح جلد ہو جائے گی۔

بعض خود رائی کی حرکات جن کا نتیجہ مرگ بے ہنگام ہو، گزشتہ صدی میں بچوں کے واسطے جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں لکھے ہوئے ہیں لیکن ان پر کسی نے توجہ نہیں کی اور رفتہ رفتہ موجودہ کتابوں سے بھی محو ہوگئے۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ تمام واقعات کتابوں میں محفوظ رہتے اور بچوں کی مائیں اور ان کے استاد ان کو پڑھتے اور دیکھتے کہ مناسب ضبط کے بغیر کس قدر تکالیف کا سامنا ہوتا ہے۔ صحت کس قدر خراب ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی جان تک ضائع ہو جاتی ہے۔ بدہضمی کی شکایات جو بچپن میں عام ہوتی ہیں اور جن کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں دل کی کمزوری قوت ناکافی نیند کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور بہت سی غلیظ و گندی عادات کے اسباب کو اگر تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ والدین نے اہم معاملات کو بچہ کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا اور جو اس کا جی چاہتا تھا کرتا تھا۔ جو روتا ہے اور جنھیں بار بار کرنے کا شوق ہو کو اپنا ہاتھ نہیں دکھاتا جو کھانا اسے کھانے کے لئے دیا جائے اس سے انکار کر دیتا ہے اور سوائے ماں کی گود کے کہیں چین سے نہیں بیٹھتا کبھی بیماری سے چھٹکارا نہیں پائیگا۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ بچہ کی صحت کی محافظ بڑی حد تک اس کی فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔

رفتارِ تعلیم

ترقی فنون کے لئے ایکہزار کا تمغہ

[illegible] رنا گولڈ میں ورودستک [illegible] اور [illegible] کی طرف سے ایک [illegible] پیش کیا گیا [illegible] موتی میں واپس [illegible] کی خدمات کا [illegible] کی نقاب [illegible] خدمات کے اعتراف کے [illegible] یونیورسٹی کے [illegible]

[illegible] ایک ہزار روپیہ کے تمغہ دینے کا اعلان کیا جو ترقی [illegible] دیا جائے گا۔

ہندوستانی فن موسیقی کا مطالعہ

کوئن میری کالج کے پروفیسر ہندوستانی موسیقی مسٹر بھما راؤ صاحب کو مدراس سے لندن پہنچنے پر بتایا گیا کہ سیلون میں ان کے جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں کے لوگوں میں فن موسیقی کی نسبت ذوق پیدا کیا جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ خود بھی موسیقی کی نسبت مزید معلومات حاصل کریں۔

حیدرآباد دکن میں "لیکچر گھر" کا افتتاح

۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ساڑھے چار بجے مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری منصرم ناظم تعلیمات نے اردو گشتی کتب خانہ کے ماتحت دروھی چھپر گوڑہ میں ایک لیکچر گھر کا افتتاح فرمایا۔

ادنیٰ اقوام کی تعلیم و ترقی

۲۷ ستمبر ۱۹۳۸ء کو مجلس مقننہ صوبہ متحدہ میں ایک تجویز پاس ہوئی جس کا مضمون یہ تھا کہ حکومت ادنیٰ اقوام کی تعلیم و ترقی کے لئے خاص تدابیر اختیار کرے ان کے واسطے کثیر تعداد میں وظائف مقرر کرے اور ان کے بچوں کے لئے ثانوی اور ابتدائی تعلیم مفت قرار دے۔

زراعتی کالج کے لئے پچاس ہزار روپیہ کا عطیہ

مسٹر ہری شنکر پال نے اپنے بڑے بھائی کی یادگار قائم کرنے کے لئے حکومت بنگال کے محکمہ زراعت کو بطور عطیہ ۵۰۰۰۰ روپیئے اس شرط پر دیئے ہیں کہ مجوزہ زراعتی مدرسہ کا نام "بی۔ این پال۔ اگریکلچرل کالج" رکھدیا جائے۔

طیب جی کا گراں قدر عطیہ

مسٹر داؤد خاں ساکن بھائی طیب جی نے اینگلو اردو ہائی اسکول سورت کو اپنے والد مرحوم صالح بھائی طیب جی کی یاد میں ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ چند ماہ پیشتر آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی مدرسہ کو ۵۰ ہزار روپیہ کا عطیہ دیا تھا اور مسٹر داؤد خاں نے اس مدرسہ کے لئے ایک عالیشان عمارت تعمیر کرانے کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔

طلبائے بنگال کی کانفرنس

پنڈت جواہر لال صاحب نہرو ۲۳ ستمبر کو طلبائے بنگال کی کانفرنس کی صدارت کے لئے تشریف لائے۔ ہوڑہ اسٹیشن پر طلبا نے آپ کا زبردست استقبال کیا۔ ہوڑہ ٹاؤن ہال میں طلبا ہوڑہ کی طرف سے آپ کو متعدد سپاسنامے پیش کئے گئے۔ اس کے بعد پنڈت جی نے نہایت مناسب الفاظ میں سپاسناموں کا جواب دیا۔ پنڈت جی جلوس کے ساتھ کلکتہ تشریف لے گئے۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا آئندہ اجلاس

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا آئندہ اجلاس کرسمس کی تعطیلات میں اجمیر میں منعقد ہوگا۔

اردو داں لوگوں کو سیاسیات کی تعلیم

اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ "دائرہ سیاسیہ" کے نام سے ایک ادارہ دہلی میں قائم ہوا ہے جس کے بانیوں میں ڈاکٹر انصاری، سر عبدالقادر، مولانا ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، ڈاکٹر کچلو، مولانا عبدالماجد دریابادی، ظفر الملک اور پنڈت جواہر لال نہرو کے نام خصوصیت سے درج ہیں اس ادارہ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ کتابوں اور رسائل کے ذریعہ ہندوستانی عوام میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے اور اس غرض کیلئے اردو زبان میں ایسی کتابیں لکھوائی جائیں یا ان کے ترجمے شائع کئے جائیں جو نظام حکومت اور دیگر سیاسی مسائل سے تعلق رکھتی ہوں۔

حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹ بابتہ سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء

گزشتہ نمبر میں اس رپورٹ کا ایک حصہ بطور خلاصہ کے دیا جا چکا ہے۔
اس مرتبہ اس کا دوسرا حصہ دیا جا رہا ہے۔ ہر دو نمبر اعداد و شمار اور معلومات
کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔
(ایڈیٹر)

ثانوی تعلیم

رپورٹ مذکور سے مظہر ہے کہ حکومت بنگال نے اپنے صوبہ کے مدارس کے لئے تین لاکھ روپیہ کی منظوری ثانوی مدارس پر تقسیم کرنے کے لئے دی تھی، اور یہ شرط رکھی تھی کہ شرح فیس تعلیم اور اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا جائے اور جہاں گنجائش ہو وہاں پر ویڈنٹ فنڈ بھی کھول دیئے جائیں۔ وہاں کی رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس امداد سے مدرسین پر اچھا اثر پڑا اور فراہمی فیس میں ۳ ½ روپیہ کا اضافہ ہو گیا۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں طلباء کی ثانوی تعلیم مقبول ہوتی جا رہی ہے، حتیٰ کہ اسکولوں میں عدم گنجائش کی وجہ سے طلباء کا داخلہ روکنا پڑا۔

ذریعہ تعلیم

صوبہ بمبئی کی رپورٹ سے مظہر ہے کہ اس صوبہ میں اسکول لیونگ سارٹیفکٹ کے امتحان کے امیدواروں کو تاریخ اور اختیاری مضامین کے سوالات کے جوابات دینے کا اختیار دیسی زبان میں دیا گیا ہے۔ طلباء کو اختیاری زبان کی بجائے دیسی زبان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اس تبدیلی کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اسکول لیونگ کے امتحان میں شرکت کے طلباء میں یکبارگی دو ہزار کی کمی ہو گئی۔

صوبجات متحدہ کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ اس صوبہ میں اعلیٰ درجہ تک میں دیسی زبان کے استعمال کی نسبت کوئی انسپکٹر اسکول رپورٹ پیش نہیں کرتا، ان انسپکٹروں کی رائے ہے کہ دیسی زبانوں کے بدلنے میں بہت عجلت سے کام لیا گیا ہے۔

ابتدائی تعلیم

لڑکوں کی ابتدائی تعلیم کے متعلق رپورٹ میں ہر صوبہ پر جہاں کہیں میونسپل حدود اور دیہات کے مدارس میں جبریہ تعلیم رائج کی گئی ہے، خاص طور پر توجہ کی گئی ہے، چنانچہ مدراس کی ۲۰ میونسپلٹیوں، صوبجات متحدہ کی ۲ اور پنجاب کی ۴۴ میونسپلٹیوں اور ۴۵ دیہاتی رقبوں، بار واڑیسہ کی ایک میونسپلٹی اور ۴ دیہاتوں میں صوبہ متوسط کی ۳ میونسپلٹیوں اور ۱۲ دیہاتوں، اور دہلی کی ایک میونسپلٹی میں جبریہ تعلیم کا رواج ہو گیا ہے۔ بنگال و آسام میں ابھی تک کوئی پیشقدمی نہیں کی گئی ہے اور برہما میں تو ابھی تک کونسل میں بھی یہ سوال زیر بحث نہیں آیا۔

پنجاب کی پیشقدمی

رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے لئے جدید مدارس کے افتتاح میں پنجاب سب سے آگے ہے۔ دیہاتی رقبوں کی کمیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹیوں نے تعلیم کے کام کرنے میں نہایت انہماک اور جدوجہد سے کام کیا ہے۔ چنانچہ دیہات میں دار المطالعے، میجک لالٹین کے لیکچروں اور عام فہم چھوٹی چھوٹی کتابوں کے ذریعہ عوام میں تعلیم کا ایک عام ذوق پیدا کر دیا گیا ہے۔ سال زیر رپورٹ میں دیہات میں دیسی زبانوں کے ۱۳۱۵ دار المطالعے جاری ہوئے ہیں۔

تعلیم نسواں

طالبات کی تعداد پیشوں کے کالجوں میں کسی قدر بڑھی ہے۔ ڈاکٹری کی تعلیم میں ۱۹۰ طالبات اعلیٰ علمی کی جماعتوں میں ۱۴۴ طالبات اور قانونی کالجوں میں ۸ طالبات ہیں۔ بمبئی، مدراس اور دہلی کے صوبوں میں ڈاکٹری کی طالبات کی تعداد زیادہ ہے۔ قانون کی طالبات زیادہ تر مدراس، بمبئی، صوبجات متحدہ اور برہما میں ہیں۔

دیسی زبانوں کی دستانیوں کی تعلیم کے نصاب میں پنجاب کے اندر کئی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ یہاں کے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیمات کی رپورٹ میں ہے کہ تعلیم کے نصاب میں اہم تبدیلیوں کی وجہ سے اب یہ ہوا ہے کہ طلبا کی استعداد ان کی جماعتوں کے مقررہ نصاب تک محدود اور موقوف نہیں رہی ہے۔

موگہ کے مشن کے مدرسۂ معلمین، گوڑگاؤں کے مدرسۂ دیہاتی اقتصادیات اور لوکا کے سرکاری مدرسۂ معلمی نے معقول کام کر کے بہترین نظیریں قائم کر دی ہیں اور سارے ہندوستان کو اس سے سبق لینا چاہئے۔ اور غور کرنا چاہئے کہ دیہاتوں کے حالات مناسب اور مطابقت کے لئے معاشرت میں کس قدر اصلاحات کی جا سکتی ہیں اور کس طرح اپنے ملک کو ایک ترقی یافتہ ملک بنایا جا سکتا ہے۔

(ع-و)

بچوں کے صفحے

ننھا قاصد



دکھاؤں میں تمھیں ایک ننھے قاصد کا — وہ آج لوٹ کے اسکول سے جو گھر کو چلا
تو ماسٹر نے دیا خط کہ باپ کو دینا — گرا نہ دیجیو، ہشیار اس سے تم رہنا
وہ لے کے خط جو چلا دل میں اسکے ڈر بیٹھا — کہ مجھ سے کونسی اسکول میں ہوئی ہے خطا
جو ماسٹر نے شکایت مری ہے گھر کو لکھی — وہ خط پڑھیں گے تو مجھ پر پڑے گی مار اُن کی
سمجھ کے یہ وہ سراسیمہ اپنے گھر آیا — خلاف اور دنوں کے تبسم تر آیا
تھا ایک ہاتھ میں خط دوسرے میں تھا بستا — خموش اور تھا آنکھوں سے اشک بھی بہتا
جو ماں نے دیکھا یہ احوال اپنے بچے کا — تو دوڑی اور وہ خط لے کے ماسٹر کا پڑھا
شکایت اس میں لکھی تھی نہ کچھ شرارت کی — رقم تھی اس میں صفت بچہ کی ذہانت کی
بہت خوشی سے لیا گود میں، پیار کیا — دلاسا خط وہ سنا کر پسر کو خوب دیا
سنا جو نامہ وہ اماں سے ننھے قاصد نے — تب اس کو چھوڑ دیا اس خیال فاسد نے
کھلائی اور دنوں سے غذا لطیف اس کو — بہت ہی اچھے ہو تم، اپنے دل میں کچھ نہ ڈرو
یہ سارے بچوں کے حق میں بڑی نصیحت ہے — یہ چھوٹے ننھے سے قاصد کی اک حکایت ہے

بنا دی ساتھ میں تصویر ننھے قاصد کی
بڑھے گی دیکھ کے جس کو تمھاری دلچسپی

(م - ب)

میاں ممدو

(از م۔ ب ممتاز صاحبہ)

میاں ممدو کا اصلی نام تو خیر جو کچھ بھی ہو مگر شہر میں وہ اسی نام سے مشہور تھے ان کے یار دوست اسی نام سے پکارتے تھے اور خود ان کو بھی یہی نام پسند تھا۔ ابتدا ہی سے انھیں خیالی پلاؤ پکانے کا بہت شوق تھا۔ گھر میں بیٹھکر یار دوستوں کی صحبت میں، مدرسہ میں جماعت کے اندر اور کھیل کے میدان میں سب تو اپنے کاموں میں مصروف ہوتے اور میاں ممدو کو بحر فکر اور دریائے خیال میں غوطہ زنی وغیرہ سے کسی سے کچھ سروکار نہ ہوتا۔

میاں ممدو کسی نئی ایجاد، کسی نئی اختراع یا کسی سیاسی، تمدنی، یا معاشرتی اصلاح کی فکر میں نہیں رہتے تھے بلکہ اپنی درسی کتابوں میں جو قصے اور جو باتیں پڑھتے ان ہی کو اپنے فکر و خیال کی بنیاد بنا کر اسے وسعت دیتے اور ایسی ایسی اڑانیں بھرتے کہ شاید ہی کسی کا ذہن رسا اس تک پہنچ پاتا۔

میاں ممدو کو مطالعہ کا بھی کچھ شوق تھا لیکن یہ بھی ان کی نظرت طبع کا صید کرم تھا اور سوائے الف لیلہ کی داستانوں، مسٹر ایساپ کے قصوں اور پریوں کی کہانیوں وغیرہ کے کبھی اور کسی مضمون کی کتاب کا مطالعہ کرتے انھیں نہیں دیکھا۔

ایکدن میاں ممدو نے کسی کتاب میں "جادو کی گیند" کا قصہ پڑھا۔ قصہ تھا مزیدار اور خدا معلوم سچا تھا یا محض بچوں کے دل بہلاؤ کے لئے کسی بھلے آدمی نے لکھ مارا تھا۔ بہرحال میاں ممدو نے اس قصہ کو آخر کار سچ ہی کر دکھایا۔

اتفاق یہ ہوا کہ جس روز میاں ممدو نے یہ قصہ پڑھا تھا اسی روز شام کو آپ ٹہلنے کے لئے آموں کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ چونکہ موسم تھا خوشگوار وقت سہانا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے اس لئے باغ میں داخل ہو کر بافاعدہ آپ کو چہل قدمی کی سوجھی۔ ٹہلتے ٹہلتے باغ سے باہر آپ ایک کھیت میں جو باغ سے متصل تھا جا نکلے۔ وہاں ایک کدو پڑا ہوا تھا اور اس پر کچھ نشانات آنکھ ناک وغیرہ کے بالکل ایسے ہی بنے تھے جیسے کہ ڈیک کو "جادو کی گیند" پر بنے نظر آئے تھے۔ کدو کو دیکھکر میاں ممدو کو ڈیک کا قصہ جو انھوں نے اسی دن پڑھا تھا یاد آگیا۔ بس فوراً چہل قدمی کے سلسلہ کو یکایک ختم کر کے میاں ممدو کھڑے ہو گئے اور کدو پر نظر جما کر اسطرح کھڑے ہو گئے جسطرح گیند کے جادوگر نے اپنی گیند کو بڑی ہونے اور دوڑنے کا حکم دیا تھا۔



میاں ممدو ابھی کدو کے متعلق یہ خیالی پلاؤ پکا ہی رہے تھے کہ وہ اب جادو کی گیند کی طرح بڑھیگا اور بڑھ کر مجھے لے اڑیگا اور میں اس پر چڑھ کر سارے جہان کی سیر کروں گا، میں امریکہ جاؤنگا وہاں مشہور شہر نیویارک دیکھونگا۔ فیلاڈیلفیا جاؤنگا وہاں کے حیرت انگیز عجائب خانے دیکھونگا۔ مصر جاؤنگا وہاں کا گلزار شہر اسکندریہ دیکھونگا۔ قاہرہ پہنچکر جامع ازہر کے جو مصر کی بڑی یونیورسٹی ہے حالات بچشم خود معائنہ کرونگا۔ ہفت عجائبات میں سے جو اہرام مصری ہیں وہ بھی دیکھ لونگا۔ فرعون کے مجسمہ کی تصویر اسکول کے عجائب خانے میں دیکھی ہے اب خود اپنی آنکھوں سے دیکھونگا۔ میں لندن جاؤنگا، پیرس جاؤنگا اور ہاں روس بھی جاؤنگا وہاں برف سے ڈھکے ہوئے ویران جنگلوں اور میدانوں میں میری رسائی ضرور ہوگی اگر وہاں ریل نہیں تو مجھے کیا اگر ادھر جہازرانی ناممکن ہے تو کیا پروا! میرا کدو مجھے لے جائیگا" غرض میاں ممدو اپنی سیر و سیاحت کی تفصیلات اور اپنے خیالات کی جولانگاہ میں اسی تگ و دو میں مصروف تھے کہ کدو میں سچ مچ حرکت پیدا ہوئی اور اب وہ پہلے سے کچھ بڑا ہوتا نظر آنےلگا میاں ممدو بے حد خوش ہوئے۔ انھیں اپنے خیالی ارادے اب عملی شکل میں نظر آ رہے تھے۔

کدو جو فی الواقع ایک جادو کا کدو اور ایک مشہور جادوگر نے اسے اس کھیت میں ڈالدیا تھا اب بڑھ رہا تھا اور اس میں حرکت پیدا ہو کر

اس کی رفتار بھی تیز ہوتی جا رہی تھی ۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ کدو خود میاں ممدو کی طرف

بڑھ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میاں ممدو کدو کی طرف بڑھے اور جھک کر چاہا کہ اسے اٹھا لیں کہ کدو میں سے



آواز نکلی کہ "او بچے تو بوا اور بتا کہ میں کہاں چلوں ؟"

میاں ممدو کدو کی آواز سے ایک دم سے گھبرا گئے اور یہ دیکھا ندرہا کہ اسے فوراً حکم دیں یا اس کی بات کا کچھ جواب دیں ۔



کدو جو ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا اور چل رہا تھا یہ دیکھکر کہ اسے کوئی خاص حکم اور ہدایت نہیں ملی ہے برابر اپنے رخ پر چلتا رہا ۔

اب میاں ممدو نے جو دیکھا کہ یہ کدو برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اس کی رفتار بھی تیز ہو رہی ہے تو اس کے پیچھے دوڑا کہ دوڑ کر پکڑ لے ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہاتھ سے آئی ادائی سونے کی چڑیا اڑ جائے ۔

آخرکار دو چار کھیتوں کو عبور کرکے برابر کدو کا پیچھا کرتا رہا لیکن کدو ہاتھ نہ آیا ۔ ممدو جب تھک گیا تو اس نے کھڑے ہو کر کدو کو آواز دی اور ٹھہر جانے کا حکم دیا ۔ کدو آواز سنتے ہی ٹھہر گیا ۔

اب ممدو سمجھ گیا کہ کدو حکم کا منتظر اور محتاج ہے ۔ اور میرے حکم کو سن سکتا ہے اور یوں ہی یہ قابو میں رہے گا ۔

چنانچہ جب کدو ٹھہر گیا تو ممدو دوڑ کر اس کے پاس گیا اور اس پر سوار ہو گیا



سوار ہونے کے بعد جہاں جہاں اس کا ارادہ تھا وہاں وہاں گیا ۔ خوب ہر ملک اور ہر سلطنت کی سیر کی ۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ۔ بادشاہوں نے اس کی خوب خاطریں کیں ۔ ملکوں ملکوں اس کی قدر ہوئی اور شہرت، اور اس کے کدو کی دوڑ کی جگہ جگہ نمائش ہوئی جس سے اس کو لاکھوں روپیہ کا نفع ہوا ۔ اور اس طرح ایک بہت بڑا امیر و کبیر ہو کر اپنے وطن واپس آیا اور بجائے میاں ممدو کے سب اس کو ہز ہائنس سر ممد الدولہ بہادر سے خطاب کرتے ہیں ۔

انشاء اللہ تعالے کسی موقع پر میاں ممدو کے حالات سفر اور شہنشاہ چین اور ملک قاف کی سیاست کی تفصیلات سے بھی مطلع کیا جائیگا ۔ ناظرین انتظار فرمائیں ۔

بادشاہ اور مچھر کی لڑائی

(از م۔ ذ متعلم جامعہ)

(۱)

کسی زمانہ میں ایک بڑا بے رحم بادشاہ تھا۔ رعایا اس کے غیر معمولی ظلم سے تنگ پریشان و مصیبت میں مبتلا تھی۔ رعایا نے جب کبھی اس سے اپنی تکلیفوں کا بدلہ لینا چاہا تو لے نہ سکی، کیونکہ بادشاہ نے اپنی حفاظت کے لئے بے انتہا دولت اور زبردست فوج اکٹھی کر رکھی تھی۔ بادشاہ جب سو کر اٹھتا تھا تو وہ گزشتہ شب سے کہیں زیادہ خونخوار اور بے رحم نظر آتا تھا۔

غرض بادشاہ کا ظلم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس کی خبر ایک شریف مچھر کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اس نے صرف اپنی "شرافت" اور "نیکی" کی وجہ سے آجتک کسی انسان کو نہیں کاٹا تھا اور وہ اسی باعث ہر وقت بھوکا رہتا تھا۔ وہ بہت زیادہ کمزور بھی ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ بادشاہ کو راہ راست پر لانا تو بہت مشکل کام ہے لیکن تاہم میں کوشش کرونگا۔

رات کو جب کہ بادشاہ اپنے پلنگ پر لیٹا تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی موٹی یا اسی قسم کی دوسری چیز اس کے بدن میں چبھ گئی ہے۔

بادشاہ بہت زور سے چلا اٹھا "آہ! یہ کیا ہوا؟ تو کون ہے؟"

"ایک مچھر ہے جو تیری اصلاح کرنا چاہتا ہے" مچھر نے جواب دیا۔

"مچھر اور یہ جرأت! ابھی دیکھو ایک سکنڈ میں تمہاری کیا گت بناتا ہوں" بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا، پلنگ سے اچھل پڑا، اور چادر کو پکڑ کر زور زور سے نوچنے لگا۔

اس وقت مچھر نہایت صفائی سے بادشاہ کی داڑھی میں چھپا بیٹھا تھا۔

اب بادشاہ پھر اس خیال سے آکر لیٹ گیا کہ اس نے اس وقت مچھر کی کافی تنبیہ کر دی ہے اور اب وہ آرام سے سو سکے گا کہ مچھر نے ایکبار پھر کاٹا۔

"ارے مردود مچھر! تو نے مقابلہ کی یہ جرأت کی۔ تیری بساط ایک ذرہ کی برابر بھی تو نہیں ہے۔ جو ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں" بادشاہ نے نہایت غصہ سے کہا۔

مچھر نے بادشاہ کی زبردست تقریر کا جواب صرف اس سے دیا کہ اس نے پھر ایک بار زور سے کاٹا۔ بادشاہ کی ساری رات اسی مصیبت میں گزری اور وہ ایک منٹ کے لئے بھی نہ سو سکا۔ صبح اٹھتے ہی اس نے ماہرین حشرات کو حکم دیا کہ وہ خوردبین کے ذریعہ سونے کے کمرے کی ہر ہر چیز کو دیکھیں اور پتہ چلائیں کہ وہ مچھر کہاں ہے۔ لیکن باوجود اس ساری کوشش کے ماہرین اس چھوٹے مچھر کا پتہ نہ لگا سکے۔ میاں مچھر کی تلاش ہو رہی تھی اور وہ بادشاہ کے کوٹ کے کالر میں چھپا بیٹھا تھا۔

کل کی رات چونکہ بادشاہ بالکل نہ سو سکا تھا اس لئے آج وہ سویرے شام ہی سے سونے کے لئے چلا گیا۔ ابھی بادشاہ پورے طور پر لیٹا بھی نہیں تھا کہ یکایک چلا اٹھا "یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟" "میں ایک حقیر مچھر ہوں میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں کہوں اسے مان لو اور اپنی غریب رعایا کو تکلیف مت دو" مچھر نے کہا۔

"میری فوج کہاں ہے؟ میرے جنرل اور وزیر کہاں ہیں؟ ان سب کو فوراً میرے سامنے حاضر کرو" یہ حکم پاتے ہی ساری فوج جنرل اور وزیر بادشاہ کے کمرے میں آکر جمع ہو گئے بادشاہ نے حکم دیا بستر کو پارہ پارہ کر ڈالو دیوار اور فرش پر اپنے ہاتھوں کو اس طرح پھیرو کہ اگر مچھر وہاں ہو تو مسل جائے۔

اس وقت یہ تدبیریں کی جا رہی تھیں اور مچھر تھا کہ بادشاہ کے بالوں میں چھپا ہوا مزے میں رہا تھا۔ بادشاہ اب دوسرے کمرے میں آکر لیٹ گیا لیکن اس کے لیٹتے ہی مچھر نے ایک بار پھر کاٹا۔

دوسرے دن صبح ہی بادشاہ نے نہایت غصہ میں ہو کر رعایا میں یہ منادی کرا دی کہ ہر شخص جو میری سلطنت میں رہتا ہے اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی پوری کوشش اس بات میں صرف کرے کہ اس مملکت میں ایک مچھر بھی زندہ باقی نہ رہے۔

بادشاہ کا سارا جسم مچھر کے بار بار کے کاٹنے سے نیلا پڑ گیا تھا وہ دن بدن زرد اور لاغر ہوتا جا رہا تھا۔ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ اگر وہ مچھر کے حکم کی تعمیل نہ کریگا تو اس کی حالت روز بروز خراب ہوتی جائے گی اور وہ ایک دن مر جائے گا مچھر نے پھر ایک بار جیسے ہی کاٹا بادشاہ نے سرد آہ بھر کر کہا "آخر تم کیا چاہتے ہو؟ میں ماننے کے لئے تیار ہوں" "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرو" مچھر نے جواب دیا۔

"لیکن اس کی صورت کیا ہو؟" بادشاہ نے دریافت کیا۔ "وہ اس طرح کہ تم

فوراً اس ملک کو چھوڑ دو" مچھر نے کہا۔ بادشاہ نے نہایت عاجزی کے ساتھ پوچھا "کیا میں اپنی دولت میں سے کچھ لے سکتا ہوں؟"

مچھر نے ایک سخت لہجہ میں کہا "نہیں! کچھ بھی نہیں!!"

مچھر کو بادشاہ کی اس حالت پر ترس آیا اور اس نے کہا "اچھا تم جانے سے پہلے اپنے کوٹ کی دونوں جیبیں سونے اور چاندی سے بھر سکتے ہو"

اس کے بعد اس ملک کے باشندوں نے اپنی حکومت قائم کر لی اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوش نظر آنے لگے۔

پرندوں کا جلسۂ انتخاب

(۲)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ تمام پرندے نئے بادشاہ کے انتخاب کرنے کیلئے جمع ہوئے۔ سب سے پہلے اس پر بحث شروع ہوئی کہ بادشاہ کس کو منتخب کرنا چاہیے۔ مور نے کہا "ہم میں جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو وہی بادشاہ منتخب کیا جائے۔"

"جی نہیں! ہمیں تو عقل کی ضرورت ہے"۔ الّو نے کہا۔ "طوطا بولا "ہم لوگوں کو ذرا غور و فکر سے بھی کام لینا چاہیئے۔ اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ اس مجمع میں سب سے زیادہ ہوشیار اور بہترین مقرر کون ہے۔ بس! اسی کو منتخب کرنا چاہیئے۔"

عقاب نے کہا "یہ سب فضول باتیں ہیں۔ جس میں اڑنے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہو وہی اس انتخاب کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔" تھوڑی دیر کی تو تو میں میں کے بعد جلسہ نے عقاب کے مشورہ کو قبول کیا اور یہ طے پا گیا کہ سب کو اڑنا چاہیئے اور جو سب سے زیادہ تیز اڑیگا وہی بادشاہ ہونے کا اہل سمجھا جائے گا۔

عقاب نے نہایت تیزی کے ساتھ آسمان کی طرف اڑنا شروع کیا لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک چھوٹی سی چڑیا جو عقاب سے پیچھے تھی بہت آگے نکل گئی۔ عقاب کو اپنی ناکامی پر سخت افسوس ہوا اور یہ چھوٹی چڑیا جلسہ عام میں (جس میں عقاب نے شرکت نہیں کی) بادشاہ منتخب کی گئی۔

ماں کی دولت

(۳)

یوسف اپنی ضعیف اور بیوہ ماں کے ساتھ ایک جنگل کے کنارے ایک چھوٹے سے مکان میں رہا کرتا تھا۔ اس مکان میں یوسف بالکل اکیلا تھا اس کا کوئی ساتھی نہ تھا جس کے ساتھ وہ کبھی کھیل کود سکتا۔ اس کی اس تنہائی میں اگر دل بستگی کا کوئی سامان تھا تو وہ جنگل کے خوبصورت پرندیا ننھے پھول۔ سردیاں شروع ہو گئیں تھیں خوبصورت پھول جنگل میں ہر چہار طرف بکھرے ہوئے دکھائی دیتے تھے جنگل کو اسقدر ہرا بھرا دیکھ کر یوسف بے حد خوش ہوا کرتا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ جب یوسف جنگل کے کنارے کھڑا ہوا خوش رنگ پھولوں اور خوشنما پرندوں کو دیکھ کر اپنا دل بہلا رہا تھا کہ اس نے کہا اگر میں اس ہرے بھرے جنگل میں جا کر اپنی ماں کے لئے خزانہ تلاش کروں تو ضرور پاؤں گا، یوسف یہ سوچ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ راستہ میں اسے ایک جادوگرنی ملی۔ یوسف نے پوچھا۔ "کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ اس جنگل میں خزانہ کہاں ملےگا؟ میں اسے اپنی بوڑھی ماں کو لے جا کر دونگا۔"

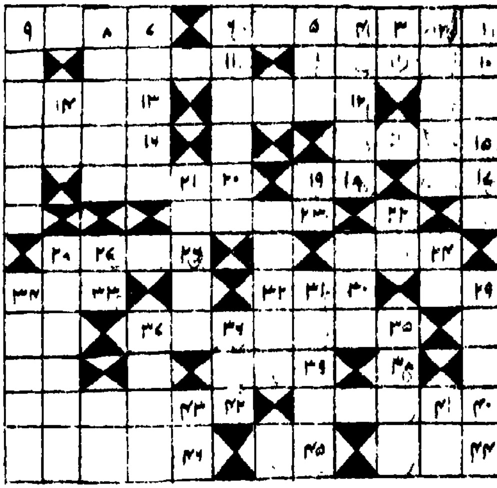
"بیٹا! تمہاری ماں کو خزانہ کی کیا ضرورت ہے اس کے پاس تو دولت خود موجود ہے۔" جادوگرنی نے یہ کہا اور غائب ہو گئی۔

یوسف نے جادوگرنی کی اس بات پر کوئی توجہ نہ کی اور آگے بڑھ گیا۔ وہ گھنٹوں جنگل میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے اور کہاں خزانہ تلاش کرے کہ یکایک اس کی نظر ایک بونے پر پڑی یوسف نے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ مجھے اپنی ماں کیلئے جو بہت غریب ہے اور… خزانہ کہاں ملیگا؟" بونے نے ہنس کر کہا "کیا خوب! آپ اور خزانہ کی تلاش! تمہاری ماں کو دولت کی کیا ضرورت؟ اس کے پاس تو خود ایک بڑی اچھی دولت ہے"

یہ کہکر بونا یکایک نظر سے غائب ہو گیا۔

یوسف متحیر تھا کہ آخر کیا بات ہے جادوگرنی اور بونے دونوں نے میرے سوال کا ایک ہی سا جواب دیا یوسف کو سخت افسوس تھا کہ اس کی ماں نے اب تک اس سے خزانہ کو کیوں چھپائے رکھا۔ وہ یہی سوچتا ہوا جنگل سے گھر پہنچ گیا۔ یہاں آ کر یوسف نہایت رنجیدہ ہو کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ یوسف کی ماں دوڑی ہوئی آئی اور پوچھنے لگی "بیٹا! کہاں گئے تھے؟ میں بڑی دیر سے تمہارا رستہ دیکھ رہی ہوں" یوسف نے جادوگرنی اور بونے کی ملاقات کا سارا حال ماں کو سنایا۔ ماں نے یوسف کو گلے لگایا اور کہا بیٹا جادوگرنی اور بونے دونوں نے سچ کہا ہے۔ میری دولت تو تم ہی ہو

سترھواں انعامی معمہ



تشریح - یہ ایک معمہ ہے جس میں دائیں سے بائیں کو اور اوپر سے نیچے کو دونوں طرح سے لفظوں کے حروف مخفی رکھے گئے ہیں، صرف ان کے اشارے کے لئے ان لفظوں کے معانی اور مفہوم کی نیچے تشریح کر دی گئی ہے اور معمہ کے اس خانہ میں جہاں سے وہ لفظ شروع ہوتا ہے نمبر ڈال دیا گیا ہے اور جہاں لفظ ختم ہوتا ہے، اس خانہ کو بھر دیا گیا ہے انہی نمبروں کی ترتیب اور نیچے کی تشریح سے تمام لفظوں کو پورا کرنا ہے۔

ہدایات - (۱) اس معمہ کے صحیح حل بھیجنے پر اول انعام مبلغ پانچ روپیہ قیمت کا اور دوسرا انعام مبلغ ڈھائی روپیہ قیمت کا دیا جائیگا۔ (۲) ہر حل کے ساتھ ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ (۳) تمام حل ۲۰ اکتوبر تک اس پتہ پر پہنچ جائیں۔

عبدالرحمٰن معرفت جناب محمد الدین صاحب براندرتھ روڈ - لاہور -

جنرل سکرٹری این - ڈبلیو - آریفین

دائیں سے بائیں کو

۱- یوپی کے گورنر نے جہاں حلف وفاداری اٹھایا تھا۔
۲- ..... جو تین طرف پانی سے گھرا ہو۔
۱۰- طویل قامت -
۱۱- دریا کے کنارے کی زمین۔
۱۲- تمباکو میں ڈالا جاتا ہے (الٹکر)
۱۳- خاتون (الٹکر)
۱۵- پینے کی ایک چیز (تیسرے حرف کو چوتھے کی جگہ رکھ کر)
۱۶- کھیل میں پھینکنے کی ایک چیز (انگریزی میں)
۱۷- اس اگر "قان" جوڑ دیا جائے تو بیماری ہو جائے۔
۱۸- ۳۰ (الٹکر)
۲۰- جو شادی میں دیا جاتا ہے (الٹکر اور آخر حرف کو "ج" سے بدل کر)
۲۳- لوہے سے کام کرنے والا (الٹکر)
۲۴- اردو کا سب سے بڑا اور مشہور شاعر -
۲۹- خواہش -
۳۱- حالت -
۳۳- مشکل کام -
۳۵- سورج کی تعریف -
۳۹- جو تل سے بنتا ہے -
۴۰- ۱۱۱۱
۴۲- الوداع -
۴۴- حرف کی ایک قسم ہے -
۴۵- قلم کی زبان -
۴۶- گھڑی کا ایک پرزہ

اوپر سے نیچے کو

۱- جنکے پاس ایک عجیب و غریب چراغ تھا۔
۲- جہاں کے "انقلاب" اور "زمیندار" نکلتے ہیں۔
۳- جسکا استعمال ایک اوڈیٹر تنہا اپنے لئے کرتا ہے۔
۴- ویرانی کی ضد ہے -
۵- جسکا اٹھانا مشکل ہو -
۶- جس عورت کی شادی نہ ہوئی ہو۔
۷- عورتوں میں جو سب سے پہلے اسلام لائیں
۸- ملک کے بڑے بڑے لیڈروں کا پیشہ
۹- "والا" اور جوڑ دیا جائے تو انگریزی ہ[illegible] حکومت کے بہت بڑے منظالم کی یادتازہ ہو جائے -
۱۴- XXX (الٹکر)
۱۹- جس کے کٹ جانے سے سردار، سردار نہیں رہتے -
۲۱- دموالی کے ساتھ اکثر بولا جاتا ہے (الٹکر) -
۲۲- دہائیوں میں سب سے پہلا عدد -
۲۷- گیلا -
۲۸- سویرے سویرے جگایا اسی نے
بچھونے سے تم کو اٹھایا اسی نے
سبق یاد سارا کرایا اسی نے
جو کرنا ہے کرو بتایا اسی نے
۳۱- پنجاب کا ایک مشہور شہر جہاں کی مٹی مشہور ہے -
۳۲- بیچ کا حرف اور جوڑ دینے سے ان پڑھو کے معنی ہو جاتے ہیں۔
۳۴- دہلی کا سب سے کم قیمت اخبار۔
۳۵- چالاک -
۳۶- کڑوا -
۳۷- ابوحنیفہ بن علی کی والدہ کے باپ کا نام۔
۳۸- دوست -
۴۱- ۱۰ + ۱
۴۳- یک بیک ڈر گیا کچی کا ٹوٹ اور کچی گری ہاتھ سے منھ کے چھوٹ اس میں یہ لفظ دوبارہ آیا ہے -

---

ایک ضروری اعلان

گزشتہ چند معموں کے انعامات جن صاحبوں کو اب تک نہیں ملے ہیں وہ اطمینان رکھیں عنقریب ان کی خدمت میں پہنچ جائینگے

(اڈیٹر)

چودھویں معمہ کا نتیجہ

اس کا حل

"شق ہوگیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیفِ پردہ داریٔ زخمِ جگر گئی"

ہے اور یہ شعر غالب مرحوم کی ایک نہایت مرصع غزل کا ہے۔ چونکہ بعض بہنوں اور بھائیوں کی سمجھ میں مصرعۂ اولیٰ کے پانچویں نقطہ کی ترکیب معمہ نہیں آئی ہے اور بعض نے اسی بنا پر اعتراض بھی کئے ہیں اس لئے میں اس کی تشریح مناسب سمجھتی ہوں۔ اس نقطہ کے خانہ میں 'س' اور 'ہ' دو حرف لکھے گئے ہیں۔ حرف 'س' کے بیان ملفوظی حروف قائم کئے گئے ہیں یعنی "س۔ ی۔ ن" کیونکہ یہ حرف لفظی صورت میں 'سین' ہی بولا اور لکھا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے 'س۔ ی۔ ن' + 'ہ' مکمل 'سینہ' ہوا۔

ایک غلط فہمی ناظرین اور ناظرات "پیام تعلیم" کو یہ در پیش ہے کہ قرعہ اندازی سے انعام کا فیصلہ کئے جانے کے نوٹ کے سہواً عدم اندراج کے باعث یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر مرسل حل صحیح کو انعام دیا جائے گا۔ اگرچہ یہ مقصود نہ تھا اور نہ ہے۔

ہر معمہ پر صرف ایک انعام دیا جا سکتا ہے ورنہ معموں کی اشاعت میرے خیال میں بہت دشوار ہو جائے گی۔ بہر حال اس سہو کے باعث ہر صحیح حل کو ایک ایک انعام دیا جائے گا جو اگرچہ حسب اعلان قرعہ نقد نہ ہوگا لیکن اسی قدر ضرور ہوگا۔ انعام اکتوبر کے آخر ہفتہ تک انشاء اللہ روانہ ہو سکے گا۔

اس معمہ کے ۱۶ حل وصول ہوتے اور سوائے ایک طالب علم مسمی عزیز الرحمٰن خاں صاحب درجہ ہشتم۔ گورنمنٹ ہائی اسکول بریلی کے سب صحیح تھے۔ جن کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

(۱) قاضی محمد مطیع الرحمٰن صاحب۔ جوگندر نگر۔
(۲) شبلی صاحب۔ شب خیز از اسلامیہ اسکول۔ کوہاٹ۔
(۳) سردار خاں صاحب طالب علم درجہ ہشتم مڈل اسکول۔ دولت نگر ضلع گجرات۔
(۴) مرزا محمود احمد بیگ صاحب۔ جماعت ثانوی اول۔ نمبر ۱۲۔ اقبال منزل۔ جامعہ دہلی۔
(۵) جمال اختر صاحب زبیری سلمہٗ خلف ہلال احمد صاحب زبیری۔ الجمعیت۔ دہلی۔
(۶) اشفاق حسین صاحب جلیسری طالب علم جماعت ثانوی دوم جامعہ۔ دہلی۔
(۷) مختار احمد صاحب۔ طالب علم ابتدائی چہارم۔ جامعہ ملیہ برانچ اسکول۔ بارہ ٹوٹی۔ دہلی۔
(۸) مسٹر سیفی صاحب۔ ایم اے۔ ایل ایل بی۔ مظہر منزل۔ بلند شہر
(۹) ش۔ ب۔ قریشی معرفت خان صاحب حافظ محمد ابراہیم صاحب نینی تال روڈ۔ بریلی۔
(۱۰) ح۔ ب۔ صاحبہ۔ قائم گنج (یہ بہن صاحبہ اپنا مفصل پتہ براہ کرم تحریر فرمائیں)
(۱۱) مسٹر سید ظہیر الدین احمد صاحب۔ ایم اے۔ ایل ایل بی وکیل فتح گڈھ۔
(۱۲) محمد اجتبیٰ علی صاحب طالب علم درجہ ہشتم علیم مسلم ہائی اسکول کان پور۔
(۱۳) سید محمد صدیق حسن صاحب۔ محلہ پارہ پائن۔ بہار شریف۔
(۱۴) اقبال احمد صاحب۔ سلطان منزل۔ گیا۔
(۱۵) حکیم محمد صدیق صاحب بھوپالی۔ محلہ دھولی واڑہ برہانپور
(۱۶) ز۔ س۔ صاحبہ بنت جناب محمد اسحاق صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ علی گڑھ۔
(۱۷) عبداللطیف العدی درجہ دوم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ۔

بچوں کا کتب خانہ

دنیا کے بسنے والے

حبشیوں - امریکہ کے پرانے باشندوں - وسط افریقہ کے بونوں اور جاپانی، سویٹزرلینڈ وغیرہ ملکوں کے لوگوں کے حالات جن کو بچے پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ یہ بشیر حسین زیدی صاحب بی اے (آنرز) بیرسٹر لا، ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علیگڑھ نے بچوں کے لئے آسان زبان میں لکھی ہے۔ کتاب میں تقریباً ۵۰ تصویریں ہیں جس سے کتاب کی دلچسپی بہت بڑھ گئی ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے۔ ٹائیٹل خوبصورت اور رنگین - قیمت صرف ۲ر

تاریخ ہند کی کہانیاں

بنت نصیرالدین تیموریہ نے سینکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی تاریخی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں لکھی ہیں کہ کوئی بچہ کتاب شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑ نہیں سکتا۔ ماں باپ یہ کتاب اپنے بچوں کو اس لئے دیتے ہیں کہ اسے پڑھ کر بچوں کو تاریخی معلومات ہوتی ہیں اور بچے اسے پڑھتے ہیں کہ قدیم ہندوستان اور اس کے باشندوں کے متعلق اس سے زیادہ دلچسپ کہانیاں انھیں نہیں مل سکتیں - قیمت صرف ۱۲ر

بچوں کی کہانیاں

اس کتاب میں [illegible] کی بہادری اور ہمت و جرأت کی چند سچی اور تاریخی کہانیاں ہیں جنہیں پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے اور [illegible] بچوں کی طرح [illegible] بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتاب بھی قریب قریب ختم ہو چکی ہے۔ صرف چند باقی رہ گئی ہیں۔ اگر [illegible] سمجھیگا تو پھر دوسری بار چھپنے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ آج ہی منگا بھیجئے۔ قیمت صرف ۴ر

گدھے کی آپ بیتی

یہ کوشل صاحب کی پُرمذاق کتاب ہے۔ اس میں ایک بہت بڑے تجربہ کار گدھے نے اپنی زندگی کے بہت مزیدار حالات بیان کئے ہیں اور ان لوگوں کا [illegible] گدھا دھوبی [illegible] کیسے [illegible] بھاگ نکلا [illegible] میں رکھ دیا [illegible] کی گردھا دوڑیں [illegible] اور کیسی [illegible] بہت ہنسی آتی ہے [illegible] جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا ہو بے اختیار ہنس دیتا ہے - قیمت ۱۰ر

بہار کے پھول

جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری [illegible] عمدہ نظموں کا مجموعہ جس میں عید، شب برات اور دیوالی [illegible] گنگا اشنان، بڑا دن، بسنت اور برسات کے موسم پر بہت ہی پیاری نظمیں ہیں [illegible] بھی مزیدار نظمیں ہیں۔ اسے ہر بچہ [illegible] پڑھتا ہے [illegible] نظمیں - قیمت ۸ر

چین چن

اس [illegible] ایک موچی چن چن کی [illegible] دوست کی [illegible] اور گاؤں [illegible] کے علاج سے [illegible] کچھ فائدہ نہ ہوا [illegible] کی باتیں [illegible] جنگل میں گیا [illegible] چوری کی توبہ کر اکر اس سے گاؤں ٹھیک کر دیئے -

قیمت ۵ر

سیرت پاک

ہمارے نبیؐ

خدا کے پیارے ہمارے نبی محمد مصطفےٰ کی پاک زندگی کی کہانیاں نہایت آسان زبان میں - اس کتاب میں بچے [illegible] دیکھا ہے [illegible] ہو جاتا ہے۔ بچے مزے لے کر پڑھتے ہیں۔ تھوڑی سی خوبصورت کتاب ہے۔ اسکے لکھنے والے ہندوستان کے مشہور پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم اے ہیں۔ صرف چند کتابیں باقی رہ گئی ہیں [illegible] ورنہ دوسری بار چھپنے کا انتظار کرنا پڑے گا -

قیمت صرف ۴ر

سرکار کا دربار

[illegible] الیاس صاحب مجیبی - رسول مقبول صلعم کی سیرت پر بچوں کیلئے آسان اور دلکش انداز بیان میں پیدائش سے وفات تک کے مقدس حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ تمام واقعات آنکھوں اور بچوں کے دماغ پر گہرا اثر کرتے ہیں۔ خانہ کعبہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کی عکسی تصویریں سرورق نہایت دلکش و خوبصورت جس پر روضہ پاک کی خوبصورت تصویر نے چار چاند لگا دئے ہیں۔ کتابت اور طباعت نہایت پاکیزہ - حجم تقریباً ۲۰۰ صفحات

قیمت ۱۲ر

ہمارے رسول

خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی [illegible] ہیں قرآن شریف کی تفسیر [illegible] لیکن [illegible] یہ کتاب لکھی ہے جس میں حضور اکرم صلعم کے حالات [illegible] اتنی سہل اور طرز بیان ایسا [illegible] کام کرنے اور رسول خدا کے [illegible] ہوتا ہے - قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیامِ تعلیم

ایڈیٹر:- سعید انصاری بی اے (جامعہ)

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ ر

ششماہی عہ ر

فی پرچہ ۱ر

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ للعہ ر

نصف صفحہ عہ ر

چوتھائی صفحہ ۳ ر

جلد ۵ | ۲۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء | نمبر ۱۲

جلبھائی دوراب جی بھاروا

بچوں کا ایک سچا محب

یہ شخص مقام دمن میں ایک پارسی خاندان میں پیدا ہوا انکا ابتدائی تعلیم تقریباً گھر ہی پر ہوئی حاصل کی۔ ۱۸۸۲ء میں بمبئی یونیورسٹی سے میٹرکولیشن پاس کیا اس کے بعد الفنسٹن کالج میں داخل ہوگیا۔ یہاں اس نے اپنی ذہانت اور قابلیت سے بہت شہرت حاصل کی۔ اسی زمانہ میں الفنسٹن کالج میں طلبا کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو زندگی کے ہر شعبہ میں امتیاز و شہرت حاصل کرنا چاہتی تھی، جلبھائی بھی تھوڑے ہی دنوں میں اس جماعت میں شامل ہوگئے۔ انھوں نے بی۔ اے کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا اور تمام کالج میں اول آئے جس پر انھیں دکشنا فیلوشپ عطا کیا گیا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد وہ ایم اے میں داخل ہوئے لیکن قدرت نے انھیں کسی اور بڑے کام کے لئے منتخب کرلیا تھا، چنانچہ عین اس موقع پر جب کہ وہ امتحان کی تیاری کررہے تھے، ان کی تندرستی نے انھیں یک قلم جواب دیدیا۔ اور انھیں نئے سرے سے دوسرا کام تجویز کرنا پڑا۔ وہ بمبئی کے فورٹ ہائی اسکول میں

بطور معلم کے ملازم ہوگئے دو سال کام کرنے کے بعد انھوں نے خود ایک اسکول بالکل نئے اصولوں پر کھولنا چاہا۔ اسی زمانہ میں ان کی ایک دوسرے پارسی کیقباد کیمر زبان سے ملاقات ہوگئی جو خود بھی اسی قسم کے خیالات رکھتے تھے۔ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی بڑا سرمایہ نہ تھا، پھر بھی انھوں نے اپنے بل بوتے پر اس کام کے شروع کرنے کا تہیہ کرلیا۔ ان دونوں شخصوں کے نام سے صوبہ بمبئی کا بچہ بچہ واقف ہے اور ہزاروں نوجوان بمبئی میں ایسے ہیں جو اپنے بہترین جذبات و خیالات کے لئے ان دونوں ہستیوں کے رہین منت ہیں۔ خود ان دونوں شخصوں کا باہمی اتفاق و اتحاد دیکھنے والوں کے لئے ایک بہت فرحت افزا اور نصیحت آموز سبق تھا اور ان میں کبھی کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ پر ایک دوسرے سے اختلاف نہیں ہوتا تھا۔

بہرحال، یہ اسکول ۱۸۹۱ء سے جاری ہوا اور پہلے ہی دن ۲۰۰ سے زائد طلبا داخل ہوئے اسوقت سے یہ اسکول برابر ترقی کرنے لگا آج اس میں کوئی ۲۴۰۰ طلبا ہیں۔ سب سے بڑا فخر اسے یہ حاصل ہے کہ اپنی زندگی کے اس ۳۸ سال میں اس نے ایک پیسہ امداد بھی گورنمنٹ سے نہیں

کاشی ودیا پیٹھ

چند ماہرین تعلیم اور قوم پرست حضرات نے ایک ایسی درسگاہ قائم کرنیکا ارادہ کیا جہاں سے وطن پرست اور قوم پرست طلبا نکلیں جو محنت، مشقت اور ہاتھ سے کام کر کے اپنی روزی کمائیں اور جن میں قربانی و ایثار کا مادہ موجود ہو۔ انھیں دنوں میں تحریک ترک موالات شروع ہوئی اور بنارس کے بابو بھگوان داس اور شیو پرشاد گپتا نے اس موقع کو غنیمت جانکر ایسی درسگاہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ [illegible] فروری ۱۹۲۱ء کو مہاتما گاندھی نے اسکا افتتاح کیا اور اس کا نام کاشی ودیا پیٹھ رکھا گیا۔ دنیا کی بڑی درسگاہیں کیمبرج آکسفورڈ وغیرہ اور امریکہ و جاپان کی بڑی درسگاہیں حکومت کے اثر سے بالکل آزاد ہیں، اسی طرح اس وقت یہ فیصلہ کیا گیا کہ ودیا پیٹھ کو نہ تو موجودہ حکومت اور نہ قومی حکومت سے کسی قسم کا تعلق ہوگا ہاں قومی حکومت اس کو بغیر کسی شرط کے منظور کر سکتی ہے۔ اس وقت اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا کہ ذریعہ تعلیم ہندوستانی زبان ہوگی اور صنعتی تعلیم اس کا ایک بڑا مقصد ہوگا۔

اس یونیورسٹی کے چار شعبے ہیں، کالج، اسکول، صنعتی شعبہ، شعبہ اشاعت و تالیف۔

۱۔ **کالج**۔ کسی قومی یا سرکاری یونیورسٹی کا میٹرک پاس کالج کے پہلے سال میں داخل ہو سکتا ہے۔ ہندی انگریزی اور سنسکرت لازمی مضامین ہیں تاریخ، معاشیات، سیاسیات اور فلسفہ میں سے ایک مضمون لینا پڑتا ہے۔ دوسرے سال میں پہلے سال کا ایک اختیار کردہ مضمون اور انگریزی کافی ہے۔ تعلیم تقریباً مفت ہے۔ پچاس مستحق طلبا کو دس دس روپیہ ماہوار وظیفہ بھی ملتا ہے۔ کھدر پہننا اور روزانہ آدھ گھنٹہ چرخہ چلانا طلبا کے لئے لازمی و ضروری ہے۔ امتحان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک میٹرکولیشن، دوسرا شاستری۔ پہلا امتحان دوسری درسگاہوں کے ایف۔ اے کے برابر اور شاستری ایم۔ اے کے برابر ہوتا ہے۔ اب تک کوئی چار سو طلبا پہلے امتحان میں اور چھتیس طلبا دوسرے امتحان میں کامیاب ہو کر فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔ شاستری کے کامیاب طلبا کو کانووکیشن کے موقع پر ڈگریاں دی جاتی ہیں اور اب تک چار کانووکیشن ہو چکے ہیں جن میں ملک کے مشہور لوگوں نے طلبا سے خطاب کیا ہے۔ کامیاب طلبا بالکل آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بعض مختلف انجمنوں کی زیرِ سرکردگی مختلف اصلاحی کام کر رہے ہیں۔ بعض مختلف درسگاہوں میں پروفیسر اور استاد ہیں۔ بعض ہندی ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ بعض اخباروں کے اوڈیٹر ہیں اور کئی شانتی نکیتان میں فرانسیسی اور جرمنی زبان سیکھ رہے ہیں تاکہ باہر کے ممالک میں جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

۲۔ **اسکول**۔ تحریک ترک موالات کے زمانہ میں اس درسگاہ سے کئی اسکول ملحق تھے لیکن اب بہت کم رہ گئے ہیں۔

۳۔ **صنعتی شعبہ**۔ صنعتی شعبہ اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ طلبا در بدر روٹی کے لئے مارے مارے نہ پھریں بلکہ صنعت کی وجہ سے بالکل آزاد زندگی بسر کریں۔ اس شعبہ کے چھ حصے تھے لیکن اب صرف تین رہ گئے ہیں یعنی نجاری کا کام،

۴۔ **شعبہ اشاعت و تالیف**۔ یہ شعبہ کئی مفید کتابیں شائع کر چکا ہے اور کر رہا ہے، ہر سال ہر پروفیسر کو ایک نہ ایک کتاب ضرور ہی لکھنا پڑتی ہے۔ تاریخ اور سیاسیات پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ودیا پیٹھ میں کل ۲۵ پروفیسر اور اساتذہ ہیں جو بہت لائق اور تجربہ کار ہیں یہ حضرات صرف اپنی ضروریات کے لئے کم سے کم تنخواہیں لیتے ہیں۔ بابو بھگوان داس مشہور فلسفی اس جامعہ کے امیر ہیں۔

تقریباً تمام طلبا دار الاقاموں میں رہتے ہیں۔ ان سے کسی قسم کی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی۔ بیماری کے زمانہ میں انھیں ہر قسم کی طبی مدد دی جاتی ہے۔ تمام طلبا کا ڈائننگ ہال میں کھانا ہوتا ہے۔ اکثر پروفیسر بھی طلبا کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ یوم تاسیس کے موقع پر تمام بھائیوں کو جو باہر سے آتے ہیں ایک دعوت دی جاتی ہے۔ ودیا پیٹھ سادہ زندگی اور اعلیٰ خیالی یعنی (Plain Living and High Thinking) کا عمدہ نمونہ ہے۔ طلبا کو سوائے کھانا پکانے کے باقی تمام کام اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتے ہیں۔ دوسرے کالجوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جہاں ۳۰ سے لیکر [illegible] روپیہ تک طلبا خرچ کرتے ہیں یہاں [illegible] روپیہ کافی ہیں۔

اسکول شروع ہونے سے پیشتر ایک قومی گیت گایا جاتا ہے۔ پھر پڑھائی صبح کے وقت ہوتی ہے تاکہ شام کو طلبا صنعتی شعبہ میں کام کر سکیں۔ جماعتیں درختوں کے نیچے ہوتی ہیں۔ مختلف مضامین پر تقاریر

کے لیکچروں کا بھی انتظام ہے۔ طلبا تمام صوبوں سے یہاں آتے ہیں لیکن یوپی اور بہار کے لڑکوں کی کثرت ہے۔

بابو شیو پرشاد گپتا نے اپنا ایک نہایت ہی قیمتی کتب خانہ جس میں پندرہ ہزار کتابیں ہیں اس درسگاہ کو دے دیا ہے۔ لیکن چونکہ ابھی اس کے لئے کسی عمارت کا انتظام نہیں ہوا ہے اس لئے بابو صاحب سے ابھی صرف دو ہزار کتابیں لی گئی ہیں۔ ودیاپیٹھ نے خود اپنے فنڈ سے ایک ہزار کتابیں خریدی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ریڈنگ روم بھی ہے جس میں تمام زبانوں کے اخبارات و رسائل آتے ہیں۔

اس درسگاہ کے پروفیسر اور طلبا قومی اور اصلاحی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ اور فی الحال پروفیسروں نے بنارس میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔

ودیاپیٹھ نے کوئی آٹھ ایکڑ زمین خریدی ہے اور دو عمارتیں بھی بنائی ہیں۔ لیکن کچھ عمارتیں ابھی تک کرایہ پر بھی ہیں۔ یہ سب عمارتیں بنارس کینٹ اسٹیشن سے پانچ منٹ کے فاصلہ پر ہیں۔

قومی تعلیم کے سلسلہ میں ایک تعلیمی کانفرنس کا بھی انعقاد کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ کانفرنس صرف ایک ہی سال بنارس میں ہوئی، جس میں تقریباً ۸۰ نمائندے شریک ہوئے، ودیاپیٹھ، قومی کالج بنارس، میڈیکل کالج بمبئی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، گجرات ودیاپیٹھ وغیرہ وغیرہ سے شامل ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں کئی مفید تجاویز بھی منظور ہوئیں۔

بابو شیو پرشاد گپتا اس درس گاہ کے بانی مبانی ہیں۔ انھوں نے اپنی دس لاکھ روپیہ کی پوری جائداد اس کے لئے وقف کر دی ہے۔ اور بہت سے لوگ بھی ماہوار کچھ نہ کچھ دیتے ہیں۔ (مترجمہ سید نعیم احمد از ماڈرن ریویو)

(بقیہ مضمون صفحہ ایک)

لی ہے اور نہ کوئی چندہ مانگا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں اس کی (پچیس سالہ) سلور جوبلی منائی گئی جس میں اسکول کے طلبائے قدیم نے بطور نذر عقیدت کے ایک نہایت معقول رقم پیش کی۔ یہ رقم ان اساتذہ کے لئے وقف کر دی گئی ہے جو بسلسلۂ علالت، پہاڑ پر جانا چاہیں، جہاں ان کیلئے ایک مخصوص مکان بھی بنوا دیا گیا ہے۔

مسٹر ہارڈ ایک نہایت بہتر معلم تھے۔ وہ جس مضمون کو لیتے، اسے اس طرح پڑھاتے، گویا وہی ان کا خاص مضمون ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ہر مضمون کا نہایت شوق اور محنت کے ساتھ مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ان کا اصل مضمون سائنس تھا جسے وہ لڑکوں کے دل میں بٹھا دیتے تھے۔ بات اصل یہ تھی کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ نئی نئی کتابیں منگواتے تھے اور اس وقت تک ان کو علیحدہ رکھتے تھے جب تک کہ انھیں پڑھ نہیں لیتے تھے۔ یہ سب کچھ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ لڑکوں کے لئے کرتے تھے۔

ہفتہ کا دن ان کے خاص لیکچر کے لئے مقرر تھا، وہ اکثر لیکچر میجک لالٹینوں کے ذریعہ دیتے تھے جن کے سلائیڈ خود وہیں کے لڑکے تیار کرتے تھے۔

۱۹۰۳ء میں انھوں نے یورپ کا ایک طویل سفر کیا تاکہ جدید تعلیمی معلومات سے فائدہ اٹھائیں۔ دوران قیام میں انھوں نے زیادہ حصہ جرمنی میں گذارا تین مہینے وہ لندن میں رہے تاکہ برٹش میوزیم کے بعض ضروری حصوں سے استفادہ کریں۔ واپسی میں وہ مصر میں اترے اور وہاں کے تاریخی اور قدرتی مناظر کا مطالعہ کیا۔ ہندوستان میں بھی انھوں نے بہت کافی سفر کیا جس کی غرض صرف یہ تھی کہ یہاں کے رسم و رواج، نباتات و حیوانات اور مختلف نسل و قومیت کے لوگوں کے متعلق بخوبی تجربہ حاصل کریں۔ وہ سفر کرنے اور پیدل چلنے کے بہت عادی تھے۔ ۱۹۱۵ء میں کا سفر ان کے لئے کچھ مشکل معلوم ہوتا تھا۔ وہ غذا میں بہت احتیاط رکھتے تھے اور عموماً کم کھاتے تھے۔

ایک بڑی بات ان میں اور تھی اور وہ یہ کہ ان کے درس و تدریس کا سلسلہ صرف ان کے اسکول تک محدود نہ تھا بلکہ بمبئی کا ہر طالب علم ان سے یکساں مستفیض ہو سکتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ وہ طلبا کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت کی اتنی فکر رکھتے تھے جتنی کوئی والد یا سرپرست بھی نہیں رکھ سکتا ہے۔ وہ لڑکوں سے بے حد محبت کرتے تھے جیسا کہ ان کے تبسم آمیز چہرہ یا مسرت افزا گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا۔ وہ لڑکوں سے باتیں کرنے میں نہایت خندہ پیشانی اور لطائف و ظرائف سے کام لیتے تھے۔ وہ مصیبت کے وقت لڑکوں کی اعانت بھی اسی خندہ پیشانی سے کرتے تھے۔ غرض وہ بچوں کا ایک مخلص اور سچا محب تھا جس نے ان کیلئے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ آؤ، اس کے نام پر ہم سب رحمت بھیجیں۔

سعید انصاری

رفتار تعلیم

ایک جرمن پروفیسر سائنس داں کی عزت افزائی

کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ نے مسٹر ہیکارنیم۔ پی۔ کو یونیورسٹی میں ۱۹۲۸ء کے لئے کملا کی نشست پر منتخب کیا ہے۔ آپ ہندوستانی تہذیب کے نصب العین پر لکچر دیں گے۔

وائس چانسلر کی تحریک پر سینٹ نے یہ بھی طے کیا کہ میونخ یونیورسٹی کے پروفیسر آرنلڈ سومر فیلڈ کو یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری دی جائے۔

ہندوستانی طلبا اور مشق پرواز

یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حکومت ہند کے بھیجے ہوئے طلبا جو کہ لینڈ متصل لندن کے مدرسہ پرواز میں قابل اطمینان ترقی کر رہے ہیں ان میں سے تین نے درجہ اول کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا ہے۔ چند روز ہوئے کہ ایر وائس مارشل سر سٹیفنس برینکر نے ان کا امتحان لیا تھا۔ اور ان کی ترقی پر اظہار اطمینان کیا تھا۔ ان طلبا نے چند ماہ سے ہی پرواز کی مشق شروع کی ہے۔ اس لحاظ سے ترقی شاندار ہے۔

آئی۔ سی۔ ایس کے امتحانات کے نتائج

انڈین سول سروس کے نتیجۂ امتحانات کے نقشہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستانی طلبہ میں سے کسی نے اسی فیصدی نمبر نہیں حاصل کئے ہیں۔ کامیاب طلبا میں ۱۴ مسلمان۔ ایک ہندو۔ ایک صوبہ متحدہ کا ہندوستانی عیسائی اور دو برمی ہیں۔

لڑکیوں کے مدرسے جدا ہوں

ہرٹوگ کمیٹی نے اپنا کام ختم کر دیا۔ وزیر تعلیم سے ایک غیر رسمی گفتگو کے بعد کمیٹی سکندرآباد چلی گئی۔ آئی۔ ایچ لونا ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے شہادت دیتے ہوئے اپنے بیان میں کہا کہ مالی امداد کی کمی کی وجہ سے ۱۹۲۲ء سے لڑکیوں کی تعلیم میں اس صوبہ نے بالکل ترقی نہیں کی اور مس موصوفہ نے یہ بھی فرمایا کہ لڑکیوں کے مدرسے لڑکوں سے علیحدہ ہوں۔ اور لڑکیوں کی ثانوی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی جائے۔

مسٹر محمد شاہ ایم۔ ایل۔ سی کمیٹی "تعلیم موپلان" کے رکن نے کہا کہ موپلوں کی تعلیم کو محفوظ اصیغہ میں داخل کیا جائے۔

ہرٹوگ تعلیمی کمیٹی کا حیدرآباد دکن میں ورود

ہرٹوگ کمیٹی ۱۰ر اکتوبر کو حیدرآباد میں پہونچ گئی اور لیڈی حیدری نے دوشنبہ کو اراکین کمیٹی کو "ایٹ ہوم" دیا۔ آپ نے مملکت دکن کی مشاہیر خواتین کو اراکین سے تعارف کرانے کے لئے مدعو کیا تھا۔

طلبائے پنجاب کی کانفرنس

ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب سابق شیخ الجامعہ نے طلبائے پنجاب کی بیسی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے طلبا سے ارشاد فرمایا کہ جب تک آپ طالب علم ہیں آپکا اولین مقصد مطالعہ کرنا ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ آپ کو سیاسی مسائل پر خصوصیت کے ساتھ غور و فکر کرنا چاہئے کیونکہ مستقبل میں ہندوستان کا منتظم بننا ہے۔"

اس کانفرنس میں اور تجویزوں کے علاوہ مندرجہ ذیل تجاویز منظور ہوئیں

۱۔ تعلیم یافتہ اشخاص کی بیکاری کو دور کرنے کے لئے صنعتی درسگاہوں کے کھولنے کا گورنمنٹ سے مطالبہ کیا جائے۔

۲۔ فرقہ وارانہ درسگاہوں کو قومی مفاد کیلئے تباہ کن بتایا گیا۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مفت اور لازمی تعلیم جلد از جلد جاری کی جائے۔ نیز نادار جماعتوں کو تعلیمی وظائف دیئے جائیں۔

افغانستان کا جدید نظام تعلیم

معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ حضرت شہریار غازی افغانستان نے ترکی طرز تعلیم کی تقلید کا عزم بالجزم کر لیا ہے ترکی ماہرین تعلیم کا ایک وفد وہاں پہونچ گیا ہے۔ اور ایک معقول تعداد طلبا اور طالبات کی ترکی بھیجی جائے گی۔

غذائے انسانی کے متعلق جدید تحقیقات

(از جناب سید ابو حمزہ حسنی۔ بھوپال)

جب انسان مریض اور ضعیف ہو جاتا ہے تو طبیب یا ڈاکٹر اس کے لئے ایسی غذا تجویز کرتے ہیں جو مقدار میں کم اور غذائیت میں زیادہ اور سہل الہضم ہو۔ عام طور سے اس کے لئے آبجوش، یخنی یا جو اس کے قریب قریب تر ہیں ہو تجویز کی جاتی ہے۔

جملہ ڈاکٹر اور اطباء اس پر متفق ہیں اس لئے کہ ان کے خیال میں گوشت ہی تمام غذاؤں میں ایسی چیز ہے جو کثیر الغذا ہے۔ لیکن جب ہم کھانے کی چیزوں کو کیمیاوی ترکیب سے تحلیل کرتے ہیں تو عموماً ہم کو صرف تین چیزیں تمام مختلف غذاؤں میں معلوم ہوتی ہیں۔

اول۔ اجزاء پروٹیڈ (مواد لحمیہ) یہ عام طور سے گوشت میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

دوم۔ اجزاء دہنیہ (چکنائی) جو تیل، گھی اور چربی وغیرہ میں ہوتے ہیں

سوم اجزاء نشاستہ شکر جسے کاربوہائیڈریٹ بھی کہتے ہیں پروٹیڈ (مواد لحمیہ) جو انسان کے نمو کے لئے ضروری اور مخصوص ہے خواہ وہ حیوانی ہو یا نباتاتی۔ اجزائے دہنیہ و نشاستہ عموماً بغرض تولید حرارت کے کام آتے ہیں اور ان کی مثال جسم انسان میں دخانی انجن کے ایندھن کی سی ہے۔

اس وقت تک جملہ علماء طب اس اصول کو جو ڈاکٹر کارل بائری نے غذا انسانی کی بابت ترتیب دیا ہے تسلیم کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک متوسط القامت انسان جس کا وزن (۱۵۰) پونڈ سے (۱۶۵) پونڈ تک ہو اور وہ جسمانی یا دماغی مناسب کام بھی کرتا ہو اس کے لئے یومیہ (۱۱۸) گرام اجزائے لحمیہ اور (۵۵) گرام اجزائے دہنیہ اور (۵۰۰) گرام اس قسم کے اشیاء جو نشاستہ اور شکر کے ساتھ مشتمل ہوں یا بالفاظ دیگر ساڑھے نو تولہ اجزاء لحمیہ اور ساڑھے چار تولہ اجزاء دہنیہ اور (۴۰) تولہ اجزائے نشاستہ کی ضرورت ہے۔

اجزائے دہنیہ و نشاستہ جسم انسان میں داخل ہو کر اور جل کر کاربونک بنجاتا ہے اور اس کا پانی بذریعہ سانس و پسینہ و پیشاب خارج ہو جاتا ہے۔ اگر مقادیر سے زیادہ ہوں تو زہریلی ہو کر اور جسم میں رہ کر تکلیف اور نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر اجزائے لحمیہ مقدار سے زائد ہوں تو وہ نائٹروجن بنکر بذریعہ پیشاب خارج ہو جاتے ہیں۔ لیکن فوراً ہی خارج نہیں ہوتے بلکہ تمام جسم کا گشت کرتے ہیں۔ کبھی جسم کے کسی عضو میں نقصان پیدا کرتے ہیں یا کسی خاص مرض کا سبب ہو جاتے ہیں اس لئے اجزائے لحمیہ کی مقدار کو کم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نقصان نہ ہو۔ بعض بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ڈاکٹر کارل کا مقرر کیا ہوا اندازہ جدید تجربہ کے بنا پر غلط ہے پروفیسر شٹینڈن نے مدرسہ یال امریکہ یونیورسٹی میں لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ اگر چہ انسان اپنے اشغال جسمانی اور دماغی میں مشغول رہے اور وہ مقدار جو ڈاکٹر کارل نے اجزائے لحمیہ کی مقرر کی ہے وہ اس سے بہت کم کر دے اور اجزائے دہنیہ اور نشاستہ میں کمی بیشی نہ کرے تو بھی کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ جسم کو اجزائے لحمیہ کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اول گمان کیا جاتا تھا سوائے اون خلایا (سیلس) اعضاء کی ساخت کے جس سے جسم انسانی مرکب ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں اور وہ اس وقت تک جسم میں رہتا ہے جب تک ضرورت ہو اور اگر ضرورت سے زائد ہو تو ان کا نکلنا ہی ضروری ہے چنانچہ بذریعہ پیشاب خارج ہو جاتا ہے اگر اجزائے دہنیہ و نشاستہ و شکر مقدار سے زائد ہوں تو جسم میں جمع ہوتے ہیں تاکہ وقت ضرورت کام آئیں لیکن وہ بھی جسم کو تکلیف اور نقصان دیتے ہیں اور عضلات میں داخل ہو کر جسم کو نقصان پہنچاتے اور سوء ہضم کا بھی باعث ہوتے ہیں۔

اجزائے لحمیہ صرف گوشت میں ہی نہیں ہوتے بلکہ بہت سے نباتی دانوں میں بھی ہوتے ہیں مثلاً مسور، چنا، لوبیا، باقلا وغیرہ اسی وجہ سے مویشی کے لئے یہ چیزیں کافی ہو کر ان کی قوت جسمانی و حرارت کو قائم رکھتی ہیں بہت سے ایسے انسان بھی ہیں کہ وہ صرف نباتاتی ہی غذا پر اکتفا کرتے ہیں اور گوشت کو مطلق استعمال نہیں کرتے لہذا ترک گوشت صحت کے لئے مفید اور مفاد میں ایک گونہ کمی کا باعث ہوگا۔ اور بشرط ضرورت اجزائے لحمیہ کی قائم مقامی یہ نباتاتی اشیاء مذکورہ بالا پورا کر دیں گی۔ اور جو لوگ بسبب مرض ٹائیفائیڈ بخار (موتی جھرہ) ضعیف ہو جائیں گے وہ بھی بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی طاقت مذکورہ اشیاء کے استعمال سے حاصل کریں گے۔

ہم ایک ایسے شخص سے واقف ہیں جس پر ٹائیفائیڈ کا سخت حملہ ہوا تھا

اور تقریباً ہمیں سیر اس کا وزن کم ہو گیا تھا اس نے اپنی کمی ستّو دن میں پوری کر لی یعنی (۸۰) گرام روزانہ وہ بڑھتا رہا اور یہ نادر مثال ہے کہ چوبیس گھنٹے میں اتنا عظیم تغیر ہوا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اجزائے لحمیہ جب تک اس کی ضرورت نہ ہو جسم انسانی میں جمع نہیں ہوتے۔ جاپانی لشکر کے سپاہیوں نے اس کا ثبوت روز روشن کی طرح دے دیا کہ انسان سخت سے سخت جسمانی اور دماغی کام کر سکتا ہے اگرچہ اس کی غذا میں گوشت کی مقدار بہت کم ہو۔

انسان عادت کا بندہ ہے اگر گوشت خوری کی عادت ہے تو بغیر گوشت کے کھانا بے مزہ معلوم ہوگا چنانچہ اس کو نہ چھوڑے گا اس لئے کہ کھانے کی لذت بھی ہضم میں معاون ہے لیکن وہ گوشت کی مقدار کو آسانی سے رفتہ رفتہ کم کر سکتا ہے اور اس سے اسکو کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی اور جو نقصان گوشت سے پہنچنے والا ہے اس سے محفوظ ہو جائیگا۔ اگر کوئی بچہ گوشت نہ کھائے تو ضروری نہیں ہے کہ اس کو گوشت کی رغبت دلائی جائے بلکہ اس کو غذا خوب چبا کر کھانے کی عادت ڈالنا چاہئیے کیونکہ اچھی طرح چبائی ہوئی غذا سہل الہضم اور کافی غذائیت رکھتی ہے۔

دوستی

(از مرزا محمد عسکری مجازی لکھنو)

دوستی کی بنیاد خودغرضی پر ہے اسلئے اگر کسی شخص کو ہم سے منفعت پہنچ رہی ہے تو وہ ہمارا دوست ہے۔ اور جب تک منفعت کا درجہ مضرت سے زائد ہے اس کی دوستی برقرار رہتی ہے، اور جب منفعت اور مضرت ایک ہی درجہ پر پہونچ جاتے ہیں تو نہ دوستی رہتی ہے نہ دشمنی بلکہ معمولی حالت رہتی ہے، مگر جب مضرت کا درجہ منفعت سے تجاوز کر جاتا ہے، تو وہی دوستی دشمنی سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ شے جو دوستی کی جان ہے جسے محبت کہتے ہیں اس کی بھی اس سے زائد کچھ حقیقت نہیں، کہ جب وہی خودغرضی جب ایک عرصہ تک وابستہ رہتی ہے تو آہستہ آہستہ وہ محبت بنجاتی ہے، اسکا احساس سطحی نظر سے نہیں ہوتا اور یہی خودغرضی ہے جو باپ اور بیٹے، بھائی اور بہن، زن و شوہر، دوست اور دوست، غرض تمام اعزہ، تمام احباب اور تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے جو کہ مختلف معاملوں میں مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے کہیں محبت پدری کہلاتی ہے اور کہیں رفاقت۔ چنانچہ وہ ذات جسے دشمن کہتے ہیں اسے دشمنی بھی بجز اس امر کے اور کچھ نہیں کہ وہ خودغرضی کے راستہ میں ایک قسم کی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ بہترین اور زیادہ دیر پا ہونے والے خودغرضی اگر انسان اور انسان میں پایا اور رفاقت سے وہ دوستوں کے درمیان پائی جاسکتی ہے تو وہ دو فطرتوں کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اور تمام تعلقات، البتہ کی خودغرضیاں وقتی اور فانی ہوتی ہیں، اور تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ البتہ فطرت ایک ایسی شے ہوتی ہے اور ہے جس میں تغیر نہایت دشوار امر ہے اسلئے ہمیں یہ نظریہ بنانا پڑتا ہے کہ "دوستی ایک جذبہ ہے جو پوشیدہ ہے۔ اسلئے ایسے حصول، اعزاز، نسب، خاندان یا کسی دیگر دنیاوی تحریک کی ضرورت نہیں احباب بنا بلکہ جب دو دل ایک ہی فطرت کے ہوتے ہیں یا دو نفسیات یکساں ہوتے ہیں، اور انکی تکمیل ایک مقام پر اجتماع ہو جاتا ہے، بس وہیں سے دوستی کا بیج پڑ جاتا ہے۔ اور اگر دو دل یا نفسیات دو قسم کے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ایسے دو شخصوں میں دوستی نہیں پیدا کرا سکتی"۔ دہ اشخ

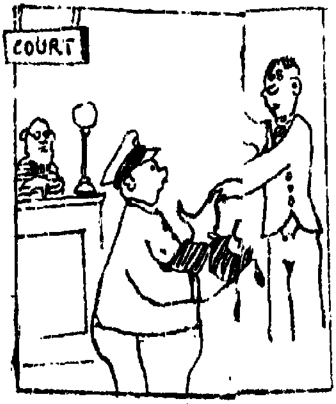
تیم مکین "دوستی" پر لکھتے لکھتے ایک مقام پر کہتا ہے "انسان کے اپنے دوست کیساتھ روابط دوستی امید قطعی نتیجے پیدا کرتے ہیں علاوہ خوشیوں کو دوچند کر دیتے ہیں تا ہم وہ غموں کو نصف کر دیتے ہیں کیونکہ فطری بات ہے کہ جو شخص اپنے دوست سے اپنی خوشیاں بیان کرتا ہے اسکی مسرت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو غم دوست کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں ان غموں میں کمی ہو جاتی ہے۔

اسی سے بھی لطیف تر نکتہ بیکن کے قلم سے یہ نکلا ہے "ایک شخص اپنے لڑکے سے جب بھی کلام کریگا ایک باپ کی حیثیت سے۔ اپنی زوجہ سے ایک شوہر کی حیثیت سے۔ اور دشمنوں سے انکی دشمنی کے اعتبار سے۔ حالانکہ ایک دوست ہر موقع پر اس موقع کے لحاظ سے کلام کر سکتا ہے" پھر اسی فقرہ میں یہ بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر ایک عزیز اسی لئے پیارا ہوتا ہے کہ وہ محبت کرتا ہے تو وہ غیر جسکے لئیں محبت ہو جسے دوست کہتے ہیں، ایک ایسے عزیز سے بہتر ہے، جو محبت نہ کرے، اور اسی مقام پر یہ فقرہ بھی لکھا جا سکتا ہے کہ عزیز بھی اسی لئے پیارا ہوتا ہے کہ اسکے دل میں دوستی ہوتی ہے۔

بہرحال جسطرح فطرتیں دنیا میں مختلف قسم کی پائی جاتی ہیں بعینہ دوستیاں بھی مختلف قسم کی ہونی لازمی ہیں، اگر فطرتوں کو دو قسموں میں منقسم و منقطع کر دیا جائے یعنی فطرت عوام، اور فطرت خواص۔ تو دوستیاں بھی دو قسموں میں منقطع ہو سکتی ہیں پھر ان دونوں فطرتوں کے علیحدہ علیحدہ بھی اقسام کئے جا سکتے ہیں مگر یہاں پر اختصار کی غرض سے محض فطرت خواص کی دو قسمیں کیجاتی ہیں علاوہ جو فطرت عوام سے متاثر ہو چکی ہوتی ہے یا وہ جو فطرت عوام سے غیر متاثر ہو۔ چنانچہ جسطرح خواص و عوام میں صنف اول الذکر کی عقلیت اور آخر الذکر کی جذبیت کا فرق ہوتا ہے۔ اسیطرح وہ اشخاص جنکو فطرت عوام پائی ہے، انکی دوستی بھی جذباتی ہوتی ہے، اور انھیں دوستیوں میں بجائے نفع کے ضرر ہو گیا ہے جب ایسے دو شخص باہم جمع ہو جاتے ہیں تو انکے جذبات میں اور بھی تازگی پیدا ہو جاتی ہے مگر آخر الذکر فطرت کے صنف اول والے اشخاص کی دوستی بیشک نہایت مفید ہوتی ہے اور ان کے باہمی اجتماع سے ملائم اور نازک جذبات پیدا ہوتے ہیں، جو کہ موسائٹی کی روح ہیں، مگر صنف دوم والے اشخاص کو دوستی میں کوئی خاص فائدہ نہیں ملتا، کیونکہ انکے نفس میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر انھیں تنہائی میں انجمن کا لطف

وقت تک موجود رہا کہ جج صاحب تشریف نہ لائے۔

جج صاحب کے سپرہ دار نے سارے حالات بیان کئے اور نہایت عزت کے ساتھ اس رقم کردہ کو پیش کیا۔ جج صاحب نے فوراً ایک غالیچہ طلب کیا اور کچھ مضائقہ نہیں انجیل جب اس کہف پاک نفس کے جسم دشکم میں موجود تو آئندہ اسی پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی جائے گی۔



نوٹ)

اس لطیفہ کی تصاویر نیویارک (امریکہ) کے مشہور روزنامہ "دی ورلڈ" مورخہ ۳۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء کے میگزین سیکشن کے صفحات میں شائع ہوئی ہیں اور ان کی اشاعت کا مدعا غالباً ہوگا کہ اب متبرک کتابوں کی اتنی بھی وقعت نہیں رہی جتنی کہ کتے کی۔

کیونکہ جو مقصد اور جو غرض وقت اس قاعدہ کی ترویج کا سبب ہوا وہ ان دنوں حاصل نہیں اس لئے کہ لوگ جو مقدس کتابوں کی قسم کھانے کے صداقت وسچائی سے بیانات نہ دیتے ہوں گے۔

اس میں تو شک نہیں کہ قرآن مجید کی قسم کھانے کا یہ رواج جو عدالتہائے اسلامی میں قانوناً نافذ ہے وہاں ایک بڑی مثال یہ ہے کہ مستغیث یا ملزم یا گواہان اکثر وبیشتر عدالت میں باوضو نہیں آتے اور بعض تو طہر بھی نہیں ہوتے اور پھر ان کے ہاتھوں میں اس متبرک اور پاک قرآن کریم کو دے دیا جاتا ہے۔

حالانکہ خود ارشاد ربانی ہے کہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔

کفایت شعاری

کی

ایک مثال

نیویارک میں ایک نہایت کفایت شعار لڑکا جیمس موررہے اس لڑکے کی عمر کوئی ۱۹ سال ہوگی۔ یہ مقام یانکیڈم کا باشندہ ہے اس کی کفایت شعاری بظاہر بخل سے بھی سوا ہے لیکن حقیقت میں محنت ومشقت کا ایک سبق ہے۔

یہ لڑکا بیحد غریب اور بیکس حالت میں تھا اور ابتدا میں بحیثیت ایک مزدور کے ایک بڑی عمارت کی تعمیر کے محکمہ میں چونا اور دیگر مسالوں کی آمیزش کرنے اور اسکے گارا بنانے کے کام پر نوکر ہوگیا اسکو میاں ۳۵ ڈالر[1] فی ہفتہ ملتے رہے رات کو اس نے ہوٹلوں اور ریستوران میں برتن دھونے کی ملازمت کرلی۔ گویا دن بھر تو تعمیر کے کام پر ہفتہ وار تنخواہ سے ملازمت کرتا تھا اور شب کو کچھ گھنٹوں کے لئے ہوٹل کے تنے ہوئے برتن۔ رکابیاں۔ پیالے وغیرہ صاف کرنا۔ دھونا اور مانجھنا تھا جس کے معاوضہ میں دونوں وقت کا ناشتہ اور کھانا اسے ہوٹل سے مل جاتا تھا۔ اپنی رہائش کے لئے بھی اسے کسی انتظام کی فکر نہ تھی کیونکہ اس نے ایک دوکان پر ایک چوکیدار شب کو سونے کی ملازمت کرلی تھی۔ اس طرح کی کل آمدنی سالم طور پر پس انداز ہوتی تھی اور بدون فکر اور غم کے اس کی زندگی لطف سے گزرتی تھی۔ نہ اس کو کھانے کی فکر تھی نہ رہنے کی۔ فقط اپنے اوقات معینہ پر تندھی اور محنت سے اپنے مقررہ فرائض انجام دے لیا کرتا۔ چند ہی ہفتوں میں اس نے تقریباً ساٹھ ڈالر بینک میں جمع کرلئے۔ اور اسے اپنی آئندہ عمارت اور شاہانہ زندگی کے خواب نظر آنے لگے کہ بہت تھوڑے عرصہ میں وہ ایک نہایت مالدار شخص ہو جائے گا۔

چنانچہ چند سال کی محنت اور کفایت شعاری کی عادت اختیار کرنیکے بعد اب ملک کا نہایت متمول سوداگر ہے اور اب اس کی زندگی بڑی راحت واطمینان سے بسر ہورہی ہے۔

[1] ڈالر دو روپیہ کے برابر ہوتے ہیں ۱۲

پندرھویں معمہ کا نتیجہ

یہ معمہ بہت آسان تھا - مگر بعض بہنوں اور بھائیوں نے بغیر سوچے سمجھے جواب لکھ دیا ان پھلوں کو تو آپ ہر روز دیکھتے ہوں گے یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو سمجھ میں نہ آتی - اس پر بھی کل ۱۲ اشخاص کے جوابات موصول ہوئے - جن میں سے کسی کے بھی پورے ۱۶ سوالات صحیح نہیں - ان میں سے صرف ۶ قرعہ اندازی میں شامل کئے گئے جن کے ۱۲ سے بھی کم جوابات صحیح نکلے ہیں - ہم نے ۱۲ یا کم سے کم ۱۱ صحیح جواب والوں کو قرعہ میں شامل کیا ہے - ہر ایک صاحب کے نام کے سامنے ان کے صحیح جوابات کی تعداد لکھ دی گئی ہے -

اس معمہ کے صحیح حل یہ ہیں

(۱) آم (۲) رس بھری (۳) کھجور (۴) اخروٹ (۵) نریل (۶) کھیرا (۷) سردہ (۸) آڑو (۹) بیر (۱۰) انار (۱۱) سیب (۱۲) انگور (۱۳) کیلا (۱۴) شہتوت (۱۵) لیچی (۱۶) جامن -

جن کو قرعہ اندازی میں شامل کیا گیا

۱- محسنہ خانم صاحبہ معرفت حکیم سید حمید الدین صاحب بہار شریف ۱۵

۲- جناب نجم الحسن صاحب معرفت جناب بدر الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر جھانسی ۱۵

۳- جناب قاضی مطیع الرحمٰن صاحب صدیقی جوگندر نگر ضلع کانگڑہ پنجاب - ۱۵

۴- سید ہاشم علی صاحب کلرک بھوپال ۱۴

۵- بیگم صاحبہ سید سعید حسین صاحب رضوی ایم - اے - اسسٹنٹ انجنیئر محمود آباد - ۱۲

۶- جناب حسن یحییٰ صاحب متعلم درجہ دہم گورنمنٹ ہائی اسکول دہلی ۱۲

جو قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہو سکے

۱- محترمہ ز - م صاحبہ معرفت پروفیسر فیروز مراد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ - ۱۱

۲- ت - ایزدی معرفت محمد منیں صاحب فاروقی بی - اے - ایل ایل بی مترجم چیف کورٹ لکھنؤ - ۱۱

۳- جناب نبی احمد صاحب انصاری متعلم درجہ ششم جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی ۱۰

۴- جناب معین الاسلام صاحب متعلم درجہ ہفتم اسلامیہ ہائی اسکول سہارن پور ۱۰

۵- جناب عبد اللطیف صاحب معرفت محمد جلیل صاحب جامع مسجد دہلی - ۸

۶- جناب فیاض احمد صاحب معرفت سید محمد اشرف علی صاحب کرنال - ۶

اس معمہ کا انعام قرعہ اندازی کی رو سے جنابہ محسنہ خانم صاحبہ کو دیا جانا قرار پایا ہے جو اس ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہو جائے گا -

عبد الرحمٰن

پڑھیے اور ہنسیے

جج :- (ملزم سپاہی کے گواہ سے) یہ سپاہی نیک چلن ہے یا بدمعاش ہے؟

گواہ :- حضور اگر یہ بدمعاش نہ ہوتا تو پولیس کی نوکری کیوں کرتا ؟

باپ :- (بیٹے سے) جب میں مروں گا تو تمہارے لئے ایک کوڑی نہ چھوڑوں گا -

بدچلن بیٹا :- اچھا تو ایک کوڑی بھی لے جا کر دکھلانا -

ایک کنجوس :- (کپتان کو ٹیلیفون پر) جناب ! ایک سو والنٹیر فوراً بھیج دیجئے -

کپتان کس لئے ؟

کنجوس :- میں اپنا مکان بنوا رہا ہوں -

ماں :- (شریر لڑکے سے) دیکھو مہمانوں کے ساتھ جس وقت کھانے پر بیٹھنا تو ہرگز منہ نہ کھولنا - ورنہ پٹو گے - کھانا شروع ہوا تو چند منٹ کے بعد لڑکا بول اٹھا :- "اماں . . ." ماں :- "چپ ، چپ" - کھانا ختم ہونے کے بعد ماں نے پوچھا کیوں اس وقت کیا کہنا چاہتے تھے -

لڑکا :- سنیئے نے سالن میں مری ہوئی بھڑ ڈال دی تھی جو مہمان صاحب کھا گئے -